# درد کے فاصلے

رضیہ جمیل

# میرا ایک ناول

پیرے ندیم میرا پہلا ناول تھا۔ اس کی پذیرائی جس طرح ہوئی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد میرے چھ ناول آ چکے ہیں اور اب آٹھواں ناول آپ کے ہاتھ میں ہے۔
ساتواں ناول "ساگر، دریا، بادل، بوند" ماہنامہ کرن میں قسط وار چھپ چکا ہے اور جلد کتابی صورت میں آ رہا ہے۔

ناول یا افسانہ وقت گزاری کا، تفریح کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن فن برائے فن یا ادب برائے ادب کی میں کبھی قائل نہیں رہی ہوں۔ رومانی اور جمالیاتی احساسات کی ترجمانی ضروری ہے لیکن چند متعین کردہ حدود کے اندر رہ کر۔ میرے ذہن میں ہمیشہ سنجیدگی اور اعلیٰ ارفع زندگی کا ایک تصور رہا ہے۔ اور یہی فضا میں نے اپنے ناولوں میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر دو رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک رجحان صرف لکھتے رہنے کا ہے اور اس کی کوئی فکری بنیاد نہیں ہوتی۔ اس صورت میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کا تاثر بہت ہلکا ہوتا ہے۔ پڑھنے والے وقتی طور پر محظوظ ضرور ہوتے ہیں لیکن دیرپا تاثر قبول نہیں کرتے۔
دوسرا رجحان ان تحریروں کا ہے جو کہ کسی خاص مقصد کے زیر اثر لکھی جاتی ہیں۔ ان میں مقصدیت اتنی غالب آ جاتی ہے کہ افسانہ یا ناول تبلیغ یا تقریر بن کر رہ جاتا ہے۔
میں نے ان دونوں رجحانات کے بین بین چلنے کی کوشش کی ہے۔ میری تحریروں میں ایک ہلکی پھلکی فضا ہے جو نہ تصنع سے معمور ہے اور نہ اینٹلکچول دکھاوے کا شکار ہے۔ لیکن اس میں آپ ایک فکری گہرائی اور احساس کا خلوص ضرور پائیں گے۔
سادہ زبان میں بات کہنے کی کوشش کی ہے۔
جذبات ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ چاہنا اور چاہے جانے کی خواہش انسان کی فطری جبلت ہے۔ انسانی جبلت اور سماجی، مذہبی اور اخلاقی اقدار اور انسان کی داخلی خواہشات کی جنگ میں اگر جیت جذبات کی ہو تو زندگی جذباتی الجھاؤ کا شکار ہو جاتی ہے۔

خواب ہر شخص دیکھتا ہے لیکن جب خوابوں کی یہ دنیا جس کی کوئی تعبیر نہیں ہے بے رنگ اور بے مہر حقیقتوں کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکراتی ہے تو پاش پاش ہو جاتی ہے اور زندگی ریت کے خشک ذرّوں کی مانند بکھر جاتی ہے۔

متوسط طبقہ ہمارے معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی طبقہ مذہبی، اخلاقی اور سماجی اقدار کا نمائندہ ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ زندگی کی چکی میں سب سے زیادہ یہی طبقہ پستا ہے۔

میرا یہ ناول متوسط طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ عام طور پر عورت کو مظلوم خیال کیا جاتا ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ نہ عورت مظلوم ہوتی ہے نہ مرد ظالم۔ یہ حالات ہیں جو انسان کو وہ بنا دیتے ہیں جو وہ نہیں ہوتا۔ شادی جس پر ایک کنبے کی اساس رکھی جاتی ہے بعض اوقات اس میں کسی ایک فریق کی مرضی شامل نہ ہو تو یہ بندھن کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا اثر پوری نسل پر پڑتا ہے۔ عورت جو گھر بناتی ہے اگر اس کے قدم بہک جائیں تو اس گھر کے تنکے بکھر جاتے ہیں۔

میرا یہ ناول اسی عورت کی کہانی ہے جس نے جذبات کو فرائض پر ترجیح دی۔ محبّت کی خاطر ممتا کو چھوڑ دیا۔ لیکن ایک دن ایسا آیا کہ پچھتاوے اس کا مقدر بن گئے۔ اس کا فیصلہ اس کی اولاد کے مستقبل کی راہ میں دیوار بن گیا۔

میری یہ تحریر اور اس میں انسانی نفسیاتی تجزیہ آپ کو کہاں تک پسند آیا؟ اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں۔

رضیہ جمیل

افسانوں کی دنیا میں سب جھوٹ نہیں ہوتا
دل اور بھی اُلجھے گا، پڑھیئے نہ کتابوں کو

ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا آیا۔ نیم کے درخت سے ڈھیروں خشک پتیاں چپ چپ سی مدھم آواز کے ساتھ سوکھی دھرتی پر برس گئیں۔ چمکتا ہوا شفاف نیلگوں آسمان جھکا ہوا چپ چاپ نیچے یکھتا رہا۔ سورج کی تیز چمکیلی کرنیں ہر چیز کو جھلسائے دے رہی تھیں۔ درختوں کے سائے بے حد گرم تھے اور دیواروں سے آگ نکل رہی تھی۔ پیاس کی شدت سے نڈھال چڑیاں اپنی ننھی منی نچیں کھولے اِدھر سے اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھیں۔ درختوں کی پھیلی ہوئی برہنہ شاخیں فضا کے جھل پن کا احساس لئے دھیرے دھیرے گزرتے ہوئے لمحوں کی آہٹ سُن رہی تھیں۔

ایک ہی رفتار سے چلتے ہوئے پنکھے کو یاسمین نے بڑی بیزار نگاہوں سے دیکھا اور بستر سے نکہ کھڑکی کے قریب چلی آئی۔ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہیں باہر بھٹک گئیں۔ تپتی ہوئی سڑک نسان پڑی تھی۔ پیپل اور برگد کے پرانے درختوں سے جھڑے ہوئے زرد سوکھے پتے ہوا کے ندموں میں ڈولتے پھر رہے تھے۔ زمین پہ پھیلے ہوئے درختوں کے بے ڈول سائے ایک دوسرے سے الجھے ہوئے دھیرے دھیرے ہلتے ہوئے پتوں کی سرگوشیاں سن رہے تھے۔

زینے پہ کسی کے قدموں کی چاپ اُبھر رہی تھی۔ یاسمین نے پلٹ کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔ بجنے میں تقریباً پچیس منٹ باقی تھے۔

اس نے سوچا۔

تو ارحمت یقیناً کھانے کے لئے پوچھنے آ رہی ہوں گی۔

جب کہ اسے نہ بھوک تھی نہ کھانا کھانے کی خواہش۔

بوا رحمت دوپٹے سے اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھتی ہوئی اندر چلی آئیں۔

بوا نے اسے کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو تشویش سے بولیں۔

کب سے بیٹھی ہوئی ہو بیٹا؟

ابھی آکر بیٹھی ہوں بوا، جب سے تو لیٹی ہوئی تھی۔

ہاں، زیادہ دیر نہ بیٹھنا ورنہ تھکن ہو جائے گی۔

لیٹے لیٹے بھی تو تھکن ہو جاتی ہے۔

بوا نے سنی ان سنی کر دی اور اس کا بستر جھاڑتے ہوئے بولیں۔

کھانا لے آؤں؟ ایک بجنے والا ہے۔

بھوک نہیں ہے بوا۔

تھوڑا سا ہی کھا لو بیٹا!

کھانا کھانے کو ذرا بھی جی نہیں چاہ رہا۔

دودھ لا دوں؟

دودھ پیتے پیتے بھی جی اُکتا گیا ہے۔

کچھ نہ کچھ تو پیٹ میں جانا چاہیئے، ورنہ کمزوری بڑھ جائے گی۔

یاسمین سوچ میں پڑ گئی۔

بوا چند سیکنڈ تک اس کی طرف دیکھتی رہیں۔ پھر جیسے فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔

میں دودھ لینے جا رہی ہوں۔ دودھ تو تمہیں پینا پڑے گا۔

یاسمین نے کچھ کہنا چاہا لیکن بوا سٹر پٹر کرتی زینے کی طرف بڑھ گئیں۔ یاسمین کرسی کی پشت سے سر ٹیکے میز پر بکھری ہوئی دواؤں کی شیشیوں کی طرف دیکھنے لگی اور سوچنے لگی۔

ان شیشیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ آخر دواؤں کے سہارے زندگی کا یہ بوجھ میں کب تک گھسیٹے جاؤں گی۔ لوگ کہتے ہیں زندگی ایک نعمت ہے۔



لیکن — انہیں کون بتائے؟

زندگی جب زحمت بن جاتی ہے تو ایک ایک لمحہ، ایک ایک صدی بن کر گزرتا ہے۔

ایک ایک سانس بارِ گراں بن جاتی ہے۔

اسے یاد آیا۔

جب بڑی بھابی کا گردے کا آپریشن ہوا تھا تو ہاسپٹل میں وہ ان کے ساتھ رہتی تھی۔ جانے کیسے کیسے دکھی مریض موت اور زندگی کی کشمکش میں گرفتار گزرنے والے کل اور آنے والے کل کے لمحوں کا حساب لگایا کرتے تھے۔ امید اور ناامیدی کے بھنور میں ڈوبتے اور چکر لیتے ہوئے سائے ان کی آنکھوں کی جلتی بجھتی جوت میں ہولے ہولے کانپتے تھے۔

مگر وہ ایک مریض، بالکل انجانا، بالکل اجنبی جسے یاسمین نے ایک دفعہ بھی نہیں دیکھا۔

بس کسی گوشے سے اس کی آواز آیا کرتی تھی۔

درد بھری آواز، فریاد کرتی ہوئی آواز، تھم تھم کے گزرتی ہوئی رات کے سناٹوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرتی رہتی تھی۔

میرے مالک، اب تو اُٹھا لے۔

اب یہ بوجھ مجھ سے نہیں اُٹھایا جاتا۔

لوگ تجھ سے زندگی مانگتے ہیں، میرے مولا! مگر میں تو موت کی بھیک مانگ رہا ہوں۔

تو کب سنے گا پروردگار! تو کب سنے گا؟

نہیں چاہیئے اب مجھے زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں چاہیئے۔

اُٹھا لے خداوندا! اُٹھا لے۔

یاسمین کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، اس کا پریشان دل اور پریشان ہو جاتا۔

وہ سوچتی۔

معلوم نہیں، بے چارہ کس اذیت سے دوچار ہے جو زندگی کے بوجھ کو اپنے کاندھوں سے

اتار پھینکنا چاہتا ہے۔

تین راتوں تک وہ موت کی بھیک مانگنے والے کی صدائیں سنتی رہی اور اپنے وحشت زدہ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ اس اجنبی، انجان شخص کے لئے زندگی کی دعا مانگے یا اسے موت کی بد دعا دے یہ سچ تھا کہ ان دنوں دعا اور بد دعا کا تعین کرنا اس کے لئے سخت دشوار ہو گیا تھا۔

کبھی وہ اس کے لئے دعا مانگنے کا ارادہ کر کے ایک دم سہم جاتی۔

ارے! نہیں نہیں۔ مجھے اس کے زندہ رہنے کی دعا نہیں مانگنی چاہئیے، معلوم نہیں اب ایک سانس اس پر کس قدر بھاری ہو، کیا خبر؟ درد کی اذیتیں اس کے لئے ناقابل برداشت ہو چکی ہوں۔ میں جسے دعا سمجھ رہی ہوں۔ کہیں وہ اس کے حق میں بد دعا ہی نہ ثابت ہو

پھر وہ اپنے آپ سے سوال کرتی۔

کیا وہ اس کے لئے موت کی بھیک مانگے خدا سے؟

یہ بھی اس کے لئے بہت مشکل تھا۔

اس کے کانپتے ہوئے لب ساکت ہو جاتے۔

نہیں نہیں، میں ایسا بھی نہیں کر سکتی۔

ایک انجانا سا خوف اس پر مسلط ہو جاتا۔

اسے اپنے دل کی دھڑکنیں مدھم ہوتی ہوئی محسوس ہوتیں۔

وہ خدا سے اس کے لئے کچھ بھی نہ مانگ پاتی۔

چوتھی رات ــــ یاسمین وہ درد بھری آواز، وہ فریاد سننے کی منتظر ہی رہی۔ رات ڈھلتے ڈھلتے صبح کے اُجالوں کی پھیلی ہوئی بانہوں میں سمٹ گئی۔ او جھل ہو گئی۔ صبح کو ڈیوٹی پر آنے والی نرس سے اس نے پوچھا تو اسے معلوم ہوا اس بوڑھے مریض کی مشکل آسان ہو گئی تھی۔ اس کے کمزور ناتواں شانے زندگی کے بوجھ سے آزاد ہو چکے تھے۔



اس کی زندگی کے ان گنت لمحات سوکھے پتوں کی مانند جھڑ کر نہ جانے کن سمتوں میں اُڑ گئے تھے۔ مگر اس اجنبی کی آواز کی بازگشت اب بھی کبھی کبھی اسے سنائی دیتی تھی۔

کچھ آوازوں کے سائے زندگی بھر پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ان کی رفتار چاہے سست ہو یا تیز، وہ تعاقب ضرور کرتے ہیں۔

اس آواز میں بھی ایسی ہی کوئی بات تھی جبھی تو وہ آواز بھلائے نہیں بھولتی تھی۔

اور اب جب کہ زندگی کے اس نئے موڑ پر یاسمین کو اپنا وجود ایک بالکل بیکار شے معلوم ہوتا تھا۔

اپنا ہر سانس اسے ایک بارِ گراں محسوس ہوتا تھا۔ تو وہی پرانی آوازیں اسے اپنے دماغ پر ہتھوڑے سے برساتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

دواؤں کی شیشیوں پر نگاہیں جماتے ہوئے اس کا ذہن بھٹک گیا تھا۔ اس کے کانوں میں وہی پرانے جملے گونج رہے تھے۔

زینے پر پھر قدموں کی چاپ بلند ہو رہی تھی۔

یاسمین اپنے خیالوں سے چونک گئی۔ بوا رحمت ٹرے اپنے ہاتھوں میں تھامے ہانپتی کانپتی اندر آ گئیں۔ ٹرے میں دودھ کا گلاس اور کریم والے بسکٹوں کی ایک پلیٹ تھی۔

وہ جب تک دودھ پیتی رہی، بوا اس کے سامنے والی دوسری کرسی پر بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔ دودھ کا گلاس خالی ہوا تو بوا نے کہا۔

بسکٹ تو کھائے نہیں تم نے۔

دل نہیں چاہا۔

اچھا تو پھر میں بسکٹ کی پلیٹ چھوڑے جاتی ہوں، شاید تھوڑی دیر میں بھوک لگے۔

اچھا!

بوا نے دودھ کا گلاس اور ٹرے اُٹھاتے ہوئے کہا۔

پھل بھی رکھے ہیں تمہارے پاس، اسی میں سے کچھ کھا لو۔

دل چاہے گا تو کھا لوں گی۔

بوا نے اس کے زرد چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

یاسمین کو معلوم تھا۔ بوا اس وقت کیا سوچ رہی ہیں۔ اس نے ان کی توجہ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے کھانا کھایا بوا؟

نہیں بیٹا، آج میرا جی کچھ اچھا نہیں ہے۔

کیوں — کیا ہوا؟

کچھ سردی سی محسوس ہو رہی ہے، بدن میں بھی درد ہے۔

کہیں ملیریا نہ ہو جائے۔ آپ شام کو جا کر کسی ڈاکٹر کو دکھائیں۔

ہاں، شام کو ہی جاؤں گی، اس وقت تو کوئی ڈاکٹر ملے گا نہیں۔

اب آپ جا کر آرام کیجئے۔

لیٹنے ہی جا رہی ہوں، تم بھی اب آرام کرو بیٹا۔

آپ میری فکر نہ کیجئے، میں ابھی لیٹ جاؤں گی۔

راشد میاں تو آج مغرب سے پہلے گھر نہیں آئیں گے۔

ہاں، وہ دیر سے آنے کے لئے کہہ گئے ہیں۔

اگر وہ جلدی آ جائیں تو ان سے کہنا مجھے اٹھا دیں، خود کھانا نکالنے نہ پہنچ جائیں۔ باور[illegible] یں۔

وہ مغرب سے پہلے نہیں آئیں گے بوا۔

میں احتیاطاً کہہ رہی ہوں۔ کیا خبر آ ہی جائیں۔

اچھا —!



[illegible] کچھ ٹھیک تھوڑی ہے، نیند آ گئی تو ذرا بھی ہوش نہیں رہے گا۔

نذیر سے کہہ دیجئے، وہ دے دے گا کھانا۔

نذیر تو اپنے بھائی سے ملنے گیا ہے، رات سے پہلے تھوڑی آئے گا۔

افوہ! میرا دماغ بھی کیسا ہو گیا ہے۔ صبح مجھ سے پوچھ کر ہی تو گیا ہے اور میں بھول بھی گئی۔

یاسمین نے کہا اور بوا اسے لیٹ جانے کی تاکید کرتی ہوئی نیچے چلی گئیں۔ بوا کے قدموں کی آواز نچلی منزل کے کسی گوشے میں جا کر بالکل ہی معدوم ہو گئی۔

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی، سنسناتی ہوئی خاموشی۔

جو اس کے دل کے زخموں کی رازداں تھی۔

سناٹوں کے گہرے سوز میں ڈوبے ہوئے لمحے بڑی آہستگی سے اس کے قریب سمٹ آئے۔

اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی دوسری کرسی پر پاؤں پھیلا دیئے اور کرسی کی پشت سے سر ٹیک دیا۔ اس کے قریب ہی چھوٹی میز پر بسکٹوں کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی، ہاتھ بڑھا کر اس نے ایک بسکٹ اٹھا لیا۔ لیکن اس کے منہ تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ بسکٹ چور چور ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا بسکٹ جوں کا توں تھا۔ یہ محض اس کا تصور تھا

اس نے بسکٹ کو واپس پلیٹ میں رکھ دیا لیکن زمین پر بکھرے ہوئے بسکٹ کے چورے سے وہ اپنی نگاہیں نہ ہٹا سکی۔

اس نے کتنا چاہا۔

کتنی کوشش کی کہ

تصور کا وہ دریچہ بند ہو جائے۔

اسے کچھ یاد نہ آئے۔

اسے کسی کا خیال نہ آئے۔

اس کے کانوں میں کسی کے نرم نرم قدموں کی چاپ نہ گونجے۔

اس کی نگاہوں کے سامنے کسی کی رنگ برنگی فراکوں کے خوبصورت دامن دھنک کے
رنگوں کی مانند نہ لہرائیں۔

کوئی ننھی سی آواز اس کی روح کے زخمی تاروں کو نہ چھیڑے۔

مگر اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کی اہمیت ہی کیا تھی۔

بہت کچھ ـــــ جو اس نے چاہا تھا نہ ہو سکا، کبھی نہ ہو سکا۔

اور وہ ـــــ جو اس نے نہیں چاہا تھا، کبھی نہیں چاہا تھا، وہ ہو گیا۔

اور اب ـــــ جب کہ زندگی کی کڑی دھوپ میں چلتے چلتے وہ تھکن سے بے حال ہو چکی
تھی تو ـــــ

یہ احساس کس قدر شدید ہو گیا تھا۔

اور کس قدر جان لیوا،

کہ خلوص، وفا، ساری محبتیں اور تمام چاہتیں۔ یہ سب مٹی کے کمزور کھلونے ہیں۔

ان کی کوئی اہمیت نہیں۔

کتنی آسانی سے ٹوٹ جاتے ہیں یہ کھلونے؟

ناسمجھی کے پہلے لمحات سے لے کر اب تک وہ محرومیوں کے کتنے اذیت ناک جذبات سے
دوچار ہوتی رہی۔

آرزوؤں کے جلتے ہوئے دیئے تھامے وہ ایک ایک قدم سنبھل سنبھل کر اُٹھاتی رہی۔

انجانی سمتوں سے آتی ہوئی ہواؤں کی زد سے ان کو بچانا کتنا مشکل تھا۔

آوارہ ہوا کا کوئی جھونکا ان ننھے منے چراغوں کو بجھا دیتا تو سوائے گھور اندھیروں کے
اور کیا باقی رہ جاتا۔

اندھیروں میں راستوں کا تعین کرنا کس قدر دشوار ہوتا ہے۔

اور جب راستہ ہی نہ سوجھے تو منزل تک پہنچنے کا تصور ہی بے معنی سا ہو کر رہ جاتا۔

آنے والی حسین رُتوں کی آہٹیں سن سن کر وہ اپنے دل کے حوصلے بلند کرتی رہی۔

آرزوؤں اور خواہشوں کے ننھے منے چراغوں کے ٹمٹما کر بجھ جانے کا خوف اپنے دماغ میں
سمائے وہ اپنے سامنے نظر آنے والے ہر راستے پر بھاگتی رہی۔

ایک بعد دوسرا راستہ، پھر تیسرا راستہ۔

اور ہر راستے پر ایک نیا موڑ ابھرتا رہا۔

مگر منزل تو کہیں بھی نہیں تھی۔

وہ بھاگتے بھاگتے آبلہ پا ہو گئی۔

اور پھر درد کے جلتے صحرا میں بھٹک کر رہ گئی۔

جھلس کر رہ گئی۔

کبھی کبھی تدبیر اور تقدیر دونوں ہی انسان کو شکست دے دیا کرتی ہیں۔

وہ بھی ہار گئی تھی۔

سچ مچ ہار گئی تھی۔

اور اب اس میں ایک قدم بھی چلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

اب تو زندہ رہنے کو بھی اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

مگر وہ کیا کرتی؟

وہ مجبور تھی۔

اپنی عمر کے لمحوں پر اس کا اختیار نہیں تھا۔

جتنی گھڑیاں، جتنی سانسیں اس کی قسمت میں لکھ دی گئی تھیں، ان کا حساب اسے بہر حال
دینا تھا۔

اب وہ تھی اور اس کے گرد رینگتے اور سرسراتے ہوئے سائے۔

طویل سائے۔

یادوں کے سائے۔

وہ فیصلہ کرتی تھی۔ اب کچھ نہیں سوچے گی۔

کچھ بھی نہیں یاد کرے گی، مگر وہ ایک لڑکی --- وہ ایک چھوٹی سی لڑکی اپنے چہرے پہ محرومیوں کے نقش سجائے اس کے سامنے آکھڑی ہوتی تھی۔

بینا! بینا!

یاسمین کے لب ہولے سے کانپ اُٹھتے۔

نگاہیں دھندلا جاتیں۔

آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں آنکھوں سے دل میں جانے کتنے سمندر چپ چاپ اتر جاتے۔

بلک بلک کر روتی ہوئی بینا کی آوازیں اس کے دل کے تاروں کو جھنجھوڑ ڈالتیں۔

میں امی کے پاس جاؤں گی۔

مجھے امی کے پاس لے چلو۔

میری امی کہاں ہیں؟

آسمان میں شگاف کرتی ہوئی وہ چیخیں سب کے دلوں کو دہلا دیتیں۔ ابّو غمزدہ ہو جاتے بڑے بھیا پریشان ہو جاتے۔ باقی تینوں بھائی اس کی دلجوئی کی خاطر اپنا ہر کام چھوڑ کر اس کے آگے پیچھے پھرتے لگتے۔

بینا ٹافی کھاؤ گی۔

چھوٹے بھیا ٹافیوں کا پیکٹ اُس کے سامنے رکھ دیتے۔ وہ ٹافیوں کا پیکٹ اُٹھا کر دُور پھینک دیتی۔

بسکٹ لو گی بینا!

اسلم بھیا کریم والے بسکٹ اس کے سامنے رکھ دیتے۔

نہیں کھاؤں گی۔

وہ بسکٹ کو مسل ڈالتی۔



اچھا آؤ، ریل گاڑی چلاتے ہیں۔

بڑے بھیا چابی والے کھلونوں کے ڈھیر میں سے ریل گاڑی نکال کر لے آتے۔

رنگ برنگی ریل گاڑی کو زمین پہ بھاگتے دیکھ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے بہل جاتی۔ لیکن اس کے بعد پھر وہی رٹ [illegible]تی اور وہی چیخ و پکار۔

اسے معلوم تھا کہ اس کی ان باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں مانی جا سکتی تھی۔ نہ اسے امی کے پاس لے جایا جا سکتا تھا اور نہ ہی اسے یہ سمجھایا جا سکتا تھا کہ اس کی امی کہاں ہیں۔ ان سب باتوں کو سمجھنے کے لئے وہ بہت چھوٹی تھی۔ اس کا دماغ بہت ننھا سا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر گھر سر پہ اُٹھا لیتی تو کبھی ابّو اور کبھی بڑے بھیا اسے گود میں اُٹھا کر باہر نکل جاتے اور بڑی دیر تک سیر سپاٹے کرانے کے بعد گھر واپس لاتے۔ گھر واپس آتی تو پھر کسی کے نہ ہونے کا احساس دوبارہ جاگ اُٹھتا اس کی معصوم نگاہیں گھر کے کونے کونے میں بھٹک بھٹک کر انہیں تلاش کرتیں مگر وہ تلاش کتنی بے سود ثابت ہوتی تھی۔

جانے کتنے شب و روز یونہی شدید احساسِ محرومی میں گزر گئے۔ کبھی بڑی پھپھو کے سینے سے لگ کر سکون حاصل کرتی اور کبھی خالہ جان کے شانے پر سر رکھ کر ممتا کی گرمی کو ڈھونڈتی۔

لیکن یہ سارے سہارے کس قدر عارضی تھے۔

کوئی اس کے دل کی دھڑکنوں کو نہ سنتا۔

ننھی منی بے ترتیب دھڑکنیں۔

دھک دھک کرتا ہوا چھوٹا سا دل۔

جس میں کسی انمول شے کے گم ہو جانے کا دکھ سمایا ہوا تھا۔

جس میں کسی ایسی ہستی کے کبھی نہ پلٹنے کا خوف سمایا ہوا تھا جسے وہ اپنے آپ سے بے حد قریب محسوس کرتی تھی۔

چھوٹے سے دماغ میں ایک کے بعد دوسرا سوال اُبھرتا رہتا۔

امی کہاں چلی گئیں؟

کیوں چلی گئیں؟

وہ کب آئیں گی؟

رشتے داروں اور پاس پڑوس کے چھوٹے چھوٹے بچے۔ اس کے ہم عمر بچے۔ جن کے ساتھ وہ کھیلتی تھی۔ اپنی ماؤں کی آوازیں سن کر "جی امی"، کہتے ہوئے ان کی طرف بھاگتے اور مائیں لپک کر انہیں سینے سے لگالیتیں۔ انہیں پیار کرتیں تو مینا کا ننھا سا دل بڑی زور سے دھڑک اُٹھتا۔ دکھ کی ایک لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ جاتی۔ وہ بڑی حسرت سے ان بچوں اور ان کی ماؤں کو دیکھتی پھر سر جھکا لیتی۔

پھر اس نے گھر میں ایک اجنبی چہرہ دیکھا۔ جس کی آنکھیں محبت کی جوت سے جگمگایا کرتی تھیں جس کے لبوں پر شفقت بھری مسکراہٹیں بکھری رہتی تھیں، جس کی بانہیں اسے آغوش میں سمیٹنے کے لئے بے تاب رہتیں، مگر مینا کے دل و دماغ پر چھایا ہوا خوف اسے اس کی طرف بڑھنے کی ہمت ہی نہیں دیتا تھا۔

یہ کون عورت ہے؟

کہاں سے آئی ہے؟

مجھے کیوں بلاتی ہے؟

وہ اپنے آپ سے ہی سوال کئے جاتی۔

اور پھر خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے لگتی۔

مجھے اس کے پاس نہیں جانا چاہیئے۔

اور سچ مچ جانے کتنا وقت گزر گیا وہ اجنبی عورت سے مانوس نہ ہو سکی۔

اس کی شفقت کے جواب میں وہ منہ دوسری طرف کر لیتی۔

اس کی محبت کے جواب میں وہ خاموش بیٹھی ٹکر ٹکر اس کی طرف دیکھتی رہتی۔



اس کے ہاتھ سے منہ دھلوانا، کپڑے بدلنا، بال بنوانا اور کچھ کھانا پینا اسے ذرا بھی اچھا نہ لگتا تھا۔

وہ بے چاری بہلاتی، پھسلاتی، چمکارتی لیکن مینا کی ضد اسی قدر بڑھتی جاتی۔

اور جب تنگ آکر وہ ذرا سی زبردستی کرنے کی کوشش کرتی تو مینا رو رو کر ہلکان ہو جاتی۔

ابو کہتے۔

مینا بیٹی! یہ تمہاری توا ہیں۔

لیکن مینا کو ان توا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

بڑے بھیا بہلاوا دیتے۔

مینا گڑیا! یہ تمہیں بہت اچھی اچھی چیزیں پکا کر کھلائیں گی۔

مینا کے اوپر کوئی اثر نہ ہوتا۔

چھوٹے بھیا اسے لالچ دینے کی خاطر اُن اچھی اچھی چیزوں کے نام بھی گنوا دیتے۔

مینا کے منہ میں ان چیزوں کا ذائقہ محسوس کر کے ذرا بھی پانی نہ آتا۔

ایسی صورت میں توا کا رکھنا بے کار تھا۔ توا صرف اسی کی خاطر رکھی گئی تھیں۔

ابو نے ایک دن اس سے کہا۔

مینا بیٹی! تم توا سے بات نہیں کرتیں نا، توا جا رہی ہیں۔

مینا نے دیکھا۔

توا اپنا مختصر سا سامان سنبھالے جانے کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ وہ ابو کے قریب کھڑی چپ چاپ توا کی طرف دیکھتی رہی۔

ابو نے کہا۔

توا کو خدا حافظ کہہ دو، وہ جا رہی ہیں۔

مینا کے لبوں کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔

تّوا نے آگے بڑھ کر اسے پیار کیا۔ اس کے سر پہ محبت سے ہاتھ پھیرا اور شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

خدا حافظ بیٹا۔

بینا خاموش کھڑی ان کی طرف دیکھتی رہی۔

لیکن جب تّوا کے قدم دروازے کی طرف بڑھے تو وہ چیخ پڑی۔

نہیں نہیں، تّوا نہیں۔

تّوا کے بڑھتے قدم رک گئے۔ انہوں نے پلٹ کر بینا کی طرف دیکھا۔

ابّو کی حیران نگاہیں بھی بینا کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے پوچھا۔

کیا بات ہے بینا؟

اس کے ہونٹ پھر سل گئے۔

ابّو نے بڑے دلار سے دوبارہ پوچھا۔

اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

ابّو! تّوا کو مت جانے دیں۔

کیوں؟

تّوا نے اس کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

یہ میری تّوا ہیں، میرے پاس رہیں گی۔

تم تو ان سے بات ہی نہیں کرتیں۔

اب کروں گی۔

پھر انہیں روک لوں؟

جی۔!

ابّو کے کچھ کہنے سے پہلے ہی تّوا اپنا سامان دروازے کے پاس چھوڑ کر، لپک کر اس کے پا



آگئیں۔ فرش پر بیٹھ کر انہوں نے بینا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ بینا ان کے شانے پر سر رکھے اپنے ابّو کی طرف دیکھتی رہی۔

تّوا اس کا ہر کام بڑی چاہت سے کرتی تھیں۔ اس سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔ دن بھر اس پر واری صدقے ہوتی رہتی تھیں۔ وہ اس کی امّی نہیں تھیں۔ لیکن ان کا نعم البدل ضرور تھیں۔ اپنی امّی سے دوری اور ان سے جدائی کا احساس لاشعور کی گہرائیوں میں دفن ہوگیا۔ وہ تّوا کی شفقت و محبت کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں تلے زینہ بہ زینہ چڑھتی ہوئی عمر کی منزلیں طے کرنے لگی۔

کچھ اور بڑی ہوئی تو محرومی کا ایک اور احساس جاگ اُٹھا۔

اس نے حیران حیران نگاہوں سے اپنے اردگرد دیکھا اور سوچا۔

ارے! میری کوئی بہن نہیں ہے۔

نہ چھوٹی بہن نہ بڑی بہن۔

ایسا کوئی نہیں جسے وہ باجی یا آپا کہہ کر بلائے۔

یوں کہنے کو خالہ، پھوپھو اور چچا کی بیٹیاں تھیں۔ کچھ اس سے چھوٹی تھیں، کچھ بڑی، کسی کے ساتھ وہ آپی لگاتی تھی۔ کسی کے ساتھ باجی اور کسی کو وہ آپا کہہ کر بلاتی تھی۔ لیکن وہ اس کے گھر میں تھوڑی رہتی تھیں اور اگر رہتی بھی تھیں تو تین چار دن بعد واپس چلی جاتی تھیں۔

اس کا دل چاہتا تھا۔

اس کی کوئی بہن ہو، بالکل اپنی جو ہر دم اس کے ساتھ رہے، جسے کسی امّی پاپا اور کسی ابا میاں کی نہ سنانے پڑے جسے دو چار دن بعد گھر کی یاد نہ ستائے، یہی گھر اس کا گھر ہو۔ بینا اپنے دل کی ہر بات اسے کہہ سکے۔

کچھ اس کی سن سکے، کچھ اپنی سنا سکے۔

ایسی بہن وہ کہاں سے لاتی؟

درد کی ایک لہر سی اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی۔

ابّو اسے بے پناہ چاہتے تھے، اس پہ جان چھڑکتے تھے۔

اور کہتے تھے۔

بینا بیٹی! میں تو تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں، تم خوش رہا کرو۔

وہ چار بھائیوں کی اکلوتی اور چھوٹی بہن تھی۔

سب اس سے بہت محبت کرتے تھے، اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔

بڑے بھیا کہتے تھے۔

بینا گڑیا! تم ہنستی مسکراتی اچھی لگتی ہو، چپ مت رہا کرو۔ ہنسا بولا کرو۔

ابّو کا اپنا ایک مقام تھا اور بھائیوں کا اپنا ایک درجہ۔

ابّو اور بھائیوں سے ہر بات نہیں کہی جا سکتی تھی۔

کتنی بہت سی باتیں ایسی تھیں جو وہ سوچتی تھی لیکن کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ عمر کی سیڑھ ہر اگلا زینہ چڑھتے ہوئے اسے ایک بہن کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوتی تھی لیکن اس کے ہی ساتھ زندگی میں آنے والا ہر نیا لمحہ اسے وقت اور حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا سکھا رہا ابّو اور بھائیوں سے کچھ کہنے کے بجائے وہ وقت کے ساتھ ایک خاموش سا سمجھوتہ کر لیتی تھی۔ ا سمجھوتے کا علم سوائے اس کے اور کسی کو بھی نہ ہو پاتا۔

ابّو چاہتے تھے وہ خوش رہے۔

وہ خوش رہتی تھی۔

بھائیوں کی خواہش تھی وہ ہنستی مسکراتی رہے۔

ان کی خاطر وہ ہنستی تھی، مسکراتی تھی بلکہ کبھی کبھی قہقہے بھی لگاتی تھی۔

لیکن بچپن سے اب تک اس کے اندر جو ایک ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہی تھی، اس کا علم کسی نہیں تھا۔

بڑے ہونے پر اس نے اپنی امّی کا ذکر کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا وہ ان کے متعلق کسی



کوئی سوال نہیں کرتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ آسیہ کے سامنے بھی اپنی امّی کی کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ نہ اس سے کچھ پوچھتی تھی۔

آسیہ اس کے چچا کی بیٹی تھی۔ رشتے کی تمام بہنوں میں بینا کو آسیہ سب سے زیادہ پسند تھی۔ نازک، خوبصورت اور ہنس مکھ آسیہ، بینا کی ہم عمر تھی اور بچپن ہی سے اس کے بے حد قریب رہی تھی۔ میٹرک دونوں نے ایک ہی اسکول سے کیا تھا اور اب کالج میں بھی دونوں ساتھ ساتھ تھیں۔ بینا کو ساتھ لئے بغیر آسیہ کا کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا۔ شاپنگ کے لئے جانا ہے بینا ضرور ساتھ چلے، پکچر کا پروگرام ہے تو بینا کے بغیر آسیہ کو فلم دیکھنے کا لطف ہی نہیں آتا۔ سہیلیاں — تو دونوں کی مشترکہ ہی تھیں۔ ان کے گھر ایک دوسرے کے بغیر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن بہت سے ایسے رشتے دار جن کا تعلق آسیہ کے ننھیال سے تھا وہاں بھی آسیہ بینا کو لے جانا ضروری سمجھتی تھی۔

تھرڈ ایئر کے امتحان ختم ہوتے ہی تو آسیہ نے اپنی خالہ کے پاس ایبٹ آباد جانے کا پروگرام بنایا۔ بینا کے بغیر وہ جانا نہیں چاہتی تھی اور بینا کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہی تھی۔ حالانکہ بینا اس سے پہلے ایک دفعہ آسیہ کے ساتھ ایبٹ آباد جا چکی تھی۔ لیکن تب وہ بہت چھوٹی سی تھی۔ اس دفعہ چھٹیوں میں اس کا موڈ کہیں باہر جانے کا نہیں تھا۔

بات اصل میں صرف اتنی سی تھی کہ اس کے امتحانوں کے دوران ابّو نے یونہی کہہ دیا تھا۔ کہ اب کے چھٹیوں میں تم کچھ سلائی کڑھائی سیکھ لینا۔ پڑوس کے حامد صاحب کی بیٹی دردانہ انڈسٹریل ہوم جاتی ہے، تم بھی اسی کے ساتھ چلی جانا۔ ابّو نے تو صرف کہا تھا، حکم نہیں یا تھا۔ اور وہ بھی یوں کہ بینا نے چھٹیوں میں بور ہونے کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کی وقت گزاری کے لئے ایک مفید مشورہ دے دیا۔ پھر انہیں یہ بھی خیال تھا کہ وہ کچھ سلائی کڑھائی سیکھے گی۔ آئندہ اس کے کام آئے گی۔ بینا نے ان کے مشورے کو دماغ میں ایسا بٹھایا کہ اس کے اوپر انڈسٹریل م جوائن کرنے کی دھن سوار ہو گئی۔ اس نے آسیہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ا کہ آسیہ بھی روٹھ کر بیٹھ گئی۔ پورا ہفتہ گزر گیا۔ نہ آسیہ خود آئی نہ اس کا ٹیلیفون آیا۔ حالانکہ

ویسے آسیہ روز نہیں تو دوسرے تیسرے دن ضرور آتی تھی اور اس کا ٹیلیفون تو روزانہ آتا تھا۔ جب تک کالج کھلے تھے۔ تو ٹیلیفون کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ دونوں صبح سے دوپہر تک ساتھ رہتی تھیں اور واپسی میں اکثر یہ ہوتا تھا کہ یا تو آسیہ مینا کے گھر آجاتی تھی یا مینا رات تک اپنے چچا کے گھر رہتی تھی۔ چھٹی والے دن ضرور ٹیلیفون کھڑکھڑایا جاتا تھا۔

لیکن اس دفعہ آسیہ ایسی روٹھی تھی کہ اس نے بھولے سے بھی ٹیلیفون نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آسیہ اس شہر میں ہی نہیں ہے۔

مینا نے سوچا۔

اسے خود ہی آسیہ کے پاس جانا چاہیئے۔ صبح سے شام تک اس نے کئی دفعہ اسے ٹیلیفون کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر یہ سوچ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا کہ بغیر بتلائے پہنچوں گی تو زیادہ لطف آئے گا۔

ان دونوں کی ناراضگی کا علم سبھی کو تھا۔ ابّو نے کئی دفعہ پوچھا۔

کیوں مینا بیٹی، یہ لڑائی کتنے دن کی ہے۔

ابّو! وہ خود ہی روٹھ گئی ہے۔

تمہیں اس کی بات مان لینی چاہیئے، کتنی محبت سے اصرار کر رہی تھی ساتھ لے جانے کے لئے۔

مینا خاموش رہی۔

چچا میاں آئے تو وہ بھی ان کے جھگڑے سے محفوظ ہوتے ہوئے کہتے۔

بھئی اب تو تین دن ہو گئے ہیں، دوستی کر لینی چاہیئے۔

مینا بیٹی! اب چار دن ہو گئے ہیں، ناراضگی دور ہو جانی چاہیئے۔

بھائیوں میں سے بھی کوئی نہ کوئی روزانہ ان دونوں کو صلح کر لینے کا مشورہ دیتا۔ تو اپنے الگ سمجھائیں۔



بچی تم ان کے ساتھ چلی جاؤ۔ آخر چھٹیوں میں سلائی کڑھائی سیکھ لینا۔

ایک ہفتے بعد مینا کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔ شام کو چچا میاں آئے تو وہ ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ چچا میاں کو گھر سے نکلتے نکلتے ہی خاصی دیر ہو چلی تھی۔ پھر راستے میں وہ اپنے ایک دوست کے گھر بھی کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے۔

مینا جب چچا میاں کے یہاں پہنچی تو شام ڈھل چکی تھی۔ چچی جان اپنی چھوٹی بیٹی عالیہ کے ساتھ باہر لان میں ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ عادل اور اظہر بیڈ منٹن کھیل رہے تھے۔ آسیہ جانے کس کونے میں چھپی بیٹھی تھی۔

مینا گاڑی سے اتر کر چچی جان کے قریب آئی تو انہوں نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

واہ بیٹی! تمہارے اور آسیہ کے جھگڑے میں ہم تو مفت میں ہی مارے گئے۔

مینا ان کی بات کا مطلب سمجھ کر جھینپ کر مسکرا دی۔

چچی بے چاری کا کیا قصور تھا جو تم نے ہفتے بھر سے صورت نہیں دکھائی۔

مینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

عالیہ نے پوچھا۔

مینا باجی! آپ رہیں گی نا؟"

مینا نے مسکرا کر کہا۔

تمہاری باجی تو ہم سے روٹھی ہوئی ہیں۔

باجی روٹھی ہوئی ہیں۔ باقی لوگ تو نہیں روٹھے ہوئے۔

اب یہ کوئی اچھا تھوڑی لگے گا کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ الگ منہ پھلائے پڑی رہیں اور میں.....

چچی جان بولیں۔

اب تم آگئی ہو تو پانچ دس منٹ سے زیادہ تھوڑی رہے گی یہ لڑائی۔

چچا میاں بھی وہیں آکر بیٹھ گئے۔ عادل اور اظہر البتہ اپنے کھیل میں لگے ہوئے تھے۔ کھیلتے کھیلتے ہی انہوں نے مینا کی خیر خیریت پوچھ لی تھی اور ان دونوں کی دوستی کے لئے بڑے خلوص سے دعا کی تھی۔

---



مغرب کی اذان ہوئی تو چچی جان نماز کے لئے اُٹھ گئیں۔ مینا بھی ان کے ساتھ اندر چلی گئی۔ ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے دریچے میں سے دیکھا۔ آسیہ ریکارڈ سیمٹ رکھ رہی تھی۔ مینا بے پاؤں اندر چلی آئی۔ اس کا ارادہ تو یہ تھا کہ چپکے سے قریب جا کر اس کی آنکھیں بند کر لے گی۔ لیکن آسیہ کے کان بڑے تیز تھے۔ اسے فوراً احساس ہو گیا کہ کوئی اندر آیا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور مینا کو صوفے کے قریب کھڑے دیکھ کر بولی۔

اچھا تو روٹھی رانی آئی ہیں۔

مینا نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

روٹھی رانی تو یہ بیٹھی ہیں انہیں منانے آئی ہوں۔

آسیہ مسکرائی تو مینا نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

شرم تو نہیں آتی نا؟

کسے۔ تمہیں یا مجھے؟

چڑ کر مینا نے کہا۔

آپ کی بات کر رہی ہوں بیگم صاحبہ!

کیوں مجھے کس بات پہ آنی چاہیئے شرم؟

آپ بلاوجہ روٹھ کر جو بیٹھ گئی ہیں بچوں کی طرح۔

بلاوجہ تو نہیں روٹھی۔

مینا چپ چاپ کھڑی خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ماتھے پر بل ڈال کر بولی
اگر میرا دل کہیں جانے کو نہیں چاہ رہا ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ آپ منہ پھلا بیٹھ جائیں اور ہفتہ بھر تک صورت ہی نہ دکھائیں اپنی۔

یہی تو میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر دل کیوں نہیں چاہ رہا؟

دل کا معاملہ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کبھی چاہا کبھی نہ چاہا۔

اچھا! بڑی باتیں بنانی آ گئی ہیں۔

ماشاءاللہ بی۔اے میں پڑھتی ہوں۔ اب بھی باتیں بنانی نہیں آئیں تو کب آئیں گی؟

ٹھیک ہے، تم باتیں بناؤ اور جی بھر کر بناؤ لیکن ہماری تمہاری صلح اسی صورت میں ہے جب تم میرے ساتھ ایبٹ آباد جانے کی حامی بھرو گی۔

اچھی زبردستی ہے۔

زبردستی ہی سہی۔

ایبٹ آباد اگر دیکھا نہ ہوتا تو یہ بھی سہی، دیکھی ہوئی جگہ ہے اس کے لئے.....

آسیہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

ٹھیک ہے دیکھی ہوئی جگہ ہے لیکن یہ بھی یاد ہے تم تھیں کتنی بڑی؟

کتنی بڑی تھی؟

بالشت بھر کی تو تھیں۔

اور تم کونسی گز بھر کی تھیں۔

ہاں! اسی لئے تو میں دوبارہ جانا چاہتی ہوں۔ اس وقت کیا خاک انجوائے کیا ہوگا ہم دو
تمہیں دوبارہ دیکھنے کی خواہش ہے تو تم ضرور جاؤ، مجھے کیوں گھسیٹ رہی ہو؟

آسیہ کا پارہ پھر ہائی ہو گیا۔ منہ پھیر کر بولی۔

بس میں نے کہہ دیا، جاؤں گی تو تمہیں لے کر جاؤں گی ورنہ نہیں۔



رعب ہی جمانا آتا ہے یا کچھ اور بھی۔

کونسا تم میرے رعب میں آ جاتی ہو۔

مینا کی پیشانی پر پھر شکنیں پڑ گئیں، منہ بنا کر بولی۔

اتنا بھی خیال نہیں کہ گھر آئے ہوئے مہمان کو جھوٹے منہ ہی بیٹھ جانے کے لئے کہہ دیں۔

تم مہمان کب سے ہو گئیں؟

جب سے تم نے اپنی تھوتھنی سُجائی ہے۔

آسیہ کو ایک دم ہنسی آ گئی۔ اُٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

دنیا زمانے کی باتیں بنا لینا لیکن میرے ساتھ چلنے کی حامی مت بھرنا۔ اچھا!

مینا تو گھر سے ہی یہ سوچ کر آئی تھی کہ آسیہ کو اپنے چلنے کی خوشخبری سنا دے گی لیکن اسے تھوڑا سا ستانا بھی مقصود تھا اس لئے جان بوجھ کر بحث کرتی رہی۔ اسے احساس ہوا کہ اب یہ بحث کافی طول پکڑ چکی ہے۔ اس لئے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے بولی۔

اچھا بابا! میں ہاری تم جیتیں۔

آسیہ کا چہرہ ایک دم کھل اُٹھا۔ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

سچ مچ! تم چل رہی ہو؟

ہاں چل تو رہی ہوں۔ لیکن اگر بور ہوئی نا تو دوسرے ہی روز تمہیں چھوڑ کر واپس آ جاؤں گی۔

تم دیکھنا تو سہی ہم لوگ کتنا انجوائے کریں گے۔

اسی وقت عالیہ کمرے میں آ گئی۔

مینا باجی! ابھی تک صلح نہیں ہوئی؟

ہو گئی عالیہ! مگر اس چکر میں مغرب کی نماز جاتی رہی۔

آسیہ کو بھی مغرب کی نماز چھوٹ جانے کا افسوس ہوا مسکرا کر بولی۔

یہ نہیں ہوا کہ ذرا پہلے آتیں۔

مینا نے چونک کر پوچھا۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ جلدی آئی ہوتیں تو مغرب سے پہلے ہی یہ جھگڑا نمٹ جاتا، نماز بھی نہ چھٹتی۔

عالیہ کو اس کی بات سن کر ہنسی آگئی۔ مینا بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

آسیہ کا کہیں جانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا تھا۔ دنوں پہلے سے اس کے اوپر سفر کی وحشت سوار ہوجاتی تھی۔ ڈھیروں کام یاد آجاتے تھے جنہیں جانے سے پہلے نمٹانا ضروری ہوتا تھا۔ خریداری کا سلسلہ شروع ہوتا تو کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ اسی موقع پہ درزی کے یہاں سے سلے ہوئے کپڑے لینے بھی ضروری ہوتے تھے۔ جانے سے پہلے اپنی تمام سہیلیوں اور عزیزوں رشتے داروں سے الوداعی ملاقات بھی اشد ضروری ہوتی تھی۔ ایسے موقع پہ وہ بڑی سنجیدگی سے کہتی تھی۔

کہیں جانے سے پہلے کہا سنا ضرور معاف کروا لینا چاہیئے۔ کیا خبر کوئی حادثہ پیش آجائے واپس آسکیں یا نہیں۔

اس کی یہ بات تو خیر دل کو لگتی تھی لیکن وہ جو اپنے ساتھ ایک تام جھام لے کر چلتی تھی اس سے چچی جان بہت الجھتی تھیں۔ روانگی کے وقت تک اس کے پاس اتنا ساز و سامان ہوتا تھا کہ دیکھ دیکھ کر گھبراہٹ ہوتی تھی۔ چاہے آٹھ دس دن کے لئے ہی کہیں جانا ہو۔ لیکن وہ چھوٹی بڑی ڈھیروں چیزیں سمیٹ لیتی تھی اور ہر چیز کے بارے میں استفسار پر وہ فوراً اس کو رکھنے کا جواز پیش کر دیتی تھی۔

بھئی اگر فلاں بات ہوگئی تو یہ چیز کام آئے گی کہ نہیں؟

فلاں شخص کے یہاں فلاں تقریب ہونے کا امکان ہے۔ احتیاطاً یہ کپڑے اور جیولری رکھ لینی چاہیئے۔



ڈھیروں کپڑے، چپلیں، سینڈلیں، آرٹیفشل جیولری، ربڑ جیولری کے چھوٹے موٹے سیٹ، طرح طرح کے پرفیوم اور نہ جانے کیا کیا الم غلم سمیٹ کر وہ اپنے سوٹ کیس، ہینڈ بیگ اور پرس میں جمع کر لی جاتی تھی۔

مینا کے بڑے بھائی اور آسیہ کے بھائی عادل کا کہنا تھا کہ اس معاملے میں وہ حجاب امتیاز علی کے ناول کے کردار دادی زبیدہ سے کسی طرح بھی کم نہیں تھی۔ چچی جان کہیں روانگی سے قبل عموماً آسیہ کا سوٹ کیس کھلوا کر اس کا جائزہ لیا کرتی تھیں لیکن جہاں وہ کوئی چیز کم کرنے کے لئے کہتیں، آسیہ جھٹ سے کہتی۔

ارے نہیں امی۔ اس کو رکھنا بہت ضروری ہے۔

یہ چیز تو میں بالکل نہیں نکال سکتی۔

کیا؟ یہ؟ کمال کرتی ہیں امی آپ، یہ تو فلاں وقت کام آئے گی۔

غرض یہ کہ اس کے سوٹ کیس اور بیگ میں سے نکالی ہوئی تمام چیزیں پھر واپس اسی میں پہنچ جاتیں۔

اس کے برعکس مینا کی تیاری جھٹ پٹ ہوتی تھی۔ کہیں جانے کے لئے اسے کسی قسم کے اہتمام کی ضرورت قطعی نہیں ہوتی تھیں۔ وہ اپنے ساتھ کم سے کم سامان لے کر چلنے کی عادی تھی۔ آسیہ اس کی اس عادت پر اکثر اعتراض کرتی تھی اور اسے ٹوکتی تھی۔

تم نے فلاں چیز نہیں رکھی۔ فرض کرو اس کی ضرورت پڑ جائے تو تم کس سے مانگتی پھرو گی؟

مینا فوراً مسکرا کر کہتی۔

تم سے۔

آسیہ چڑ جاتی۔

اور پھر تم فکر کیوں کرتی ہو، میں نہ ہوں تمہارے ساتھ، تم اکیلی کہیں گئی ہو پھر؟

ینلا بیزار ہو کر کہتی۔

ضرورتوں کا کیا ہے، جتنی چاہو بڑھا لو۔

بڑی مشکل ہے، میرے اور تمہارے خیالات میں بڑا زبردست تضاد ہے۔

مگر دیکھو نا پھر بھی نبھ ہی رہی ہے۔

ینلا برجستہ کہتی۔ آسیہ کو ہنسی آ جاتی۔

چلچلاتی ہوئی دھوپ میں گھوم گھوم کر آسیہ نے اپنی خریداری مکمل کی۔ اپنے ساتھ اس نے جگہ ینلا کو بھی گھسیٹا۔ ینلا کو بھری دوپہر میں بازاروں کے چکر لگانا ذرا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ شام کو بازار جاتی تھی یا پھر صبح جاتی تھی اور دوپہر سے پہلے پہلے گھر واپس آ جاتی تھی لیکن آسیہ خریداری کرتے وقت نہ جھلسا دینے والی دھوپ کی کوئی فکر ہوتی تھی، نہ لُو کے تھپیڑوں کی نہ ٹھٹھرا دینے والی سردی کی۔

خدا خدا کر کے آسیہ کی خریداری ختم ہوئی۔ اس کا سامان از سر نو جما تو روانگی کا پروگرام ینلا ایک روز پہلے ہی آ گئی تھی۔ اس وقت اس کے ابّو اور بھائی سب چچا میاں کے گھر جمع۔

آسیہ اور ینلا کے ساتھ چچی جان، عالیہ اور عادل بھی جا رہے تھے۔

عادل آسیہ کے سامان پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

باجی! کیا خالہ جان کو ڈرانے کا ارادہ ہے؟

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ آپ کا اتنا سارا سامان دیکھ کر خالہ جان تو یہی سمجھیں گی کہ آپ ان کے گھر طور پر ڈیرہ ڈالنے آئی ہیں۔

آسیہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

کوئی فالتو چیز تو میں نے رکھی ہی نہیں ہے۔ سبھی کام کی چیزیں ہیں۔



آسیہ کی اس بات پر سبھی مسکرا رہے تھے۔

عادل نے کہا۔

آپ اگر مجھے اپنے سامان کو ہاتھ لگانے کی اجازت دیں تو ڈھیروں فالتو چیزیں تو میں ابھی نکال کر دکھاتا ہوں۔

نہیں، میں اپنے سامان کو ہاتھ لگانے کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتی، بڑی محنت سے جمائی ہیں میں نے ساری چیزیں۔

کتنے دن لگے ہیں سامان جمانے میں؟

تم سے کیا مطلب بھئی! بحث نہ کرو۔

ینلا کو ہنسی تو بہت آ رہی تھی لیکن پھر بھی اس نے آسیہ کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔

لڑکوں کو تو لڑکیوں کی ہر چیز ہی فالتو نظر آتی ہے۔

عادل نے کہا۔

نہیں ینلا آپا! یہ بات نہیں ہے۔

پھر کیا بات ہے؟

آپ بھی تو ان کے ساتھ جا رہی ہیں۔ آپ کے سامان کے بارے میں تو میں نے ایک لفظ کہا ہے۔

اطہر نے بھی لقمہ دینا ضروری سمجھا۔

ہاں، آپ تو ہمیشہ بہت مختصر سا سامان لے کر چلتی ہیں۔

ینلا کے ابّو نے کہا۔

اچھا اطہر بیٹے! چھوڑو اس ذکر کو۔

چچا میاں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور بولے۔

میرا خیال ہے اب روانگی کا وقت ہو گیا ہے۔

چچی جان ایک ہاتھ سے پان کی گلوری لے کر منہ میں ڈالتے ہوئے بولیں۔

ہاں بھئی بس اب نکل چلنا چاہیئے۔ دیر کرنے سے کیا فائدہ ؟

بینا کے ابّو کا چہرہ افسردہ ہو گیا تھا۔ اپنی بیٹی کی خوشی کی خاطر وہ اسے ہر جگہ بھیج تو دیتے لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کی جدائی ان کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتی تھی۔ اسے اپنی نگاہ سے اوجھل کرتے وقت ان کا دل انجانے سے وسوسوں اور اندیشوں میں گھر کر رہ جاتا تھا وہ کوشش تو یہی کرتے تھے کہ اپنے دلی جذبات کو چہرے سے عیاں نہ ہونے دیں وہ ہنستے مسکراتے ہوئے اسے الوداع کہتے تھے لیکن آنکھوں میں غم کے سائے ہولے ہولے کانپتے رہتے۔ ضبط کے باوجود چہرے پر ایک تاریک سایہ سا لہرا کر رہ جاتا تھا۔

بھائیوں کو بھی اس کے بغیر گھر سونا سونا سا لگتا تھا۔

بڑے بھیا کہتے۔

بینا گڑیا! جلدی آنے کی کوشش کرنا۔

چھوٹے بھیا کہتے۔

بینا رانی! خوب لمبے لمبے خط لکھنا ہمیں۔

سب کی باتیں سن سن کر بینا کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ بکھر جاتی۔ اسے خود اپنے ابّو اور بھائیوں سے دور رہنا کب پسند تھا۔

اس وقت بھی بینا کے ابّو کا چہرہ اداس ہوا لیکن اگلے ہی چند لمحوں میں انہوں نے قابو پا لیا۔ مسکرا کر بولے۔

اچھا بھئی، اب جب ہماری بیٹی واپس آئے گی تو، ہم دیکھیں گے کہ اس کا کتنا وزن بڑھا ہے۔

بینا مسکرا کر بولی۔

ابّو وزن بڑھنے کی بات مت کیجیے۔

کیوں بیٹی ؟



میں پہلے ہی بہت پھیل گئی ہوں۔

چچی جان ہنس کر بولیں۔

بھائی جان آپ کو نہیں معلوم، اسی وہم کے مارے اس بے وقوف لڑکی نے کھانا پینا کم کر رکھا۔

ابّو سے پہلے بڑے بھیا بولے۔

نہیں بینا! ایسی حماقت مت کرو، بالکل کمزور ہو جاؤ گی۔

چھوٹے بھیا اس کا سوٹ کیس اُٹھا کر پورچ کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

اس قسم کی حرکتیں کرنے سے پہلے ہم چاروں بھائیوں کے متعلق ضرور سوچ لیا کرو۔

بینا نے پوچھا۔ کیا مطلب ؟

اسلم بھیا ان کی بات کا مطلب سمجھ کر بولے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے ہمیں دو چار بہنیں تو دی نہیں ہیں۔ اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جائے تو ؟

ارے نہیں اسلم بھیا! مجھے کچھ نہیں ہوتا، میں بڑی سخت جان ہوں۔

چچا میاں، چچی جان اور بینا کے ابّو بیک وقت بولے۔

خدا نہ کرے بیٹی تمہیں کچھ ہو۔

بینا نے اپنے ابّو کی طرف دیکھا، ان کا چہرہ ایک دم اتر گیا تھا۔ اس نے جلدی سے بات کا رخ بدل دیا اور ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے اظہر سے مخاطب ہو کر بولی۔

اظہر! آرام سے اُٹھاؤ یہ ہینڈ بیگ، دادی زبیدہ نے بڑی محنت سے جمائی ہیں۔ اپنی چیزیں۔

اس کی یہ بات سن کر تقریباً سبھی لوگ بے ساختہ مسکرا دیئے۔ آسیہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ اسے اپنا یہ نام ذرا بھی بُرا نہیں لگتا تھا۔ دادی زبیدہ کہنے پر اس نے کبھی بھی کسی کو نہیں

ٹو کا تھا۔

ان لوگوں کو چھوڑنے کے لئے پورا قافلہ اسٹیشن گیا۔ ٹرین روانہ ہونے لگی تو بینا نے اپنے ابو
اور بھائیوں کے چہروں پر افسردگی کے سائے لہراتے دیکھے۔ ٹرین کی کھڑکی کے باہر کھڑے ہو
اس کے ابو نے ایک دفعہ اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پیچھے ہٹ گئے۔ بینا کھڑکی سے سر باہر
اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ سب لوگ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ عالیہ
آسیہ بھی کھڑکیوں سے سر باہر نکالے ہاتھ ہلائے جا رہی تھیں۔

کراچی سے پنڈی تک کا راستہ بہت طویل اور تھکا دینے والا تھا۔ لیکن آسیہ اور بینا
راستے کی طوالت اور سفر کی تھکن کا اتنا زیادہ احساس نہیں ہوا۔ وہ دونوں اپنی اپنی دلچسپیوں
مگن تھیں۔ انہوں نے اپنا بیشتر وقت کارڈز کھیل کر اور رسالے پڑھ کر گزارا۔ کھڑکی سے سر باہر
کر کے پیچھے بھاگتے ہوئے راستوں کو تکتے رہنا بھی سفر کے دوران ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ عالیہ
بھی ان کے ساتھ ان مشاغل میں شریک تھے۔ البتہ چچی جان لاہور کے اسٹیشن کے بعد سے کا
بیزار ہو گئی تھیں۔ پھر ان کے اوپر یہ ہیبت بھی سوار تھی کہ ابھی پنڈی سے ایبٹ آباد تک
دشوار گزار راستہ بھی باقی ہے۔ پنڈی کے اسٹیشن پہ آسیہ کے خالو جان (اشفاق احمد)
کر سب کو بڑی حیرت ہوئی۔ توقع کے بالکل برعکس وہ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ بعد میں معل
کہ وہ محض ان لوگوں کو لینے کی خاطر ایبٹ آباد سے پنڈی تک بذریعہ کار آئے تھے۔ اشفا
کے مشورے پہ ان لوگوں نے ایک روز کے لئے پنڈی کے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ آسیہ کی
تو یہ تھی کہ اسی روز ایبٹ آباد کے لئے روانہ ہو جائیں۔ لیکن اپنی امی کی حالت دیکھ کر خامو
کراچی سے پنڈی تک کے سفر میں وہ واقعی تھکن سے نڈھال ہو گئی تھیں۔

اشفاق صاحب کی گاڑی گول گول پہاڑی راستوں پہ چکر کاٹتی ہوئی آگے بڑھی جا ر
راستے اگرچہ سخت خطرناک اور دشوار گزار تھے لیکن سوائے چچی جان کے سبھی انجوائے کر
بینا سوچ رہی تھی کہ آسیہ نے ٹھیک کہا تھا۔ اس دفعہ ان لوگوں کے ساتھ نہ آ کر



طی کر تی حسن ابدال جیسی پُرسکون جگہ کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہیں اُتر جائے
رڈیرہ جما لے۔

سرو، سفیدے اور چیڑ کے درختوں کی قطاریں۔

درختوں کے سائے تلے سکون اور خاموشی۔

اور اس خاموشی کو ہرے ہولے بیدار کرتی ہوئی ہوا کی مدھم آوازیں۔

جگہ جگہ ادویں اور تمباکو کے کھیت دور تک پھیلے ہوئے سورج کی چمکیلی کرنوں میں نہائے
وئے۔

دھوپ کی حدت اور گرمی کی شدت سے بے پرواہ کسان۔ جو ہر عیش و آرام سے بے فکر
پنے کام میں مگن تھے۔

تصنع اور بناوٹ سے دور اپنے حقیقی رنگ و روپ میں نظر آنے والی زندگی کس قدر سکون
نش تھی۔

ایبٹ آباد کے پہاڑی راستوں میں جگہ جگہ گہری خوفناک کھائیاں تھیں، انہیں دیکھ کر آنکھیں
رے ہول کے خود بخود بند ہو جاتی تھیں۔

بینا نے خوف زدہ ہو کر سوچا۔

اگر ان کھائیوں میں کوئی گر جائے تو شاید اس کی ہڈیوں تک کا سُرمہ بن جائے۔

جب کسی موڑ پر سامنے سے آنے والے ٹرک یا ویگن کی گھڑگھڑاہٹ اور ہارن کی تیز آواز
سنائی دیتی تو بینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھتا۔ ہر دفعہ اس کے دل میں یہی خیال آتا کہ
ہیں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے ٹرکوں اور ویگنوں کی گھڑگھڑاہٹ اور ہارن کی چیخ جیسی تیز
وازیں پہاڑوں کے سینے سے ٹکرا ٹکرا کر گونج سی پیدا کر رہی تھیں۔

پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتے ہی فضا بالکل بدل گئی تھی۔ آنکھوں میں ٹھنڈک سی اتر آئی تھی۔
ل کی دھڑکنوں میں پیچیدہ راستوں کے خوف کے ساتھ ساتھ ایک خوشگوار سا تاثر رچ گیا تھا۔

بادلوں کے سفید روئی جیسے گالے پہاڑوں کی چوٹیوں کو چومتے ہوئے انجانی سمتوں میں بھاگے جارہے تھے، پہاڑوں کی چوٹیوں پہ اُگے ہوئے سفیدے، سرو اور چیڑ کے درختوں میں ہوائیں سیٹیاں بجاتی پھر رہی تھیں۔ کبھی کبھی سورج بادلوں کے پیچھے سے نمودار ہوتا تو درخت پہاڑ، وادیاں سب سورج کی تیز چمکیلی کرنوں میں نہا جاتے۔ نشیب میں جگہ جگہ چرواہے بوڑوں کو لئے، سخت، کھردرے راستوں پر بڑے اطمینان اور سکون سے آگے بڑھ رہے تھے۔ سفید چکنی مٹی سے لپے پتے ہوئے صاف ستھرے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں زندگی ایک بالکل ہی الگ اور انوکھے انداز سے رواں دواں تھی۔ خنکی سے بوجھل فضا میں بھیگے بھیگے پتوں اور گیلی شاخوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ نیچے وادی میں قدم قدم پر بکھری ہوئی خودرو جھاڑیوں میں ننھے ننھے سفید، کاسنی اور زرد پھول مسکرا رہے تھے۔ زندگی کا اتنا حسین روپ دیکھ کر مینا کے دل میں انجانی سی مسرتوں کے دیئے جل اُٹھے۔

جب وہ لوگ آسیہ کی خالہ جان کے یہاں پہنچے تو ہواؤں کے نرم و نازک شانوں کا سہارا لے کر شام دھیرے دھیرے وادی میں اتر رہی تھی۔ روئی کے گالوں جیسے سفید بادل اُڑ گئے تھے۔ اور گہرے سرمئی و سیاہ بادل پہاڑوں کی چوٹیوں پر جھک آئے تھے، ہواؤں نے شام کے وقت گائے جانے والے گیتوں کے مدھم راگ چھیڑ دیئے تھے۔ شاخوں سے بچھڑے ہوئے سوکھے پتے اِدھر سے اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔

حمیدہ بیگم (آسیہ کی خالہ) کا گھر بہت خوبصورت تھا، درختوں سے گھرا ہوا صاف ستھرا گھر، سرخ ڈھلوانی چھتوں اور گیلری کی رنگ برنگی ریلنگ والا بڑا سا گھر۔ جس کے دریچوں میں کھڑے ہو کر وادی کا منظر صاف نظر آتا تھا۔

گھر پہنچ کر سبھی کو تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ باری باری سب نہانے اور کپڑے بدل(نے) میں مصروف ہو گئے۔ حمیدہ بیگم نے جس پیار بھرے انداز میں آسیہ اور عالیہ کو گلے لگایا اسی انداز سے مینا کو اپنے سینے سے لگا کر سر پر بوسہ دیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں ان کی بیٹیوں عمرا



رانہ کے چہرے بھی مارے خوشی کے کھلے پڑ رہے تھے۔ امجد اور ارشد اپنی مسرت کا اظہار عالیہ آسیہ ینا کو چھیڑ چھیڑ کر کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد عمرانہ نے یہ خوشخبری ی سنادی کہ ظفر بھائی بھی چھٹی پر آئے ہوئے ہیں گزشتہ شام ہی اپنے کسی دوست سے ملنے ...بال گئے ہیں ... روز بعد واپس آنے کا ارادہ ہے۔

ظفر بھائی حمیدہ خالہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، میڈیکل کے فائنل ایئر میں پڑھتے تھے۔ ں جان کے گھر میں سب ان کے گن گاتے تھے۔

اگلے روز وہ لوگ دن چڑھے تک سوتے رہے حمیدہ خالہ اور ان کے بچوں نے بھی انہیں یں اٹھایا۔ سبھی کو اندازہ تھا کہ سفر کی تھکن سے ان لوگوں کا بُرا حال ہو گا۔

ناشتے میں حمیدہ خالہ نے بڑا اہتمام کیا تھا۔ ڈھیروں چیزیں تیار کر لی تھیں۔ عادل، امجد اور ارشد کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کر رہے تھے۔ ناشتے کے بعد چچی جان اپنے ساتھ لائے ہوئے تحفے تحائف اپنی بہن اور بچوں کو دینے بیٹھ گئیں۔ آسیہ اور مینا بھی عمرانہ اور رزانہ کے لئے کچھ چیزیں لائی تھیں۔ آسیہ نے اپنے سوٹ کیس اور ہینڈ بیگ کھولے تو عادل نے جد اور ارشد سے قریب بیٹھ کر کانا پھوسی کی اور پھر تینوں کے قہقہے گونجنے لگے۔

مینا یہاں آ کر بہت خوش تھی۔ سارا دن وہ وقفے وقفے سے کبھی دریچے اور کبھی گیلری ں کھڑی ہو کر نیچے وادی کے منظر سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ شام کو وہ سب کے ساتھ ٹہلتی ئی دور تک نکل گئی۔ امجد اور ارشد اپنی بہنوں کو تنگ کر رہے تھے۔ مینا کو اپنے ابو اور بھائیوں کا ال آ گیا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم جانے کس طرف نکل گئی۔ باقی لوگوں نے بھی کچھ خیال نہیں کیا۔ ن غنیمت تھا کہ وہ راستہ نہیں بھولی تھی۔ دوسری سمت سے ہوتی ہوئی وہ ان لوگوں سے ے پہلے گھر پہنچ گئی۔ گھر کے پچھلی طرف والی چڑھائی اُسے نسبتاً آسان محسوس ہوئی۔ وہ اسی ف سے ہوتی ہوئی اس کمرے میں پہنچ گئی جو حمیدہ خالہ نے ان تینوں لڑکیوں کے لئے یک کیا تھا۔

چچی جان اور حمیدہ برابر والے کمرے میں اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔ ان دونوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ بینا کے آنے کی خبر شاید ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہو سکی بینا نے سوچا۔ وہ انہی دونوں کے پاس جا کر بیٹھ جائے لیکن پھر۔ اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ حمیدہ خالہ کی آواز سن کر وہ ٹھٹھک گئی۔ وہ اپنی بہن سے پوچھ رہی تھیں۔

"ارے شکیلہ! بینا کی ماں کا بھی کچھ پتہ ہے' آجکل کہاں ہے؟"

"اسی کے ساتھ ہے جس کی خاطر اس نے سب کو چھوڑا ہے" چچی جان کی آواز میں زمانے کی تلخیاں سمٹی ہوئی تھیں۔

حمیدہ خالہ نے کہا۔

"میری تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اس عورت کے بارے میں سوچ سوچ کر"

"ہاں آپا! میں تو کہتی ہوں بھائی جان کا نہ سہی' معصوم بچوں کا ہی خیال کر لیتی"

حمیدہ خالہ نے کہا۔

سچ ہی کہتے ہیں دنیا والے' محبت اندھی ہوتی ہے"

چولہے بھاڑ میں جائے ایسی محبت' شادی کے بارہ برس بعد اسے دیکھا تو مارے دیوانگی کے بچوں تک کو بھلا بیٹھی۔"

اس کے بعد دونوں کی گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

بینا منتظر ہی رہی کہ وہ دونوں کچھ اور باتیں کریں۔ اس کی امی کی باتیں۔

ایک راز پر سے پردہ ہٹا تھا تو پوری طرح ہٹ جاتا۔

جس بات کو خاندان کا ایک ایک آدمی برسوں سے چھپائے ہوئے تھا۔ صرف اس لئے کہ بینا کو پتہ نہ چلے' آج اس کا ذکر ہوا بھی تھا تو کس انداز سے؟

بینا کے دماغ پر ہتھوڑے سے برس گئے تھے۔

اس کے دل پر غم کا کوہِ گراں آ گرا تھا۔



اس کی روح تک زخموں کی تاب نہ لا کر چیخ پڑی تھی۔

اس کے اندر کا شور اس قدر بلند تھا کہ باہر کی ساری آوازیں اس میں دب کر رہ گئی تھیں۔

کیسے مہیب چنگھاڑتے ہوئے طوفانوں میں گھر کر رہ گئی تھی۔

کس قدر تند و تیز آندھیاں تھیں جو اس کے وجود کو تنکے کی مانند اڑائے لئے جا رہی تھیں۔

وہ عورت جسے اس نے عظمت و تقدس کے بے حد بلند مینار پر بٹھا کر برسوں اس کی پرستش کی تھی۔

جس کے ان دیکھے وجود سے اس نے بے تحاشہ پیار کیا تھا۔

اس کا ذکر لوگ اس انداز میں کرتے ہیں!!؟

مارے حیرت اور صدمے کے اس کے دماغ کی رگیں پھٹی جا رہی تھیں۔

اس کا دل چاہا۔

وہ حمیدہ خالہ اور چچی جان کے سامنے روئے' گڑگڑائے' فریاد کرے۔

خدارا! اس ادھوری بات کو پورا کر دیجئے۔

اس نامکمل بات کو مکمل کر دیجئے۔

مجھے کچھ تو بتائیے۔

وہ کون تھا؟

کون تھا وہ جس کی خاطر میری ماں نے عمر بھر کی محرومی میرے دامن میں ڈال دی؟

یا پھر

مجھے وہ گھر' وہ ٹھکانہ بتا دیجئے جہاں میری ماں رہتی ہے۔

میری روح کے زخموں سے بے خبر۔

میرے جذبات' میرے احساسات سے بے فکر۔

میں اس سے پوچھوں تو سہی کہ۔

سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا؟

آخر وہ کیوں زندگی کی اتنی بڑی لغزش کر بیٹھی۔

اور پھر وہ قسم کھا کر مجھے بتائے کہ اس لغزش کے بعد آج بھی وہ پہلے ہی کی طرح پرسکون ہے

اسے ذرا بھی ملال نہیں؟

اسے ذرا بھی رنج نہیں؟

کوئی مجھے اس بات کا پتہ بتا دے۔

---



مینا نے قریب پڑی کرسی کا سہارا لے لیا۔ اُس کا سر بہت بُری طرح گھوم رہا تھا۔ اپنے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہ کسی بے جان شے کی طرح کرسی پر گر پڑی۔ اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو اُس نے بڑی مشکل سے سنبھالا۔

پھر ایک دم اُسے خیال آیا کہ اُسے وہاں سے چلے جانا چاہیئے۔ اگر حمیدہ خالہ یا چچی جان میں سے کوئی ادھر آ نکلا تو اُنہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ اُس نے اُن کی گفتگو سُن لی ہے۔

ایک راز — جو برسوں اُس سے چھپایا گیا، اُسے معلوم ہو گیا ہے وہ بنا کسی آہٹ کے اُٹھی اور دبے پاؤں اُسی راستے سے باہر نکل گئی جس راستے سے آئی تھی۔

جامن کے اُونچے گھنے درخت سے ٹیک لگائے وہ سامنے والے نشیب کی طرف دیکھنے لگی۔ بہت دُور اُسے رنگ برنگے آنچل لہراتے نظر آئے۔

اُس نے سوچا۔

وہ ڈھلان پر سے آہستہ آہستہ اترتی ہوئی ان لوگوں کے قریب پہنچ جائے لیکن پھر اُس کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ وہیں درخت کے نیچے کھڑی اُن لوگوں کا انتظار کرتی رہی۔ اُن لوگوں کو وہاں پہنچنے میں خاصی دیر لگ گئی۔ مینا نے دیکھا وہ لوگ سامنے والے راستے کی طرف سے اوپر چڑھ رہے تھے۔ مینا ڈھلان پر سے اُترتی ہوئی ان لوگوں کے نزدیک پہنچ گئی۔ اُسے دیکھ کر سبھی چونک گئے اور اُن کے چہروں کی اُڑی ہوئی رنگت بحال ہو گئی۔ سب نے سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

عمرانہ نے کہا۔

"آپ کدھر نکل گئی تھیں؟ ہم لوگوں کا تو ڈر کے مارے بُرا حال تھا۔"

فرزانہ نے بڑی بے تابی سے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"سچ! خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا ہوتا تو ہم گھر والوں کو کیا مُنہ دکھاتے؟"

مینا کے ہونٹوں پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوتا فرزانہ! میں بہت ڈھیٹ ہوں۔"

عادل نے پوچھا۔

"آپ چاہتی ہیں کہ آپ کو کچھ ہو جاتے؟"

مینا نے پوچھا۔

"کیا واقعی تم لوگ بہت خوف زدہ ہو گئے تھے؟"

امجد نے کہا۔

"نہیں جناب! ہم لوگ تو بہت خوش ہو رہے تھے کہ گھر جا کر، ہم سب کے کان [illegible] جائیں گے۔"

مینا نے دیکھا، آسیہ نہ صرف پریشان تھی بلکہ بے حد غصّے میں بھی تھی۔ مارے غصے کے اُس نے مینا سے کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔

مینا نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟ تمہیں بہت غصہ آ رہا ہے۔"

آسیہ اُس کی بات سُن کر چڑ گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہاری اس حرکت پہ خوش ہونا چاہیئے مجھے؟"

"ایسی کون سی حرکت سرزد ہو گئی مجھ سے؟"

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں؟"



"کچھ کہو بھی آخر ہوا کیا؟"

"آخر کیا وحشت سوار ہوئی تھی تمہارے اوپر؟"

"کیسی وحشت؟"

"اچھی بھلی ہم لوگوں کے ساتھ چل رہی تھیں، مُنہ اُٹھا کر کس طرف کو نکل گئیں؟"

"میرا خیال تھا کہ تم لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے اسی ڈھلان کی طرف آ رہے ہو گے۔"

"کم از کم پیچھے پلٹ کر دیکھ تو لیتیں۔"

"اچھا چھوڑو، ختم کرو، اب تو میں زندہ سلامت تم لوگوں کے سامنے موجود ہوں۔"

"ہاں! اور اتنی دیر میں ہم لوگوں کا ڈھیروں خون جو خشک ہوا اُس کا بھی حساب کتاب ہے؟"

فرزانہ نے کہا۔

"اب جانے بھی دو آسیہ! تم تو اس بے چاری کے پیچھے ہی پڑ گئیں۔"

عادل نے کہا۔

"آپی اسی طرح پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہیں۔"

آسیہ نے اُسے جھاڑ پلائی۔

"تم چپ رہو عادل۔"

امجد نے بھی کہا۔

"چلئے، جانے بھی دیجئے۔"

آسیہ نے کہا۔

"مذاق کی بات نہیں ہے امجد! ہم لوگ تو تایا ابا کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔"

ارشد نے کہا۔

"مگر اب تو خدا کے فضل و کرم سے یہ ہم لوگوں کے سامنے بخیر و عافیت کھڑی ہیں۔"

آسیہ نے مینا کے اوپر رُعب جماتے ہوئے کہا۔

"آئندہ سے ہمارے ساتھ ساتھ چلا کرنا۔"

عادل نے شرارت سے کہا۔

"بلکہ آسیہ باجی کی انگلی پکڑ کر چلا کریئے گا۔"

عادل کی اس بات پر سبھی ہنس پڑے۔ آسیہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی لیکن مینا سر جھکائے چپ چاپ کھڑی رہی۔ آسیہ کو خیال ہوا کہ شاید وہ اُس کی باتوں کا بُرا مان گئی ہے۔ اُسے گلے سے لگاتے ہوئے بولی۔

"بُرا مان گئیں؟"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے بہت چاہا کہ ان آنسوؤں کو پی جائے لیکن پلکوں کو جھپکنے کی کوشش میں آنسو رخساروں پر پھسل پڑے۔

عمرانہ نے کہا۔

"ارے! مینا تو رونے لگی۔"

آسیہ پریشان ہوگئی۔

اُس نے مینا کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

"کتنی پاگل ہو مینا تم!"

مینا نے جلدی سے اپنی آنکھیں آنچل سے رگڑ ڈالیں۔

آسیہ نے کہا۔

"میں کوئی سنجیدگی سے تھوڑی ڈانٹ رہی تھی۔"

عالیہ جو اتنی دیر سے خاموش کھڑی تھی، مینا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"سچی مینا آپا! ہم لوگ بہت پریشان ہوگئے تھے۔"

پھر وہ آسیہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ویسے آپا! تم جب رُعب جمانے پر آتی ہو تو سوچے سمجھے بغیر بولے چلی جاتی ہو۔"



عادل نے کہا۔

"مینا آپا ناراض ہوگئی ہیں آپ سے۔"

مینا نے گھبرا کر عادل کی طرف دیکھا اور بولی۔

"نہیں بھئی! میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔"

آسیہ نے بے اعتباری سے اُس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"تو پھر رونے کیوں لگیں تم؟"

"بس! مجھے ابّو اور بڑے بھیّا وغیرہ یاد آگئے تھے۔"

امجد نے شرارت سے کہا۔

"یہ وغیرہ کون ہیں؟"

عادل نے جلدی سے وضاحت کی۔

"وغیرہ سے مطلب باقی تینوں بھیّا۔"

عمرانہ نے مسکرا کر کہا۔

"مینا سے وضاحت طلب کی جا رہی تھی، تم کیوں گھبرا گئے؟"

عادل سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو بغلیں جھانکنے لگا۔

پھر فرزانہ کے کہنے پر سب گھر کی طرف چل پڑے۔ گھر زیادہ دور نہیں تھا۔

گھر پہنچ کر بھی آسیہ نے کئی بار مینا سے اُس کے رونے کا سبب پوچھا۔ مینا نے ہر دفعہ ابّو اور بھیّا کی آڑ لے لی۔

وہ آسیہ یا کسی دوسرے شخص کو کیا بتاتی؟

اس کا دل کیوں بھرا ہوا ہے؟

وہ کیوں رونا چاہتی ہے۔

اس کا دل تو چیخیں مار مار کر رونے کو چاہتا تھا۔

مگر وہ اپنے آپ کو کس قدر بے بس محسوس کر رہی تھی۔

اتنی بڑی بات معلوم ہونے پر بھی وہ مہر بہ لب رہنے پر مجبور تھی۔

دل سے قطرہ قطرہ ٹپکتے ہوئے لہو کو وہ کسی کو بھی نہیں دکھا سکتی تھی۔

روح کے تاروں سے بلند ہوتے والی سسکیاں سوائے اُس کے اور کوئی بھی تو نہیں سُن سکتا تھا۔

وہ یہاں آتے ہوئے تمام راستے کس قدر خوش تھی۔

اب سے کچھ دیر پہلے تک بھی وہ اپنے آپ کو کس قدر ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

مگر اب ـــــ

وہ کسی کو کیسے بتاتی؟

اس کا دل یہاں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں لگ رہا تھا۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسی وقت وہاں سے چلی جاتی اور اپنے ابّو سے پوچھتی۔

مجھے بتایئے ابّو! جو کچھ میں نے سنا ہے وہ ٹھیک ہے؟

کیا میری ماں سچ مچ ایسی ہی عورت ہے؟

یا پھر؟ یہ محض ایک الزام ہے اُس کے اُوپر؟

مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ یہاں پہنچنے کے ایک دن بعد ہی وہ جانے کا تقاضا شروع کر دیتی اور باقی لوگوں کی تفریح بھی خاک میں ملاتی۔

دل نہ چاہنے کے باوجود وہ یہاں رہنے پر مجبور تھی۔ اس وقت تک۔ جب تک باقی لوگ واپسی کا پروگرام نہ بنائیں۔

اور ظاہر ہے یہ سارے دن مُنہ لبسور کر نہیں گزارے جا سکتے تھے۔



لیکن یہ کس قدر دشوار تھا؟

کتنا مشکل؟

دل نہ چاہے مگر پھر بھی مسکراتے رہو۔

روح میں گہرے سناٹے چیختے ہوں لیکن ہنستے رہو، قہقہے لگاتے رہو۔

رات کو سب سو گئے لیکن اس کی آنکھیں بے خواب رہیں۔ وہ کروٹ بدل بدل کر سونے کی کوشش کرتی رہی مگر نیند نے جیسے نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔ اُس نے بے خبر سوئی ہوئی عالیہ اور آسیہ کی طرف دیکھا اور اُٹھ بیٹھی۔ کچھ دیر پاؤں لٹکائے بستر پہ بیٹھی رہی۔ طبیعت میں عجیب بے چینی سی تھی اور دل جیسے درد کے گہرے سمندر میں ڈوب ڈوب کر اُبھر رہا تھا۔ دماغ پہ بے پناہ بوجھ تھا۔ چپلوں میں پیر ڈالتے ہوئے وہ آہستہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اُس نے ایک دفعہ پھر پلٹ کر آسیہ اور عالیہ کی طرف دیکھا اور دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر گیلری میں نکل آئی۔

اسے احساس ہوا کہ ہوا بے حد خنک ہے۔

اس نے سوچا۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹھنڈی ہوا اندر جانے سے عالیہ یا آسیہ میں سے کسی کی آنکھ کھل جائے

اُس نے دبے پاؤں اندر جا کر سرہانے سے اپنی شال اُٹھا کر اوڑھی اور دروازے کی کنڈی باہر سے لگا کر وہ گیلری کی ریلنگ پر جھک کر کھڑی ہو گئی۔ خنک ہوا کے جھونکے اس کے وجود سے ٹکرائے تو اُسے اپنا دماغ قدرے ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔

اُسے خیال آیا۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کا کوئی فرد اُس وقت اُٹھ جائے۔ اتنی رات گئے اُسے یہاں کھڑا دیکھ کر معلوم نہیں کیا سوچے۔

مگر وہ کیا کرتی؟

اسے وہاں کھڑے رہنا بہت اچھا لگ رہا تھا حالانکہ رات بڑی ہولناک تھی اور ارد گرد کا ماحول خوف ناک تھا۔

اس نے سوچا۔

پہاڑوں کی راتیں کس قدر خوف ناک ہوتی ہیں۔

شام کا سارا حسین منظر تاریکی اور دہشت کی چادر اوڑھے سو رہا تھا۔ ہوائیں اونچے درختوں اور پہاڑوں کے سخت اور سیاہ سینے سے سر ٹکراتی پھر رہی تھیں، چاند جانے کہاں چھپا ہوا تھا اور ستاروں کی روشنی بڑی مدھم سی تھی۔ بادلوں کے سیاہ و سفید ٹکڑے آسمان پہ تیرتے پھر رہے تھے۔ ہوا سے جھومتے ہوئے پتوں کا شور بہت بلند تھا۔ گزرتی ہوئی رات کے قدموں کی نرم آہٹ اس شور میں دب کر رہ گئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کچے مکانوں میں ٹمٹمانے والے دیئے جانے کب کے بجھ چکے تھے۔ اس پاس کے بنگلوں کے دریچے میں کہیں کہیں اب تک روشنی ہو رہی تھی۔ شیشوں سے جھانکتی ہوئی روشن کرنوں کا عکس جھلملاتے جا رہا تھا۔

بیناکو اس ان دیکھی ہستی کا خیال آ گیا جس نے شام سے اس کے اعصاب کو بری طرح متاثر کر رکھا تھا۔

اُس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں پکڑ کر بھینچ دیا۔

روح کا خاموش سناٹا چیخ اُٹھا۔

اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ درد کے خارستان میں چلی جا رہی ہو۔

بالکل تنہا۔

ننگے پاؤں۔

زخمی ـــــ لہولہان

دل درد کی شدت سے سسک پڑا۔

آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔



اپنی جھلملاتی ہوئی آنکھوں کو اُس نے انگلیوں کی پوروں سے صاف کرنے کی کوشش لیکن بھیگی پلکیں اور زیادہ بھیگ گئیں، جانے کہاں سے ڈھیروں آنسو آنکھوں میں آ گئے اور رخساروں پر سے پھسلتے ہوئے ریلنگ کی سُرخ رنگ کی لکڑی پہ ٹپکنے لگے۔ رونے سے اس کا دل کچھ ہلکا ہوا تو وہ اندر آ گئی اور بستر پہ لیٹ کر بڑی دیر تک سونے کی کوشش کرتی رہی۔

اُسے کچھ پتہ نہیں چلا۔ رات کو کتنے بجے اُسے نیند آئی۔ لیکن صبح جب آسیہ نے اُسے اُٹھایا تو اُس کی آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی اور پپوٹے متورم تھے۔ منہ دھونے کے بعد وہ دیر تک پانی کے چھینٹے آنکھوں پر مارتی رہی بہت جلن محسوس ہو رہی تھی، وہ منہ ہاتھ پونچھ کر غسل خانے سے باہر آئی تو اُسے احساس ہوا، آسیہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اُس کی نگاہوں سے بچنے کے لئے وہ دریچے میں جھک کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن ناشتے کی میز پر تقریباً سبھی نے اس کی طبیعت کے بارے میں پوچھا۔ وہ سب کو یقین دلا دلا کر تھک گئی کہ اس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ پھر سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ رات کو بڑی دیر تک جاگتی رہی ہے۔ اب سب کو اس بات کی کرید لگی کہ اُسے اتنی دیر تک نیند کیوں نہیں آئی۔

پھر چچی جان نے یہ کہہ کر اُس کی جان چھڑائی کہ نئی جگہ پر عموماً نیند ٹھیک سے نہیں آتی۔
اس پر عادل نے جھٹ یہ نکتہ پیش کر دیا کہ

" اگر ایسی بات ہے تو پہلے روز کیوں ٹھیک سے نیند آئی، پہلی رات تو یہ گھوڑے گدھے سب بیچ کر سوتیں۔"

حمیدہ خالہ نے عادل کو ہلکی سی ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔

" تم وکالت نہ جھاڑو میاں، پہلے روز راستے کی تکان کی وجہ سے گہری نیند آ گئی تھی۔"

عادل سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اُس نے اس بری طرح اپنا سر کھجا ڈالا جیسے سر میں ڈھیروں جوئیں بلبلا رہی ہوں۔

آسیہ بے چاری اپنے آپ کو مجرم سمجھے بیٹھی تھی۔ اُسے پکا یقین تھا کہ گزشتہ شام اُس نے

بینا کے اوپر جو رُعب جمایا تھا اُس کا بینا نے بہت اثر لیا ہے۔ وہ بار بار اُس سے پوچھے جا رہی تھی تنگ آ کر بینا کو قسم کھا کر اُسے یقین دلانا پڑا کہ اُس نے آسیہ کی باتوں کا بُرا نہیں مانا بلکہ اُسے ویسے ہی ڈیپریشن ہو رہا ہے۔ پھر سب یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے کہ اپنے ابو اور بھائیوں سے جُدائی اُسے بہت محسوس ہو رہی ہے۔ سب لوگ پہلے سے زیادہ اُس کی دلجوئی کرنے لگے۔ حمیدہ خالہ نے اصرار کر کے اُس سے اس کی پسندیدہ چیزوں کے نام پوچھے اور دوپہر کے کھانے میں اُس کی دو تین پسندیدہ ڈشیں تیار کیں۔ دوپہر کے کھانے سے فراغت ہوئی تو عمرانہ اور فرزانہ پاس پڑوس کے دو تین بنگلوں میں اپنی ہم عمر لڑکیوں سے انہیں ملانے لے گئیں۔

شام کی چائے کے وقت دوسرے لوازمات کے ساتھ عمرانہ اور فرزانہ نے گرما گرم پکوڑے بھی تیار کر لئے۔ عالیہ نے چٹنی پیسی تو پکوڑوں کا لطف دوبالا ہو گیا۔ پکوڑے کھاتے ہوئے عمرانہ اور فرزانہ اپنے ظفر بھائی کو بہت یاد کر رہی تھیں۔ کالے کالے بادل اُمنڈ اُمنڈ کر آ رہے تھے اور حمیدہ خالہ بادلوں کو دیکھ دیکھ کر سہمی جا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔

" بارش کے آثار ہیں، ظفر نے آج شام ہی آنے کو کہا تھا، خدا کرے میرا بچہ خیریت سے گھر پہنچ جائے۔"

اشفاق خالو بھی خاصے فکرمند تھے۔ حمیدہ خالہ کے حلق سے تو نہ چائے اُتر رہی تھی نہ کوئی اور چیز۔

بینا چائے پی کر گیلری میں نکل آئی۔ موسم بے حد پیارا ہو گیا تھا۔ بینا کے دل کی اداسی کافی حد تک کم ہو گئی۔ وہ ریلنگ پر جھک کر باہر دیکھنے لگی۔ سامنے والی ڈھلان پر تیز تیز قدموں سے کوئی آگے بڑھ رہا تھا۔

اُس نے سوچا۔

ممکن ہے یہ ظفر بھائی ہوں۔

لیکن وہ ان کے گھر تک پہنچنے کے لئے ریلنگ پر جھک کر انتظار نہیں کرتی رہی۔ اُس



نے رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ اُسے خیال آیا کہ اُس نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔ وہ وضو کرنے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔ وضو کر کے باہر آئی تو گھر میں ظفر بھائی کی آمد کا شور بلند تھا۔ آوازیں گیلری سے آ رہی تھیں۔ غالباً ان لوگوں نے بھی ظفر بھائی کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔

بینا نے سوچا۔

میرا اندازہ درست ہی تھا۔

وہ ظفر بھائی کو دیکھنے کے لئے دوبارہ گیلری میں نہیں گئی۔ جا نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ نماز ادا کر کے جا نماز تہہ کر رہی تھی۔ تبھی عمرانہ، فرزانہ اور آسیہ ظفر بھائی کے ساتھ اُدھر آ گئیں۔

فرزانہ نے کہا۔

" ظفر بھائی! یہ بینا ہے۔"

ظفر بھائی اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

" اچھا تو یہ بینا بیگم ہیں۔"

بینا جا نماز ہاتھ میں لئے چپ چاپ کھڑی ان کی طرف دیکھتی رہی۔

اس نے سوچا۔

یہ ظفر بھائی ہیں! کس قدر بدل گئے ہیں؟ پہلے کتنے دُبلے پتلے سے تھے، رنگ بھی بس کھلتا ہوا ہی تھا اب تو سُرخ و سفید ہو گئے ہیں۔

ظفر بھائی نے پوچھا۔

"کیوں بینا بیگم؟ پہچانا نہیں مجھے؟"

بینا کی سوچیں منتشر ہو گئیں۔ وہ کچھ جھینپ سی گئی۔

لیکن اُس نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔

" اگر کچھ دیر پہلے آپ کی آمد کا شور بلند نہ ہوا ہوتا اور ابھی فرزانہ نے آپ کا نام نہ لیا ہوتا، ...کو پہچاننے میں دقت ہوتی۔"

اس قدر تبدیلی آ گئی ہے مجھ میں؟"

"جی! بہت بدل گئے ہیں آپ۔"

"بدل تو تم بھی گئی ہو، لیکن پھر بھی میں نے پہچان لیا۔"

مینا سوچنے لگی۔

میں کس طرح پلکیں جھپکائے بغیر ظفر بھائی کا جائزہ لے رہی تھی، یہ سب نوٹ کر
ہوں گے۔

ظفر بھائی نے پھر اُسے چونکا دیا۔

"ایبٹ آباد کیسا لگا؟"

"ایبٹ آباد تو میں پہلے بھی دیکھ چکی ہوں۔"

"مگر جب تو تم بہت چھوٹی سی تھیں۔"

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ظفر بھائی کی اس بات کا کیا جواب دے۔ تبھی عمرانہ کمرے میں

"ظفر بھائی! آپ نہا لیجیے، میں آپ کے لئے چائے بنانے جا رہی ہوں۔"

ظفر بھائی نے مسکرا کر پوچھا۔

"صرف چائے؟"

فرزانہ نے کہا۔

"آپ فکر نہ کیجیے، عمرانہ آپ کے لئے گرم گرم پکوڑے بھی تلے گی۔"

عمرانہ نے بڑی خوشدلی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں پکوڑے تل دیتی ہوں، آپ چائے بنا لیجیے۔"

فرزانہ نے آسیہ اور مینا سے پوچھا۔

"کیوں بھئی؟ ایک، ایک کپ چائے کی گنجائش اور ہے؟"

لیکن آسیہ اور مینا دونوں ہی چائے کی اتنی زیادہ شوقین نہیں تھیں۔ دونوں



ار کر دیا۔

ظفر بھائی نہانے کے لئے گئے تو آسیہ اور مینا گیلری میں کرسی ڈال کر بیٹھ گئیں۔ عالیہ بھی
نف اور کھوپرہ چباتی ہوئی وہیں آ گئی اور مینا کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ گئی۔ آسیہ کی ناک میں سونف
ے کی خوشبو پہنچی تو اُس نے عالیہ سے کہا۔

"سونف کھوپرہ کھا رہی ہو نا!"

عالیہ نے گائے کی طرح جگالی کرتے ہوئے اقرار میں سر ہلایا۔

آسیہ نے کہا۔

"اکیلے اکیلے کھا رہی ہو، یہ نہیں ہوا کہ تھوڑی سی ہم دونوں کے لئے بھی لے آتیں۔"

عالیہ نے مٹھی کھول کر تھوڑا سا سونف کھوپرہ مینا کے ہاتھ پر رکھا اور تھوڑا سا آسیہ کی
بڑھایا۔

آسیہ مسکرا کر بولی۔

"اگر مانگے بغیر دے دیتیں تو کیا حرج تھا؟"

"اگر آپ لوگوں کے لئے لائی ہوتی تو مانگے بغیر ہی دے دیتی۔"

"خوب! تو گویا یہ بھی خود ہی چبانے کا ارادہ تھا۔"

"اور کیا۔"

"تمہاری نیت اتنی خراب کب سے ہو گئی؟"

"پرانی بات ہے، کمال ہے آپ کو اب پتہ چلا۔"

مینا ان دونوں کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھی۔

باورچی خانے کی طرف سے پکوڑوں کی خوشبو آ رہی تھی۔

عالیہ نے کہا۔

"اُفوہ! یہ عمرانہ آپا تو پھر ہماری نیت کا امتحان لینے بیٹھ گئی ہیں۔"

آیسہ اُس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

مسکرا کر بولی۔

"اب تم زیادہ بدیدیاں مت دکھاؤ۔"

مینا نے کہا۔

"ہاں عالیہ! تم کافی پکوڑے کھا چکی ہو۔"

"کہاں مینا آپا! ہری مرچوں کے تو صرف دو ہی پکوڑے ملے۔"

آسیہ نے کہا۔

"تو اور کیا دس کھانے کا ارادہ تھا؟"

مینا نے کہا۔

"باقی پکوڑوں پر تو تم نے خوب ہاتھ صاف کیا تھا۔"

آسیہ نے کہا۔

"ہاں! میں بھی دیکھ رہی تھی۔ آلو اور پالک کے پکوڑوں پر تم خوب لمبے لمبے ہاتھ

عالیہ کھسیانی ہو کر بولی۔

"چھوڑیئے آپا! آپ تو خواہ مخواہ بدنام کر رہی ہیں۔"

پھر گفتگو کا موضوع بدل گیا۔ تینوں عمرانہ اور فرزانہ کی ان پڑوسنوں پر تبصرہ کرنے لگیں

دوپہر ہی وہ مل کر آئی تھیں۔ مینا کچھ دیر بعد اُٹھ کر ریلنگ کے قریب چلی گئی۔ اُس نے نظر اُ

اوپر دیکھا۔ سارا آسمان گہرے کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بادل کچھ بپھرے ہوئے

میں آسمان کی وسعتوں پر اِدھر سے اُدھر پھیلتے پھر رہے تھے۔ ہر طرف اندھیرا سا چھا

ہوائیں لمحہ بہ لمحہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ جھومتے ہوئے درختوں میں سائیں سائیں

شور بلند تھا، ہوائیں پہاڑوں اور درختوں سے ٹکرا ٹکرا کر چیخ رہی تھیں، آس پاس

کی بتیاں سرِ شام ہی جل اُٹھی تھیں، بارش کے پہلے چھینٹے خشک دھرتی پر پڑے تو فضا میں



سوندھی سوندھی خوشبو پھیل گئی۔ درختوں کے بھیگے تنوں اور گیلے پتوں کی مہک بھی مٹی کی خوشبو میں رچ

بوچھار ذرا تیز ہوئی تو نیچے وادی میں ایک شور سا مچ گیا۔ گائے بھینسوں کے ڈکرانے کی آوازیں

ہونے لگیں۔ چرواہے کے آگے پیچھے بھاگتے ہوئے ریوڑ میں بکریاں زور زور سے ممیانے لگیں

کی تیزی سے آس پاس کے گھروں کے دروازے اور دریچے بند ہونے اور کھلنے لگے،

کی گرج نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔

مینا ریلنگ پر آگے کو جھکی ہوئی بھیگے جا رہی تھی۔ عالیہ اور آسیہ اُسے بار بار آوازیں دے

تھیں۔ مگر وہ کچھ اتنی مدہوش سی تھی کہ اُس کا دل پیچھے ہٹنے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر

نے اُسے شانوں سے پکڑ کر پیچھے گھسیٹا اور ساتھ لے کر کمرے میں آ گئی۔

مینا کو دریچے کے قریب کھڑا کرتے ہوئے اُس نے کہا۔

"لو، اب جی بھر کے نظارہ کرو۔"

مینا نے مسکرا کر کہا۔

"باہر بہت اچھا لگ رہا تھا۔"

"ہاں! جب بھیگ کر بیمار پڑ جاؤ گی تو اور زیادہ اچھا لگے گا۔"

"اتنی تیز بوچھاڑ تھوڑی تھی۔"

"تیز ہونے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔"

آسیہ اس کی شال اُٹھا کر لے آئی۔

"لو، اسے اوڑھو، ہوا بہت ٹھنڈی ہے۔"

مینا نے چڑ کر کہا۔

"تمہاری نصیحتوں نے بہت تنگ کر رکھا ہے مجھے۔"

آسیہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کیا کروں بھئی، میں ہی ضد کر کے لائی ہوں، خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میرے ہی کان کھینچے

جائیں گے۔"

"تم نے تو مجھے بالکل چھوئی موئی بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"میں نے کیا بنا دیا ہے، تم ہو ہی چھوئی موئی۔"

اسی وقت بادل بڑے زور سے گرجے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ ڈھلوانی پت
نیچے گرتے ہوئے پانی کا شور بہت بلند تھا۔ تاریکی ہر لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ سامنے
بنگلوں کے دریچوں سے چھن چھن کر باہر آتی ہوئی روشنی کی کرنیں بارش کے قطروں سے
عجیب سا تاثر پیدا کر رہی تھیں۔ رات کو جانے کب تک وقفے وقفے سے بارش ہو
اور نشیب میں گرتے ہوئے پانی کا شور بلند ہوتا رہا۔

ظفر بھائی زیادہ دنوں کے لئے نہیں آئے تھے۔ وہ جب تک رہے حمیدہ خالہ
اور فرزانہ ان کی پسندیدہ چیزیں پکا پکا کر کھلاتی رہیں۔ عمرانہ اور فرزانہ تو ان کے آ
بچھی جاتی تھیں۔ چچی جان بھی ہر وقت واری صدقے ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن یہ سا
محبتیں اور شفقتیں یکطرفہ نہیں تھیں۔ مینا کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ ظفر بھائی ا
بھائیوں اور بہنوں پہ جان چھڑکتے تھے۔ اپنی امی اور ابا کے تابعدار تو خیر وہ تھے ہ
خالہ (چچی جان) سے بھی انہیں بڑی محبت تھی۔ کسی کی بات ٹالنا تو جیسے انہوں نے
نہیں تھا۔ بہنوں نے کہا۔

"ظفر بھائی! آیئے کیرم کھیلیں۔"

ظفر بھائی فوراً کیرم کھیلنے بیٹھ جاتے۔

بھائی کہتے۔

"بھائی جان! آیئے، ذرا گھوم آئیں۔"

ظفر بھائی ان کے ساتھ سیر کے لئے چل دیتے۔

حمیدہ خالہ کہتیں۔



"ظفر بیٹے! دو گھڑی میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔"

ظفر بھائی بہت سعادت مندی سے اُن کے پاس بیٹھے رہتے۔

ایک روز ظفر بھائی ان سب کو ہوٹل میں کھانا کھلانے لے گئے۔ مینا کو کھانا تو خیر اتنا مزے
دار نہیں لگا۔ لیکن گھر سے ہوٹل تک کے راستے میں اُس نے بہت مزے لئے۔ سارے راستے وہ کھڑکی
سے باہر دیکھتی رہی۔ ہوٹل میں بھی کھانا آنے تک وہ کھلے ہوئے دریچے سے باہر دیکھتی رہی۔

ظفر بھائی نے اس سے پوچھا۔

"مینا اگر تمہیں ان پہاڑوں میں رہنا پڑ جائے تو کتنے دن میں بور ہو جاؤ گی؟"

"بہت زیادہ دن نہیں رہ سکوں گی۔"

"کیوں؟" ظفر بھائی مسکرائے۔

"بہت زیادہ سکون اور خاموشی بھی کبھی کبھی بہت تکلیف دہ بن جاتی ہے۔"

"ہوں، اور؟" ظفر بھائی سنجیدہ ہو گئے۔

"یہاں زندگی بڑی دشوار گزار ہے۔"

فرزانہ نے کہا۔

"آہستہ آہستہ ہر بات کی عادت پڑ جاتی ہے۔"

مینا نے دیکھا۔

آسیہ سر جھکائے بڑی گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ظفر بھائی نے اس کے سامنے
تھ سے میز بجاتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں کھوئی ہوئی ہو؟"

آسیہ چونک پڑی۔

"کون؟ میں!"

"جی! آپ!" ظفر بھائی مسکرائے۔

"میں آپ لوگوں کی باتیں سن رہی تھی۔"

"صرف سنتی ہی رہو گی، اپنی نہیں سناؤ گی؟"

آسیہ مسکراتی رہی۔

اگلے روز وہ لوگ خریداری کے لئے گئے جس کے لئے آسیہ، عالیہ اور مینا تینوں ا
تھیں۔ گھنٹوں لگ گئے لیکن پھر بھی خریداری ادھوری ہی رہی۔ آسیہ بہت بور ہو رہی
ظفر بھائی نے یہ کہہ کر اُسے اطمینان دلایا کہ اب کسی دن تم لوگ ابّو کے ساتھ آ کر خریداری

پھر ــــ ایک شام عادل اور امجد ڈرائنگ روم میں شطرنج کی بساط بچھائے بیٹھے
آسیہ، عالیہ، ظفر بھائی اور فرزانہ کارڈز کھیل رہے تھے۔ عمرانہ ایک طرف بیٹھی ظفر بھائی کا سویٹر
تھی۔ گھر کے تینوں بزرگ دوسرے کمرے میں بیٹھے جانے کس کس کا ذکر کر رہے تھے۔ مینا بھی
میں ہی ایک رسالہ لئے بیٹھی تھی۔ اُس نے ایک افسانہ شروع کیا تھا لیکن دو، تین صفحوں سے آ
نہیں پڑھ سکی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے لکھنے والے نے تھوڑے سے ردّ و بدل کے ساتھ اس
کہانی لکھ دی تھی۔

اس کے دُکھ پھر جاگ اُٹھے تھے۔

اُس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر ڈرائنگ روم کے ماحول پر ایک نظر ڈا

سب بہت مصروف تھے اور بے حد مگن۔

وہ رسالہ وہیں صوفے پر ڈال کر اُٹھ گئی۔

دروازے کے قریب پہنچی تھی تبھی آسیہ نے اُسے ٹوکا۔

"تم کہاں جا رہی ہو مینا؟"

مینا ایک دم چونک گئی۔ وہ تو مطمئن تھی کہ سب مگن ہیں، اسے باہر نکلتے ہوئے
نہیں دیکھ پائے گا لیکن آسیہ تو اُس کے اُوپر ہر وقت نظر رکھتی تھی۔

مینا نے کہا۔



"میں باہر گیلری میں بیٹھوں گی۔"

"وہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کرو گی؟"

عالیہ نے آسیہ کو ٹوکا۔

"آپ آخر کیوں اتنے سوالات کر رہی ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مینا آپا کو گیلری میں بیٹھ کر باہر دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔۔"

"اچھا۔" آسیہ پھر کیرم بورڈ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

مینا کچھ دیر گیلری میں پڑی کرسی پر بیٹھی دھیرے دھیرے گزرتی ہوئی شام کو دیکھتی رہی پھر
ی ہوئی نیچے چلی گئی۔ اُس کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ چپ چاپ چلتی چلی جائے۔ لیکن راستہ بھول
نے کے خیال سے وہ گھر سے بہت زیادہ دور نہیں گئی۔ خودرو جھاڑیوں میں اُگے ہوئے سفید
، اور کاسنی پھولوں کو دیکھتی ہوئی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ ننھے ننھے پھولوں اور جھاڑیوں کے
یان سے گزرتی ہوئی ہوا سیٹیاں بجا رہی تھی۔ ایک چھوٹے سے صاف ستھرے ٹیلے پر اس
نگاہ پڑی تو بے اختیار اس کا دل بیٹھ جانے کو چاہا۔ وہ ہوا میں لہراتے ہوئے آنچل کو سمیٹ
ٹیلے پر بیٹھ گئی۔ دماغ سوچوں کی رہگزر پہ بھٹکنے لگا۔

لمحوں کے موتی بڑی خاموشی سے وقت کے گہرے سمندر میں گم رہے تھے۔

شام دھیمے دھیمے قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔

مینا بدلتے ہوئے موسم سے بے نیاز اپنی سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی۔

ہواؤں میں تیزی اور خنکی آ گئی تھی۔

آسمان پر تیرتے ہوئے روئی کے گالوں جیسے سفید بادل ہواؤں کے دوش پر سوار جانے کس
ن اُڑ گئے تھے۔ گہرے سرمئی و سیاہ بادل اُمنڈ اُمنڈ کر آ رہے تھے۔ مدھم سی تاریکی بڑی تیزی
ے پھیلتی جا رہی تھی۔

جب بارش کے پہلے چند قطرے بینا کے بالوں اور چہرے سے ٹکرائے تو وہ چونک پڑی ۔ اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا اور ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی۔ تیز تیز قدموں سے وہ گھر کی طرف چل دی۔ لیکن ابھی اُس نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ بادل بڑی زور سے گرجے اور تیز بارش شروع ہو گئی اونچے نیچے بھیگے ہوئے راستوں پر وہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ لیکن مخالف سمت میں چلنے والی ہوائیں اسے دھکیل دھکیل کر پیچھے کئے دے رہی تھیں۔ ایک طرف گھر والوں کی پریشانی کا خیال اُسے سہمائے دے رہا تھا، دوسری طرف پاؤں پھسل جانے کا خوف اُسے اور بھی زیادہ دہشت زدہ کئے دے رہا تھا۔ اُس نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور ایک نسبتاً ہموار راستے کی طرف اس کے قدم اُٹھ گئے۔ بنگلوں میں بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ اس نے اپنے بھیگے ہوئے کپڑوں پر ایک نظر ڈالی اور سوچا۔

کیوں نہ کسی گھر کے برآمدے میں پناہ لے لے۔

لیکن پھر اپنی اس سوچ پر وہ خود ہی سہم گئی۔

نہیں یہ مناسب نہیں ہے۔

یہ بڑھتی ہوئی تاریکی، بارش اور اجنبی انجان لوگ ـــ جانے میرے ساتھ کیا ہو جائے۔

---



وہ ایک، ایک قدم احتیاط سے اُٹھاتی ہوئی آگے بڑھتی رہی بمشکل تمام وہ ایک بنگلے تک پہنچی۔ اور اس کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی بنگلے کی سارے کھڑکی دروازے بند تھے لیکن دریچوں کے شیشوں پر رقص کرتی ہوئی روشنی کی کرنیں اندر زندگی کا پتہ دے رہی تھیں۔ کبھی کبھی گھر کے مکینوں میں سے کسی کی آواز بھی باہر تک آ جاتی تھی۔

بینا دیوار سے لگی کھڑی رہی۔ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی اور بے بس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں بارش رُک جانے کی دعا کر رہی تھی۔ مصیبت اور پریشانی کے ان لمحوں میں اُس نے عہد کر لیا کہ جب تک وہ یہاں رہے گی۔ آئندہ کبھی تنہا گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکالے گی۔

خدا کو شاید اس پر رحم آ گیا، بارش کا زور ٹوٹ گیا اور بارش کم ہوتے ہوتے برائے نام ہی رہ گئی۔ صرف ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ بینا نے پھر گھر کی سمت بڑھنا شروع کر دیا لیکن تاریکی اور پھسل جانے کا خوف اس پر بری طرح سوار تھا۔ جسم کی کپکپی میں کچھ اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ اُسے بمشکل ہی نظر آ رہا تھا کہ وہ عزت اور خیریت کے ساتھ گھر پہنچ سکے گی۔ کبھی کبھی بادل گرجتے اور بجلی چمکتی تو اس پر اور بھی زیادہ دہشت سوار ہو جاتی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو کر گر جائے گی۔ وہ تھوڑی ہی دور پہنچی تھی کہ قدموں کی آواز سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، پھر ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اس کے چہرے پر پڑا تو اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ لیکن اسی وقت عادل کی آواز سُن کر اس کی کچھ جان میں جان آئی۔ اس کے

ساتھ ظفر بھائی تھے۔

بینا کو پہچان کر اُس نے ظفر بھائی سے کہا۔

"بینا آپا یہ رہیں ظفر بھائی۔"

پھر اُسے ظفر بھائی کی آواز سُنائی دی۔

"شکر ہے خدایا!"

ظفر بھائی اور عادل اُس کے قریب پہنچے تو بینا کی ہمت نے ساتھ چھوڑ دیا، اس کے ڈگمگاتے بس! اُسے اتنا احساس رہا کہ ظفر بھائی کی مضبوط باہوں نے اُسے سہارا دیا اور عادل گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بینا آپا!"

اُس کے بعد بینا کو ذرا بھی ہوش نہ رہا۔

وہ کس طرح گھر پہنچی۔

کب پہنچی۔

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو گرم گرم کمبلوں میں لپٹا ہوا پایا۔ ظفر بھائی اُس پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھے تھے۔ آسیہ دریچے کے پاس پریشان صورت لئے کھڑی چچی جان بھی اُس کے قریب بیٹھی تھیں۔ اُن کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ عالیہ چہرہ اترا ہوا تھا، عمرانہ بھی عالیہ کے قریب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

بینا کو ہوش آیا تو آسیہ جلدی سے اُس کے قریب آگئی۔ اُس نے بڑی بے تا سے پوچھا۔

"کیسی ہو بینا؟"

چچی جان نے چمکار کر کہا۔

"بینا بیٹی۔" اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔



عادل بھی کمرے سے جانے کس کونے سے اونگھتا ہوا آگیا۔ عمرانہ، عالیہ اور عادل سبھی اُس کی طبیعت پوچھ رہے تھے لیکن وہ ایک لفظ نہ بولی، اُس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی اور آنسو ایک کے ایک اس کی آنکھوں کے کناروں سے پھسلتے ہوئے تکئے میں جذب ہوتے گئے۔

سب کے پریشان چہرے دیکھ کر وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگی۔

وہ سوچنے لگی۔

میں تنہا گئی ہی کیوں تھی؟

اور اگر گئی بھی تھی تو ایسی بھی کیا بے خودی کہ اپنے ارد گرد کا ہوش ہی نہ رہا۔

چچی جان مجھے لے کر آئی ہیں۔ ان کی ذمے داری ہے، وہ بے چاری کس قدر پریشان ہوں گی۔

اس نے تاسف بھرے انداز سے چچی جان کی طرف دیکھا اور مدھم آواز میں بولی۔

"چچی جان! مجھے معاف کر دیجئے، اب میں کبھی تنہا نہیں جاؤں گی۔"

چچی جان نے کہا۔

"ہم تو خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں بینا! اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا تو ہم بھائی جان کو کیا منہ دکھاتے۔"

بینا کے آنسو اور بھی زیادہ روانی سے بہنے لگے۔

انہوں نے اس کی جلتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بس! اب تم آنسو مت بہاؤ، طبیعت اور زیادہ خراب ہو جائے گی!"

ظفر بھائی نے دو گولیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ گولیاں کھا کر اب تم آرام کرو۔"

عالیہ دودھ کا گلاس لئے کھڑی تھی۔ عمرانہ نے سہارا دے کر اُسے اُٹھایا۔ بینا کو احساس ہوا۔ اس کا بدن بری طرح تپ رہا ہے۔ اس نے گولیاں کھا کر بمشکل تمام دودھ ختم کیا۔ ہر گھونٹ پر

وہ یہی کہتی تھی۔

"بس اب نہیں پیا جاتا۔"

لیکن اس کے ہر دفعہ انکار پر سب بچوں کی طرح چمکارنے لگتے تھے۔ دودھ ختم ہوا تو نڈھال ہو کر تکیئے پر سر ڈال دیا۔

چچی جان نے کہا۔

"تم سب بھی سو جاؤ، کافی رات ہو گئی ہے۔"

ظفر بھائی نے پوچھا۔

"اور آپ نہیں سوئیں گی؟"

"میں مینا کے پاس ہی بیٹھوں گی۔"

آسیہ نے کہا۔

"نہیں امی! آپ سو جایئے میں جاگتی رہوں گی۔"

عالیہ اور عمرانہ بھی جاگنے کے لئے اپنی اپنی خدمات پیش کر رہی تھیں۔ اسی وقت اور فرزانہ بھی دوسرے کمرے سے آ گئیں۔

سب کا یہی خیال تھا کہ کسی نہ کسی کو جاگنا ضرور چاہیئے۔ مینا مسلسل انکار کئے جا اس نے سب کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اس کے نزدیک کسی کا بھی جاگنا ضروری نہیں اس نے کہا۔

"مجھے ضرورت پڑے گی تو میں آواز دے کر اٹھا لوں گی۔"

آسیہ نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی ہے، جب تک نیند نہیں آتی میں بیٹھی رہوں گی۔"

پھر سب اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے۔ آسیہ، مینا کے قریب بیٹھی رہی۔ مینا تو تھ دیر بعد بے خبر سو گئی۔ اسے کچھ پتہ نہ چلا، آسیہ کب تک جاگتی رہی۔



تقریباً ہفتے بھر میں مینا کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی۔ گھر والوں نے اس کی تیمارداری میں کسر اٹھا نہیں رکھی۔ کبھی حمیدہ خالہ اس کے لئے یخنی لئے چلی آ رہی ہیں، کبھی فرزانہ دودھ میں ٹین ڈال کر پلانے کے لئے اصرار کر رہی ہے کبھی اشفاق خالو اور ظفر بھائی پھلوں کی پلیٹ لئے رکھے اصرار کر کے کھلا رہے ہیں۔ مینا مارے شرمندگی کے گھر والوں سے نظر بھی نہیں ملا تی۔

"میری ذرا سی غلطی نے سب کو کتنا پریشان کر دیا ہے۔"

وہ دل ہی دل میں سوچتی۔

ظفر بھائی اس کی بیماری کی وجہ سے چند روز کے لئے اور ٹھہر گئے تھے۔ ورنہ ان کا یہ پروگرام تو تک واپس چلے جانے کا تھا۔ مینا کا دل بھی اُکتا گیا تھا۔ وہ جلد سے جلد کراچی واپس جانا چاہتی لیکن جب تک چچی جان وغیرہ جانے کا پروگرام نہ بنائیں وہ بھی یہاں رہنے پر مجبور تھی۔

مینا کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو حالات پھر معمول پر آ گئے۔ سیر و تفریح اور شاپنگ کے پروگرام لگے۔ شطرنج کی بساط گھنٹوں بچھی رہتی، کیرم کی گوٹیں کھٹا کھٹ ٹکراتی رہتیں اور کارڈز کھیلتے دوپہر سے شام ہو جاتی۔

اس روز بھی سب اپنے اپنے پسندیدہ گیمز میں مصروف تھے۔ مینا صبح سے ہر گیم میں ہار رہی پہلے وہ عادل کے ساتھ شطرنج کھیلنے بیٹھتی تو بری طرح مات کھاتی، پھر کیرم کھیلتے ہوئے رہے ہارتی رہی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جب آسیہ پر کارڈز کھیلنے کا دورہ پڑا تو مینا صاف انکار کر دیا۔

"نہیں بھئی! میں اب کوئی گیم نہیں کھیلوں گی۔"

"کیوں نہیں کھیلو گی؟" آسیہ مسکرائی۔

"صبح سے مسلسل ہار رہی ہوں۔"

عالیہ نے کہا۔

"کوئی بات نہیں مینا آپا! ایک بار اور سہی۔"

"نہیں بھئی! اب مزید ہارنے کی ہمت نہیں ہے۔"

آسیہ نے کہا۔

"بس اس دفعہ اور سہی، ہو سکتا ہے اب کے جیت ہی جاؤ۔"

"تمہارے ساتھ کھیلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیوں؟"

"تم تو زیادہ تر مجھے ہراتی ہو۔"

قریب ہی بیٹھے ہوئے ظفر بھائی مسکرا کر بولے۔

"چلو مینا! میں اور تم پارٹنر بنتے ہیں، آسیہ کو جیتنے نہیں دیں گے۔"

آسیہ کا چہرہ ایک دم اُتر سا گیا۔

لیکن پھر فوراً ہی اُس نے اپنے آپ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ مینا کو پارٹنر بنا لیجئے، ہار جیت کا فیصلہ آج ہی ہو جائے"

مینا نے پھر انکار کیا۔ لیکن ظفر بھائی شاید بہت جوش میں تھے۔ تاش کی گڈی اُ کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے۔

"آجاؤ مینا! آج آسیہ سے مقابلہ ہو ہی جانا چاہیے۔"

مینا نے کہا۔

"آپ عمرانہ کو پارٹنر بنا لیجئے۔"

لیکن ظفر بھائی بضد تھے کہ ان کی پارٹنر مینا ہی بنے گی۔

کھیل شروع ہوا۔ مینا نے پوری دل جمعی سے کھیلنے کی کوشش کی لیکن ا کی قسمت میں ہر موقع پر شکست ہی لکھی تھی۔

وہ ہارتی چلی گئی۔



ظفر بھائی بار بار کہہ رہے تھے۔

"مینا! آج آسیہ کو شکست دینی ہے"

آسیہ ہر دفعہ بڑے اعتماد سے کہتی۔

"مینا! میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی۔"

"تم مجھ سے نہیں جیت سکتیں مینا!"

اور مینا شکست پر شکست کھاتی چلی گئی۔ آسیہ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آخری دفعہ بھی ہارنے کے بعد ظفر بھائی مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور دریچے میں جھک کر باہر دیکھنے لگے۔

مینا نے بہت بور ہو کر آسیہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کان پکڑتی ہوں، آئندہ تم سے مقابلہ کرنے کی بات خواب میں بھی نہیں سوچوں گی۔"

آسیہ نے ہنس کے کہا۔

"اچھا ہوا تم نے یہ فیصلہ بڑی جلدی کر لیا"

ظفر بھائی نے پلٹ کر پوچھا۔

"کیا مطلب ہے آسیہ بیگم! اس جملے کا؟"

آسیہ نے کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ کوئی مجھے چیلنج کر کے شکست دینے کی کوشش کرے اُسے تو میں ہرگز نہیں جیتنے دوں گی۔"

اسی وقت فرزانہ نے چائے تیار ہونے کی اطلاع دی۔ تو سب اُٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔

اگلے روز ظفر بھائی واپس جانے والے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد انہوں نے کافی کی فرمائش کی مگر شرط یہ لگا دی کہ جس کو سب سے اچھی کافی بنانی آتی ہے وہی اُٹھ کر بنائے۔

عالیہ نے کہا۔

"مینا آپا بہت مزے دار کافی بناتی ہیں۔"

مینا بضد تھی کہ آسیہ کے ہاتھ کی کافی زیادہ خوش ذائقہ ہوتی ہے۔

عادل نے بھی کہا۔

"مینا آپا زیادہ اچھی کافی بناتی ہیں"

مینا نے پھر آسیہ سے اصرار کیا۔ آسیہ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بڑا انسٹر سنتی

اور انکار میں سر ہلاتی رہی۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

مینا نے پوچھا۔

"اتنی سیریس کیوں ہو رہی ہو؟"

آسیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کچھ سوچ رہی ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"بڑا اہم معاملہ زیرِ غور ہے۔"

"پھر بھی کچھ پتہ تو چلے۔"

"جب تک اچھی طرح غور و خوض نہ کر لوں، نہیں بتا سکتی۔"

مینا نے تنگ آ کر کہا۔

"اچھا بھئی! مت بتاؤ، مرضی ہے تمہاری۔"

ظفر بھائی نے پوچھا۔

"کافی کون بنانے جا رہا ہے۔"

مینا کے کچھ کہنے سے قبل ہی آسیہ نے کہا۔

"کافی وہی بنائے گا جس کے ہاتھ کی آپ پینا چاہتے ہیں۔"



"کیا مطلب؟ کس کے ہاتھ کی کافی پینا چاہتا ہوں میں؟"

"اب یہ تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے۔"

"میں نے کسی کا نام تو نہیں لیا۔ جسے بھی اچھی کافی بنانی آتی ہے بنا کر لے آئے۔"

عادل نے بور ہو کر کہا۔

"اوہو! اتنی دیر ہو گئی۔ ابھی تک یہی معاملہ طے نہیں ہوا کہ کون کافی بنائے گا۔"

امجد نے لقمہ دیا۔

"یہ لڑکیاں بڑی کام چور نوالہ حاضر ہوتی ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"اچھا بھئی! اب تم لوگ لڑکیوں کو نام تو نہ دھرو، میں جا رہی ہوں۔"

سب نے اپنی اپنی جگہ سے آواز لگائی۔

"ہم بھی پیئیں گے، صرف ظفر بھائی کے لئے بنا کے مت لے آنا۔"

مینا باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ فرزانہ بھی یہ سوچ کر اُس کے ساتھ چل دی کہ اس بیچاری کو کیا معلوم، کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔

تھوڑی دیر بعد مینا کافی بنا کر لائی تو ظفر بھائی کمرے میں نہیں تھے۔

مینا نے ٹرے میز پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"ظفر بھائی کہاں چلے گئے؟"

آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ گیلری میں بیٹھے چاند کا نظارہ کر رہے ہیں۔"

مینا ان کا کپ لے کر باہر گیلری میں چلی آئی۔

ظفر بھائی گیلری میں پڑی کرسی پہ بیٹھے تھے۔ لیکن آسیہ کے کہنے کے بالکل برعکس و
بند کئے جانے کن سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آسمان پہ چمکتے ہوئے پورے چاند کی ر
کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ ان کا خوبصورت چہرہ بے حد روشن اور تابناک نظر آ رہا تھا۔
خمدار بال ہوا کے جھونکوں سے بے ترتیب ہوئے جا رہے تھے۔ قدموں کی آ
وہ چونک گئے۔

---



ظفر بھائی نے نیم وا آنکھوں سے مینا کی طرف دیکھا، ان کے ہونٹوں پہ مدھم سی مسکراہٹ
ہوئی تھی۔ مینا انہیں کپ تھما کر اندر چلی آئی۔
آسیہ نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔
کیا بات ہے مینا! آج تو تم نے ہمیشہ سے کچھ زیادہ ہی خوش ذائقہ کافی بنائی ہے۔"
مینا نے اپنا کپ اُٹھاتے ہوئے کہا۔
پی کر فیصلہ کروں گی کہ تمہاری بات کس حد تک صحیح ہے۔"
آسیہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور ٹرانسسٹر کی آواز ایک دم اونچی کر دی۔
اگلے روز ظفر بھائی چلے گئے۔ چچی جان اور حمیدہ خالہ نے انہیں ڈھیر ساری دعاؤں کے
رخصت کیا۔ حمیدہ خالہ اپنے چہیتے بیٹے کو رخصت کرتے ہوئے بہت اداس تھیں۔
فرزانہ کے چہرے بھی اترے ہوئے تھے۔ اشفاق خالو، امجد اور ارشد ہنس ہنس کر اپنی
ت کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ظفر بھائی کے جانے کا تھوڑا بہت اثر تو
ں کے اوپر بھی ضرور ہوگا۔ مرد تھے تو کیا ہوا ہے سینے میں دل تو تھا۔ ظفر بھائی کے جانے
ر شخص کو ان کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ حمیدہ خالہ تو اُن کے جانے
ئی گھنٹے تک منہ سر لپیٹے پڑی رہیں۔
ریباً پندرہ بیس دن بعد چچی جان نے بھی واپسی کا پروگرام بنا لیا۔ حمیدہ خالہ اور اشفاق خالو
ں روکنے کی بہت کوشش کی لیکن اب مزید ٹھہرنا ان کے لئے بہت مشکل تھا۔ چچی جان

کی زبان سے سُنے ہوئے چند جملے اُسے جب بھی یاد آتے۔ اُس کے دل میں درد کی ایک ٹیس ہ
اور آنکھوں میں نمی تیر جاتی۔ اپنے جذبات و احساسات کو دوسروں کی نگاہ سے چھپا کر اس نے
سارے دن چُپ چاپ گزار دیئے تھے لیکن اب یہ سب کچھ اس کی برداشت سے باہر ہو

اس کا دل چاہتا تھا۔

وہ اپنے جذبات و احساسات سب پر عیاں کر دے۔

اپنی خاموشیوں کو زبان دے دے۔

اپنے ابّو سے اپنے بھائیوں سے ــــ کسی سے تو پوچھے۔

کہ میری ماں کی اصلیت کیا ہے؟

اس کا اصل روپ کون سا ہے؟

بچی جان جو کچھ کہتی ہیں وہ سچ ہے یا پھر
حقیقت کچھ اور ہے۔

میری زندگی کی سب سے بڑی محرومی کا ذمّے دار کون ہے؟

امّی؟ یا ابّو؟

قصور دار کون ہے؟

اور بے قصور کون؟

اُس نے بار ہا بڑی افسردگی سے سوچا۔

یہ میری کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ میری ماں زندہ ہے۔

اور میں اس کے دیدار سے آج تک محروم ہوں۔

میں آج تک اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکی۔

اور وہ عورت ــــ جو میری ماں ہے۔

اس کا دل میرے لئے کبھی نہیں دھڑکا؟



اس کے سینے میں میری یاد کبھی کسک بن کر نہیں چبھی؟

اس کی آنکھیں میرے خیال پر کبھی نہیں جھلملائیں؟

مینا نے سوچا۔

بڑی پھپھو، خالہ امی سبھی کو میری ماں کے بارے میں معلوم ہوگا لیکن میرے سامنے کبھی کسی
کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔

اس نے ارادہ کر لیا۔

وہ بڑی پھپھو یا خالہ امّی سے ضرور پوچھے گی۔

وہ کراچی پہنچی تو ابّو اور بھائیوں کے چہرے اُسے دیکھ کر کھل اُٹھے۔ ایبٹ آباد کی آب و ہوا
نے اس کی صحت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ سبھی کو اس کی صحت پہلے سے بہتر نظر آئی۔
لیکن غم کے اس گہرے سمندر کا علم کسی کو نہ ہو سکا جسے وہ اپنے سینے میں سمیٹے ہوئے تھی۔
وہ ابّو اور بھائیوں کے لئے لائی ہوئی چیزیں نکال نکال کر اُن کے سامنے رکھتی رہی۔ سب اُس
کے ذوق اور اس کی پسند کو سراہ رہے تھے۔ بوّا کے لئے خریدا ہوا سوٹ کا کپڑا لے کر وہ ان کے
س پہنچی تو بوّا نے اُسے سینے سے لگا کر نصیبہ اچھا ہونے کی دعا دی۔ اس کی آنکھوں میں جلنے
سوں نمی سی تیر گئی۔

دو تین دن تک تو سفر کی تکان ہی نہ اُتر سکی۔ وہ کہیں بھی ملنے نہیں گئی۔ پھر چوتھے روز بڑے
بھیّا اپنے دوست کے گھر جاتے ہوئے اسے بڑی پھپھو کے یہاں چھوڑ گئے۔ اس نے بڑی پھپھو اور
ن کی بیٹیوں شازیہ اور نازیہ کے لئے خریدے ہوئے تحفے انہیں دیئے تو بڑے پھوپھا از راہِ مذاق
لے "اور ہمارے لئے کچھ نہیں لائی ہماری بیٹی؟"

مینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لئے بھی لائی ہوں پھوپھا جان۔"

اُس نے موزے اور رومال اُن کی طرف بڑھائے۔

بڑی پھپھو نے کہا۔

"اے ہے آپ کو کیا ہو گیا ہے ؟"

پھوپھا جان نے پوچھا

"کیوں ؟ کیا مطلب ؟"

"اس بڑھاپے میں بچی سے تحفہ مانگتے ہوئے اچھے لگتے ہیں ؟"

"اچھا یہ بات ہے تو تم نے کیوں وصول کر لیا تحفہ ؟"

"میں نے مانگا تو نہیں تھا، وہ اپنی خوشی سے لائی ہے۔"

"میرے لئے بھی اپنی خوشی سے لائی ہے۔"

پھوپھا جان اور پھپھو کی نوک جھونک جاری تھی، شازیہ اور نازیہ مینا کو اپنے کمرے میں آ گئیں۔ شازیہ نے اپنے فیصل بھائی کی تازہ ترین بڑی سی تصویر نکال کر مینا کو دکھائی جو ایک قبل ہی امریکہ سے آئی تھی۔ فیصل بھائی انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے امریکہ ہوئے تھے۔

مینا نے تصویر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ماشاء اللہ فیصل بھائی کی صحت بہت شاندار ہو گئی ہے۔"

نازیہ نے بڑے پیار سے کہا۔

"ہاں ! بہت اچھے لگ رہے ہیں۔"

جبھی بڑی پھپھو ادھر آ گئیں۔

مینا سے پوچھنے لگیں۔

"فیصل کی تصویر دیکھی مینا بیٹی ؟"

"جی پھپھو ! بڑی اچھی تصویر ہے، اسے فریم کروا لیں آپ۔"

پھپھو جان نے کہا۔



ں ! کسی روز بازار کی طرف جانا ہوگا تو لیتی جاؤں گی۔"

پھر انہوں نے شازیہ سے کہا۔

"رے شازیہ ! مینا کی چیزیں تو دے دو اسے۔"

[illegible]

یسی چیزیں ؟"

ازیہ نے کہا۔

بھائی جان نے اپنے کسی دوست کے ہاتھ ہم لوگوں کے لئے کچھ چیزیں بھجوائی ہیں۔"

بنا نے کہا۔

فیصل بھائی نے اتنی محبت سے تم لوگوں کے لئے تحفے بھیجے ہیں، انہیں بانٹتی تو نہ پھرو۔"

پھپھو جان نے کہا۔

نہیں بیٹی ! تمہارے لئے الگ بھیجی ہیں چیزیں، اس نے خط میں لکھ کر بھیجا ہے کہ کون سی چیز لئے ہے۔"

زیہ نے ساری چیزیں لا کر مینا کے سامنے ڈھیر کر دیں اور بتانے لگی کہ کون سی چیز کس کے لئے ل بھائی کی بھیجی ہوئی سبھی چیزیں بہت خوبصورت تھیں۔ مینا کے لئے انہوں نے ایک جرسی اور آرٹیفیشل جیولری بھیجی تھی۔ ٹاپس بے حد خوبصورت تھے اور لاکٹ انتہائی نازک تھا۔

بنا نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

پھپھو جان ! فیصل بھائی نے تو بہت چیزیں بھیج دی ہیں میرے لئے، یہ جرسی آپ رکھ لیں۔"

پھپھو جان نے کہا۔

نہیں بیٹی ! تم اپنی چیزیں اپنے پاس رکھو، اس نے بڑی محبت سے بھیجی ہیں، سب کے یں !"

شازیہ نے کہا۔

"اگر بھائی جان کو پتہ چل گیا کہ تم نے کوئی چیز واپس کی ہے تو انہیں بہت افسوس
مینا نے بہت کوشش کی کہ شانہ بہ اور نازیہ میں سے ہی کوئی کم از کم ایک چیز لے
اس کی ایک نہ سنی۔

مینا پھپھو کے یہاں رات تک رہی۔ اس نے کھانا بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی
امی کے متعلق وہ ان سے کچھ بھی نہ پوچھ سکی۔ چند منٹ کے لئے اُسے پھپھو جان کے ساتھ
کا موقع بھی ملا لیکن دل کی بات زبان پر نہ آسکی۔

اُس نے اپنے آپ میں بڑا حوصلہ پیدا کیا۔

بڑی ہمت کر کے اپنے آپ کو تیار کیا۔

مگر وہ ان سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

رات کو بڑے بھیا اُسے لینے آئے تو وہ اُلجھی اُلجھی سوچیں لئے واپس چلی گئی

دل کی دل ہی میں رہی۔

دماغ کا بوجھ کم نہ ہوسکا۔

اور روح کے تار اسی طرح کھنچتے رہے۔

پھر اُس نے سوچا۔

وہ خالہ امی سے پوچھے گی، اُن سے زیادہ بہتر طور پر شاید اُسے کوئی نہ بتا سکے، خالہ
پیار بھی بہت تھا۔ اُس کے ابّو تو اُن کے گھر کبھی نہیں جاتے تھے۔ خالہ امی کا آنا بھی برا
ہوتا تھا۔ وہ جب کبھی آتی بھی تھیں تو مینا کے ابّو کی غیر موجودگی میں آتی تھیں۔ اس کے
سے بڑے بھیا خالہ امی کے گھر بالکل نہیں جاتے تھے۔ باقی بھائی کبھی کبھی جا کر مل آتے
مینا خالہ امی سے ملنے اکثر جاتی تھی۔ وہ بھی اس کے سامنے بچھی جاتی تھیں اور اس طرح
کرتی تھیں جیسے بیٹی کئی مہینوں بعد سسرال سے آئی ہو۔ مینا سے پوچھ کر اُس کی پسندیدہ چیز
اور آئے دن اس کے لئے کوئی نہ کوئی چیز خریدتی رہتی تھیں۔ خالہ امی کے ایک بیٹے امریکہ



ن۔ اے کرنے کے بعد وہ چند مہینوں کے لئے پاکستان آئے تھے اور شادی کرنے کے بعد اپنی بیوی
ت امریکہ میں ہی جا بسے تھے۔ اُن سے چھوٹی بیٹی عظمیٰ بھی شادی شدہ تھی، اپنے شوہر اور دو بچوں
ساتھ کویت میں رہتی تھی۔ عظمیٰ باجی سے چھوٹے اشعر بھائی، پی۔ایچ۔ڈی کرنے انگلینڈ گئے ہوئے
دو چھوٹے بھائی احمر اور رنجمہ خالہ امی کے ساتھ رہتے تھے۔ احمر انجینئرنگ کالج میں تھے۔
رنجمہ یونیورسٹی میں معاشیات میں ایم۔اے کر رہی تھی۔

مینا بڑی پھپھو جان کے گھر سے آئی تو رات کو اُسے بڑی دیر تک نیند نہیں آئی۔ اُس نے
مضمون پڑھنے کی کوشش کی تو وہ بھی نہیں پڑھا گیا۔ اُس نے بتی بند کر دی اور اندھیرے میں
ھوں پر ہاتھ رکھے، رات گئے تک لیٹی سوچتی رہی۔ دوسرے روز صبح ناشتے کے وقت اُس نے
سے اجازت لی اور بوا کو بتا کر تقریباً دس بجے تک خالہ امی کے گھر چلی گئی۔ گھر میں خالہ امی اور
ملازمہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا، احمر کالج اور رنجمہ آپا یونیورسٹی گئی ہوئی تھیں۔ خالہ امی نے
اختیار اُسے سینے سے لگا لیا۔ مینا کا دل تو پہلے ہی بھرا ہوا تھا، اُن کی اس شفقت اور محبت پر
کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خالہ امی اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ انہوں
پوچھا۔

"کیا بات ہے بیٹی! رو کیوں رہی ہو؟"

مینا نے اس وقت تو بات ٹال دی اور سوچا۔

"شام سے پہلے تو مجھے جانا نہیں ہے، اطمینان سے پوچھوں گی۔"

خالہ امی نے اُسے خاموش پا کر دوبارہ پوچھا۔

"کوئی بات نہیں خالہ امی! آپ سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے"

خالہ امی نے پیار سے کہا۔

"مجھے بھی اپنی بیٹی کی کمی بہت محسوس ہوتی۔"

مینا پھر سوچوں میں ڈوب گئی۔

" نجمہ اور تمہارے خالو بھی تمہیں بہت یاد کرتے تھے۔"

"جی! نجمہ آپا کا تو خط بھی ملا تھا مجھے"

مینا نے خالہ امّی اور نجمہ آپا کے لئے خریدا ہوا سوٹ کا کپڑا انہیں دیتے ہوئے کہا۔

" کھریم کلر کا سوٹ آپ کے لئے ہے خالہ امّی۔"

خالہ امّی نے کہا۔

" بیٹی! میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا، میرے لئے تم کوئی چیز نہ لایا کرو!"

" کیوں؟" مینا کا انداز روٹھا ہوا سا تھا۔

" تم بچّی ہو، تم سے کوئی چیز لیتی ہوئی میں اچھّی لگوں گی؟"

" چھوٹے بڑے سے کیا فرق پڑتا ہے خالہ امّی؟"

" کیوں نہیں پڑتا ہ پہلے بھی ایک دفعہ تم نے یہی احمقانہ حرکت کی تھی۔"

" آپ چاہے اسے احمقانہ حرکت سمجھیں لیکن میں اپنی اس حرکت سے باز نہیں آسکتی

" نہیں مینا! بڑے بچّوں کو دیتے ہیں نہ کہ بچّے بڑوں کو۔"

مینا ان کی بات ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں تھی۔ خالہ امّی نے اُسے سمجھانے کی بہت کی لیکن مینا کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ سوٹ کا کپڑا لینے سے جس قدر انکار کر رہی تھیں اصرار اتنا ہی شدید ہوتا جا رہا تھا۔

آخر تنگ آکر خالہ امّی نے کہا۔

" اچھا! تمہاری خوشی کی خاطر اس دفعہ میں رکھ لیتی ہوں لیکن آئندہ تم نے میرے لئے کو خریدی تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔"

مینا نے کہا۔

" چلئے! اسے تو آپ رکھ لیجئے، آئندہ کے بارے میں سوچوں گی۔"

خالہ امّی نے پیار بھرے غصّے سے اس کی طرف دیکھا۔ مینا کو ہنسی آگئی۔



پھر خالہ امّی اُس سے ایبٹ آباد کی تفریح کے متعلق پوچھنے لگیں۔

خالہ امّی نے ہمیشہ کی طرح اُس سے پوچھا۔

"کیوں بیٹی؟ دوپہر کو کیا کھاؤ گی؟"

" کیا پکانے کا ارادہ ہے؟"

" دوپیازہ گوشت پکانے کو سوچ رہی تھی۔"

" آپ کو تو پتہ ہی ہے، دوپیازہ گوشت مجھے پسند ہے۔"

" بس پھر ایک سالن تو یہ ہو گیا۔"

" کوئی دال پکالیں، چاول پکالیں!"

" دال چاول بھی پک جائیں گے، اور؟"

" اور؟ بس۔"

"میرا خیال ہے آلو، بینگن اور ٹماٹر کی ترکاری بھی پکالوں۔"

مینا نے مسکرا کر کہا۔

"میرے منہ میں تو ابھی سے پانی آگیا۔"

خالہ امّی نے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" ٹھیک ہے، میں کھانا پکاتی ہوں، تم رسالہ پڑھو یا آرام کرو۔"

"میں بھی آپ کا ہاتھ بٹاتی ہوں خالہ امّی۔"

" نہیں تم رہنے دو، اختری بوّا تو ہیں۔"

خالہ امّی باورچی خانے میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے چلی گئیں اور مینا نجمہ آپا کے ے میں لیٹ کر رسالہ پڑھنے لگی۔ رسالہ پڑھتے ہوئے ایک دم اُسے خیال آیا کہ جو بات خالہ امّی ے پوچھنی ہے وہ ابھی کیوں نہ پوچھ لوں۔ اُسے اختری بوّا کا خیال ہی نہیں رہا تھا جو خالہ امّی کے ھ باورچی خانے میں کام کروا رہی تھیں۔ وہ باورچی خانے میں گئی اور خالہ امّی سے اِدھر اُدھر کی

باتیں کرکے آ گئی۔ خالہ امی کو باورچی خانے کے کاموں سے فرصت ملی تو نجمہ آپا کی چچی اور اُ

پھوپھی آ گئیں۔

بینا اُلجھ کر رہ گئی۔

اس نے سوچا۔

معلوم نہیں یہ لوگ کب جائیں گی، اب بھلا خالہ امی سے بات کرنے کا موقع کہا

پھر اُس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لی کہ میں تو مغرب کے وقت گھر واپس

ممکن ہے یہ لوگ مجھ سے پہلے ہی واپس چلی جائیں۔

نجمہ آپا خلاف معمول یونیورسٹی سے جلد ہی گھر واپس آ گئیں۔ ورنہ بینا کے بور ہو جانے

کسر باقی نہیں رہی تھی۔

دوپہر ڈھل کر شام آئی۔ اور پھر شام کے سائے بھی گہرے ہونے لگے۔ اُس کے ساتھ ہی

دل کی اداسی بھی بڑھتی گئی۔ شام کو چھوٹے بھیا اُسے لینے آئے تو اس کے دل پر گزشتہ روز کے

میں کہیں زیادہ بوجھ تھا۔ وہ خالہ امی سے کچھ بھی تو نہیں پوچھ سکی تھی۔ گھر واپس جاتے ہو

گہری سوچوں میں ڈوبی رہی۔

دو تین روز تک اُس کی طبیعت بہت مضمحل رہی۔ نہ گھر کے کسی کام میں دل لگتا تھا نہ کو

پڑھنے کو دل چاہتا تھا اور نہ ہی کہیں جانے کو دل چاہتا تھا۔ آسیہ روز اُسے ٹیلیفون کر

اس کا اصرار تھا کہ ایک دن چل کے اپنی سہیلیوں سے مل آئیں اور اُن کے لئے جو چھوٹے مو

خریدے ہیں وہ انہیں دے آئیں، بینا روزانہ ٹال دیتی تھی۔ پھر ایک روز آسیہ بغیر اطلا

خود ہی آ پہنچی۔ بینا اپنے ابو اور بھائیوں کے جانے کے بعد مُنہ سر لپیٹے اپنے کمرے

اس کے کپڑے ملگجے تھے اور بال بکھرے ہوئے تو دادو، تین دفعہ آ کر اُسے دیکھ چکی تھیں ا

کپڑے بدلنے کو بھی کہہ چکی تھیں۔ بینا کا ہر دفعہ یہی جواب ہوتا تھا۔

" بدل لوں گی تو! ابھی دل نہیں چاہتا۔"



ا بے چاری کو یہ تشویش لاحق ہو گئی کہ کہیں بینا کی طبیعت تو خراب نہیں ہے۔ انہوں نے

ا پوچھتے ہوئے ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ دیا۔

ا نے کہا۔

کچھ نہیں ہوا دادو، ڈاکٹر کو دکھا کر کیا کروں گی؟"

با! مجھے تو تین، چار دن سے تمہارا جی ماندہ لگتا ہے۔"

ہم ہے آپ کا۔"

ا نے بات ٹال دی۔

یہ دبے پاؤں اندر داخل ہوئی اور بینا کو سر سے پاؤں تک چادر لپیٹے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ن نے بینا کے اوپر سے چادر کھینچتے ہوئے کہا۔

کون سا وقت ہے سونے کا؟"

نا نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

لب آئیں؟"

، ابھی ابھی آئی ہوں لیکن تم یہ بتاؤ کہ آخر تمہیں ہوا کیا ہے۔"

، مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

یں، تمہیں کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔"

ی؟"

ے اصل بات تو تمہیں ہی معلوم ہوگی لیکن ۔ ۔ ۔ ۔"

ن؟"

ن یہ کہ وقت بے وقت چادر تان کر پڑے رہنا، کپڑوں اور بالوں سے لاپرواہ رہنا اور

سے انکار کر دینا۔ یہ سب باتیں بے سبب تو نہیں ہو سکتیں۔"

نے کوئی جواب نہیں دیا، اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو پیچھے سمیٹتی ہوئی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس نے سوچا۔

"ہاں! تم سچ کہتی ہو آسیہ! یہ سب باتیں بے سبب نہیں ہیں لیکن سبب تمہیں بتا بھی کیا ہے؟ تم کچھ نہیں کرسکتیں میرے لئے، تم مجھے میری ماں کی ایک جھلک بھی نہ ملاقات کروانا بہت دور کی بات ہے۔"

آسیہ اُسے گہری سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر معنی خیز انداز سے مسکرائی۔

"مجھے تو کچھ دال میں کالا لگتا ہے بینا۔"

"کیوں؟"

"تم اپنا حلیہ دیکھو، اپنے انداز دیکھو۔"

"میرے انداز کو کیا ہوا؟"

"اس قدر کھوئی کھوئی سی اور گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی سی۔"

بینا کے ہونٹوں پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

آسیہ نے پوچھا۔

"کچھ تو بتاؤ، آخر چکر کیا ہے؟"

بینا کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

"تمہیں بتلانے سے کیا فائدہ؟"

آسیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ تمہیں کیسے معلوم کہ مجھے بتانا بیکار ثابت ہوگا۔"

بینا کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، بات بتلاتے ہوئے بولی۔

"یہ بات تو میں نے یونہی کہہ دی ورنہ....."

"دیکھو بینا! بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔"

"بے وقوف بنانے کی کیا بات ہے؟"



"سچ سچ بتاؤ، کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں۔"

"میں نہیں مان سکتی۔"

"کس طرح یقین آئے گا تمہیں؟"

"مجھے یقین دلانے کی کوشش بھی مت کرو، اصل بات بتادو مجھے۔"

بینا خاموش بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔

آسیہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"ویسے تم میری ایک بات کا یقین کرلو۔"

"کس بات کا؟"

"یہی کہ مجھے اپنے دل کی بات بتا کر تم سراسر فائدے میں رہوگی۔"

بینا اس کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

اُلجھ کر بولی۔

"معلوم نہیں، کیا مطلب ہے تمہاری بات کا۔"

آسیہ اپنی ہی ہانکے گئی۔

"تمہیں آج تک میری محبت کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔"

"تمہاری محبت کا کیا ذکر ہے؟"

"میں تو تمہاری خاطر جان بھی دے سکتی ہوں۔"

بینا اپنا موڈ خوشگوار بنلاتے ہوئے بولی۔

"لیکن میں تمہاری جان لے کر کیا کروں گی؟"

"تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے بینا!"

"کس بات کا اندازہ؟"

"میں بخوشی تم دونوں کی راہ سے ہٹ سکتی ہوں۔"

"کن دونوں کی راہ سے؟" بینا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہارا اور ظفر بھائی کا ذکر کر رہی ہوں۔"

آسیہ بے حد سنجیدہ تھی۔

بینا مارے حیرت کے پلکیں تک جھپکنا بھول گئی۔

آسیہ نے کہا۔

"مجھے تو خوشی ہے اس بات کی کہ ظفر بھائی تمہیں پسند کرتے ہیں"

"آسیہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"پھر تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک باتیں کر رہی ہوں۔"

"تم سے کس نے کہا کہ ظفر بھائی....؟"

"میرا اندازہ ہے۔"

"تمہارا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"نہیں! اس معاملے میں میرا اندازہ بالکل صحیح ہے۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو۔"

"پاگل تو تم ہو جو یا تو سچ مچ اُن کی نگاہیں نہیں پہچان سکیں یا پھر مجھ سے چھپا

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے آسیہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر تمہارے چپ چاپ رہنے کی وجہ کیا ہے؟"

"میں کب چپ چپ رہتی ہوں۔"

"تم مانو یا نہ مانو لیکن کچھ دنوں سے میں تمہیں بہت اُلجھا اُلجھا سا اور بدلا ہوا



"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

آسیہ کچھ کہنے ہی والی تھی جبھی بوا نے اندر آکر ان کی سہیلیوں طلعت اور فرخندہ کے آنے

ع دی۔

نے اپنے ملگجے کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بوا! آپ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایئے میں ابھی آتی ہوں"

"بٹھا دیا ہے بیٹیا!"

پھر بینا نے آسیہ سے کہا۔

آسیہ پلیز! تم ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھو، میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔"

"اچھا ذرا جلدی آنا"

"ہاں، ہاں! جلدی ہی آؤں گی۔"

بینا جب اپنا حلیہ درست کر کے ڈرائنگ روم میں پہنچی تو اُن تینوں نے مل کر افشاں اور
کے گھر جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ بینا نے ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ تینوں اسی وقت
کے لئے بضد تھیں۔ مجبوراً اُسے ابّو کو ٹیلیفون کر کے اجازت لینی پڑی۔

---

افشاں اور شہوار سے ملنے کے بعد مینا نے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ شام ہو چلی تھی
زبردستی اپنے ساتھ لے گئی۔ آسیہ کے گھر پہنچے اُسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس
وہیں پہنچ گئے۔ چچی جان رات کے کھانے تک ٹھہرنے کے لئے اصرار کر رہی تھیں لیکن
مانی۔ وہ ابّو کے ساتھ گھر واپس آگئی۔

رات کو وہ دیر تک ٹی۔ وی دیکھتی رہی۔ کوئی اردو فلم آرہی تھی۔ اس کا موڈ
نہیں تھا لیکن اُسے معلوم تھا کہ ابّو اور بڑے بھیّا محض اسی کی وجہ سے ٹی وی
بیٹھے ہوئے تھے۔ ورنہ ان لوگوں کو گھسی پٹی فلموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ فلم اتنی
بھی نہیں تھی لیکن مینا کا ذہن اپنی ہی الجھنوں کے بوجھ تلے دبے ہوا تھا۔ اُسے کوئی
نہیں لگ رہی تھی۔

خدا خدا کر کے فلم ختم ہوئی تو سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے
اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اپنے بستر پر لیٹی وہ دیر تک سونے کی کوشش کرتی رہی
دو نک پتہ نہیں تھا۔ اپنی امی کے بارے میں اُس نے جو چند جملے سُنے تھے وہی
ایک کوہِ گراں بن کر آگرے تھے۔ اس پر سے آسیہ دوپہر کو ایک اور شگوفہ چھوڑ گئی
وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہنستی بولتی رہی تھی لیکن اس کا ذہن بار بار بھٹک جاتا
اور اب جو تنہائی دبے پاؤں اس کے قریب آئی تو سوچوں کے در
بعد ایک کھلتے چلے گئے۔



ہر دریچے سے ظفر بھائی کی شبیہہ جھانک رہی تھی۔
اس کا دل اس بات کو ماننے کے لئے بالکل آمادہ نہیں تھا کہ ظفر بھائی کے دل کی دھڑکنوں
ں کا نام ایک صدا بن کر گونجنے لگا تھا اور پھر خود اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تو ظفر بھائی
بے ترتیب نہیں ہوتی تھیں۔

س نے سوچا۔
آسیہ کتنی عجیب عجیب باتیں کر رہی تھی۔
پاگل راستے سے ہٹ جانے کی باتیں کر رہی تھی۔
وہ ظفر بھائی کو چاہتی ہے۔
ور اُس نے کبھی اشارۃً بھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔
اور ظفر بھائی۔
اگر کہیں آسیہ کا خیال درست ہوا تو ——؟
نہیں، ظفر بھائی کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔
سیہ کے دل میں یقیناً بچپن سے ہی اُن کا خیال ہوگا۔
س بے چاری کے دل پر کیسی گہری چوٹ پڑی ہوگی جب اس نے محسوس کیا ہوگا۔ کہ
ئ مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔
ینا کو افسوس ہونے لگا۔
اس نے سوچا۔
اش! میں آسیہ کے ساتھ ایبٹ آباد نہ گئی ہوتی۔
و یہ سب کچھ نہ ہوتا۔
بلتے وقت میرا سفر کس قدر خوشگوار تھا۔
لتنا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی میں اپنے آپ کو۔

اور وہاں سے واپس آتے ہوئے کتنے دُکھ اور کتنی پریشانیاں اپنے دل میں ی‍ر

اپنے دماغ پر کتنا بوجھ لے کر آئی ہوں میں۔

اور تو جو کچھ ہے سو ہے لیکن آسیہ کو میری ذات سے کوئی تکلیف، کوئی ر

چاہیئے۔

میں اگر کسی کو کوئی خوشی نہیں دے سکتی تو مجھے کسی کو کوئی دکھ دینے کا حق بھی

اگر آسیہ کا اندازہ صحیح ہے تو بھی میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔

اس کے راستے سے ہٹ جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

راستے سے تو مجھے ہٹنا چاہیئے۔

ان دونوں کی راہ کا پتھر تو میں بن گئی ہوں۔

چاہے انجانے میں ہی سہی۔

آسیہ!

ظفر بھائی تمہارے ہیں۔

اور تمہارے ہی رہیں گے۔

میں انہیں تم سے چھیننے کی کوشش کبھی نہیں کروں گی۔

جو کچھ میرے بس میں ہے۔

جو کچھ میرے اختیار میں ہے۔

میں کر گزروں گی۔

مینا نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا۔

ظفر بھائی اور آسیہ کے بارے میں ایک قطعی اور آخری فیصلہ کر کے

پُرسکون ہوگئی۔

آنے والے زمانے کے نشیب و فراز سے بے خبر۔



گردشِ شام و سحر سے بے پرواہ ہو کر وہ یہ سمجھ بیٹھی کہ اس نے جو کچھ سوچا ہے۔

اُس نے جو ارادہ کیا ہے۔

وہ اس پر عمل بھی کر لے گی۔

اُس کا اور آسیہ کا رزلٹ آچکا تھا۔ تھرڈ ایئر کے سارے پرچوں میں دونوں کامیاب ہو گئی

ہیں۔ بس یہ فکر تھی کہ معلوم نہیں نمبر کیسے آئے ہوں گے۔ فورتھ ایئر کی کلاسز ابھی باقاعدگی سے

رع نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن وہ دونوں اور اُن کے گروپ کی باقی لڑکیاں طلعت، فرخندہ، افشاں

ہوار بلاناغہ کالج جاتی تھیں۔ گھر میں رہ کر سوائے بوریت کے اور کیا حاصل ہوتا۔ خصوصاً مینا

لئے گھر میں بیٹھنا بہت دشوار ہوگیا تھا۔ گھر میں کوئی ایسا کام کاج بھی نہیں ہوتا تھا جو اسی

صروف رہ کر وقت گزرتا۔ تنہائی میں رہ کر اس کا ذہن خواہ مخواہ منتشر ہوتا تھا۔ اپنی پریشان

ہوں سے نجات حاصل کرنے کا یہی ذریعہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھے۔

ین سہیلیوں کے ساتھ اس کا اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ بیکار کی سوچیں بھی اس کے ذہن کو

ندہ نہیں کرتی تھیں۔ وہ اپنے دل کو ہر ممکن طریقے سے سمجھا کر خوش رہنے کی کوشش

تی تھی۔

لیکن انہی دنوں اُس نے آسیہ میں ایک تبدیلی محسوس کی تھی۔ وہ اکثر کھوئی کھوئی سی رہتی

۔ باتیں کرتے کرتے وہ ایک دم چُپ سی ہو کر رہ جاتی۔ نگاہیں خلاؤں میں بھٹکنے لگتیں۔

یلیوں میں بیٹھی ہنس بول رہی تھی۔ اچانک اس کی ہنسی کو بریک لگ جاتا۔ پھر ـــــ شاید

ہی اُسے اپنی اس حرکت کا احساس ہو جاتا اور وہ سنبھل جاتی۔

مینا اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اس کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے۔ اس نے کئی دفعہ آسیہ سے

موضوع پر بات کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن آسیہ ایسے موقع پر ہمیشہ ہنسی

بات اُڑا دیتی۔ ایک دن آسیہ سے بحث کرتے ہوئے مینا بڑی سنجیدگی سے اُس سے

ن ہوگئی۔

"میری سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آئی۔" مینا نے کہا۔

"کیا؟" آسیہ نے پوچھا۔

"یہی کہ تم مجھے اس قدر بے وقوف کیوں سمجھتی ہو؟"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں تمہیں بے وقوف سمجھتی ہوں؟"

"تو پھر یہ بات مان کیوں نہیں لیتیں کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ سچ ہے۔"

آسیہ محض اپنی جان چھڑانے کی خاطر کچھ بیزار ہو کر بولی۔

"تم ناحق جھوٹ اور سچ کے چکرّ میں پڑی ہو۔"

"یہ چکرّ بھی سارا تمہارا ہی چلایا ہوا ہے۔"

"میرا؟ لو بھلا میرا کیا قصور ہے اس میں؟"

"پھر کس کا قصور ہے؟"

قصور اصل میں کسی کا بھی نہیں ہے، یہ تو دلوں کے معاملے ہیں۔"

مینا نے خشمگیں نگاہوں سے آسیہ کی طرف دیکھا۔

آسیہ مسکرا کر بولی۔

"دیکھو نا بھئی! اب اگر ظفر بھائی کے دل نے تمہیں پسند کیا تو اس میں نہ ان کا قصور ہے نہ تمہارا۔"

"پھر وہی بیکار بات۔"

"یہ بیکار بات نہیں ہے حقیقت بیان کر رہی ہوں۔"

"میں تمہارے اس حماقت آمیز خیال سے قطعی متفق نہیں ہوں۔"

"یہ حماقت آمیز خیال نہیں ہے مینا۔"

"اچھا! تم میری ایک بات کا جواب دو۔"

"پوچھو۔"



"ظفر بھائی نے تم سے یہ بات کہی کہ خدا نخواستہ وہ مجھے پسند کر بیٹھے ہیں؟"

"نہیں، لیکن زبان سے ہی تو....."

"پہلے میری بات سن لو۔"

"[illegible]

"ظفر بھائی کے علاوہ کسی اور کی زبان سے تم نے یہ بات سنی؟"

"نہیں۔"

"پھر تم نے یہ خیال کیسے قائم کر لیا؟"

"آخر اندازہ بھی تو کوئی چیز ہے؟"

"تمہارا اندازہ سراسر غلط ہے۔"

"نہیں مینا بیگم! میں نے بہت اچھی طرح یہ بات محسوس کی ہے۔"

"بھئی! اپنی عقل میں یہ بات نہیں آتی۔"

"عقل میں نہ آنے والی کون سی بات ہے؟"

"مجھے آخر ظفر بھائی کے جذبات کا احساس کیوں نہ ہو سکا؟"

"اب تم اگر اپنے دل و نگاہ کے دروازے بند کئے رہو تو اس میں کسی کا کیا قصور؟"

مینا چند لمحوں کے لئے گہری سوچوں میں ڈوب گئی پھر آسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا چلو! میں تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لیتی ہوں کہ تمہارا خیال صحیح ہے۔"

آسیہ مسکرا کر بولی۔

"بڑی مہربانی۔"

"لیکن تم یہ کیوں سمجھ بیٹھی ہو کہ میں سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے ظفر بھائی کی حوصلہ افزائی ں گی؟"

آسیہ شوخی سے بولی۔

"وہ تمہیں کرنی پڑے گی۔"

"قطعی ناممکن۔"

"کیوں؟"

"مجھے اندازہ ہے کہ تم انہیں کتنا چاہتی ہو اور کب سے چاہتی ہو؟"

"پھر؟ مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"اس کے باوجود تم اگر یہ سمجھو کہ میں تمہارے حق پہ ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کر
یہ تمہاری زیادتی ہے اور میرے لئے سر پیٹ لینے کا مقام ہے۔"

آسیہ ایک دم ہنس پڑی۔

"یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے"

"پھر کیا رونے کی بات ہے؟"

"میں بے حد سیریس ہوں۔"

"وہ تو تم ہمیشہ ہی رہتی ہو۔"

بینا آسیہ کا مذاق اڑانے کے سے انداز میں بولی۔

"بڑی آئیں بے چاری۔"

آسیہ کچھ چونک کر بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ قربانی دینے چلی ہیں، میرے لئے ایثار کرنے چلی ہیں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں مذاق کر رہی تھی؟"

بینا اُسے اور چڑانے کے لئے بولی۔

"اور عالم یہ ہے ایثار کرنے والی بیگم کا کہ بیٹھے بیٹھے کھو جاتی ہیں۔"

آسیہ نے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی۔



بینا نے اُسے چُپ کراتے ہوئے کہا۔

"بس! بس! رہنے دو۔"

"کیا رہنے دو؟ بات تو سنو میری۔"

"جیسے بیگم صاحبہ نے ایثار کا فیصلہ کیا ہے، ہنسی ہے وہ پھیکی، قہقہے ہیں وہ کھوکھلے
اور مسکراہٹیں ہیں وہ بے جان۔"

آسیہ کچھ شرمندہ ہو کر بولی۔

"زیادہ شاعری نہ کرو۔"

"شاعری کے ساتھ ساتھ میں تم دونوں کا مزاج بھی درست کر کے رکھوں گی۔"

"کن دونوں کا؟"

"تمہارا اور ظفر بھائی کا۔"

"ان کا مزاج درست ہونا اب مشکل ہے۔"

"بس! ایک دفعہ ان کا سامنا ہونے دو۔"

آسیہ فکر مند ہو کر بولی۔

"کیا کرو گی؟"

"دیکھنا تو سہی کیسی خبر لوں گی؟"

"نہیں بینا!"

"تم چُپ رہو، حمایت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

آسیہ نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"تمہاری خیر بھی اسی میں ہے کہ ہنستی کھیلتی نظر آؤ۔"، بینا کے رُعب جمانے پر آسیہ
کو ہنسی آگئی۔

"خبردار جو اب میں نے تمہیں وقت بے وقت خلاؤں میں تکتے دیکھا۔"

"تم اپنی بھی تو کہو۔"

"کیوں؟ اپنی کیا کہوں؟"

"تم کیوں ہر وقت صورت پہ بارہ بجائے رکھتی ہو؟"

مینا کچھ سنجیدہ اور کچھ اداس ہو کر بولی۔

"میری صورت پہ بارہ بجنے کی وجہ کچھ اور ہے۔"

"وہ وجہ مجھے بھی تو معلوم ہو۔"

مینا سوچوں میں ڈوبتے ہوئے بولی۔

"تمہیں معلوم ہے نا آسیہ! بڑے بھیا کے رشتے کی بات چیت چل رہی ہے"

"ہاں! امی کہہ تو رہی تھیں کہ ہم لوگ لڑکی دیکھنے چلیں گے۔"

"ایسے موقع پہ مجھے اپنی ماں کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔"

آسیہ نے کہا۔

"ہاں مینا! یہ سچ ہے، ماں کی کمی کو کوئی پورا نہیں کر سکتا۔"

مینا نے گھٹنوں پہ سر رکھتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں جانتی ہوں کہ چچی جان، پھوپھی جان اور خالہ جان سب مجھ سے بہت پ
کرتی ہیں، ہر ایک کو یہ خیال رہتا ہے کہ میرے دل کو کسی بات سے ٹھیس نہ پہنچے لیکن ...."

مینا نے ایک لمحے کے لئے رک کر اپنی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"لیکن اس خلا کو کوئی بھی پُر نہیں کر سکتا آسیہ! کوئی بھی نہیں۔"

مینا کو اداس دیکھ کر آسیہ بھی افسردہ ہو گئی۔

چند منٹ تک دونوں اپنے اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی بیٹھی رہیں۔

لمحے اپنا درد چھپاتے آہستگی سے گزرتے رہے۔

پھر مینا نے سوچا۔



"یہ تو زندگی بھر کا روگ ہے۔

معلوم نہیں کونسی ظالم گھڑیوں نے درد سے میرا ناتا ہمیشہ کے لئے جوڑ دیا۔

غم۔

یہ غم میرا ہے

یہ دکھ درد کی سوغات میرے لئے ہے۔

پھر یہ سوغات مجھ سے سمیٹی کیوں نہیں جاتی؟

میں یہ کیوں بھول جاتی ہوں کہ

دوسروں کے سامنے اپنی محرومی کا رونا رو کر مجھے حاصل تو کچھ بھی نہیں ہو گا؟

اپنے جذبات اور اپنے احساسات کو الفاظ کا سہارا دے کر دوسروں کو بھی ناحق افسردہ
دیتی ہیں۔

اس نے ایک نظر آسیہ کی طرف دیکھا اور اس کے موڈ کو خوشگوار بنانے کی خاطر
ع کو بدل دیا۔

بڑے بھیا کو اپنے دوست کی بہن پسند آ گئی تھیں۔ نعمان احمد سے بڑے بھیا کی بہت
ی دوستی تھی۔ دونوں نے برسوں ساتھ پڑھا تھا۔ تعلیم ختم ہونے کے بعد دونوں کو اگرچہ ملازمت
ب جگہ نہیں ملی تھی۔ لیکن اس سے برسوں کی رفاقت پہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا اور نہ ہی ان دوستانہ
ات میں کوئی کمی آئی تھی جن کی جڑیں لڑکپن سے لے کر اب تک بہت مضبوط اور گہری ہو چکی
ں۔ دونوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا۔ نعمان احمد کی بہنیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔
ے بھیا کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں گپیں لڑانے والی بات تو خیر نہیں تھی لیکن بہرحال آمنا سامنا
تا ہی تھا، معاملہ علیک سلیک سے بڑھ کر چند رسمی سی باتیں کرنے تک محدود ہو گیا تھا۔
بھی آمنا سامنا اپنا کام کر گیا تھا۔ نعمان احمد کی بہن شائستہ چپکے چپکے بڑے بھیا کے دل
گھر کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح ان کے ہوش و حواس پہ چھا گئیں اور بڑے بھیا

یہ فیصلہ سئے بغیر نہ رہ سکے کہ آئندہ زندگی کی راہوں پہ چلنے کے لئے شائستہ بہت مناسب ثابت ہوگی۔

ابّو کی مرضی اگرچہ یہ تھی کہ بڑے بھیّا کی شادی بڑی پھوپھی کی لڑکیوں میں سے کسی ساتھ ہوجاتی۔ دو، چار دفعہ انہوں نے دبی زبان سے بڑے بھیّا کے سامنے [illegible] کا اظہار بھی کیا۔ چچا میاں کے ذریعہ بھی اپنے دل کی بات بڑے بھیّا تک پہنچائی۔ لیکن [illegible] بھیّا شائستہ احمد کے تصوّرات کو اپنے دماغ میں بسائے ہوئے بہت آگے تک جاچکے اتنے آگے کہ ـــ اب وہاں سے واپس پلٹنا شاید ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔

بینا یہ اندازہ تو بالکل نہ کرسکی کہ بڑے بھیّا نے شائستہ احمد کے خیالوں سے آزاد کی کوشش کی بھی تھی یا نہیں؟ بہرحال! پھوپھی امّاں کی بیٹیوں کے لئے انہوں نے [illegible] دیا تھا۔

بینا نے محسوس کیا۔

ابّو کو بڑے بھیّا کے فیصلے سے خاصا دکھ پہنچا تھا۔

وہ افسردہ سے ہوگئے تھے۔

کئی روز تک ان کا چہرہ بجھا بجھا سا رہا۔

لیکن پھر وہ نارمل ہوگئے۔

شاید اس معاملے میں زبردستی کرنا یا اپنی مرضی مسلّط کرنا ابّو کو پسند نہیں تھا۔

انہوں نے بڑے بھیّا کی خوشی اور مرضی کے سامنے سر جھکا دیا۔

ایک روز انہوں نے بینا سے کہا۔

"بینا بیٹے! اب تو تم اس گھر میں اپنی بھابی لانے کا انتظام کرو۔"

بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی ابّو!"



"ابّو نے کچھ حیران ہوکر کہا"

"ارے! کیا واقعی!!"

"اور کیا! ابّو! دیکھئے نا! ایک ہی انداز سے زندگی گزری چلی جارہی ہے۔"

[illegible] ابّو کی آنکھیں [illegible] سوچوں میں ڈوب گئیں۔

"سچ! میرا بڑا دل چاہتا ہے، گھر میں کچھ ہنگامہ ہو، رونق ہو۔"

ابّو نے بڑی شفقت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بس! تو پھر اب جی بھر کے گھر میں ہنگامہ کرنا۔"

"مگر ابّو! ایسے موقعوں پر تو گھر میں بہت کام ہوتا ہے۔"

"ہاں! ہوتا تو ہے۔"

"میں اتنے بہت سارے کام کیسے سنبھالوں گی؟"

"تمہاری پھوپھی ہیں، چچی ہیں، وہ آکر رہیں گی۔"

"اور خالہ امّی؟"

"ہاں! ہاں! کیوں نہیں؟ انہیں بھی بلانا۔"

بینا کو پتہ تھا، ابّو خالہ امّی کے ذکر سے گریز ہی کیا کرتے تھے۔ اُس نے کنکھیوں سے اُن کے [illegible]رے کی طرف دیکھا۔ اس کے سینے سے اُٹھنے والی آہ اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی۔ دل میں [illegible] کی ایک لہر سی اُٹھی، چہرے پر تاریک بدلیاں سی چھاگئیں، لیکن یہ سب کچھ محض چند لمحوں کے [illegible] ہوا۔ اُس نے اپنے آپ کو بڑی جلدی سنبھال لیا۔

ابّو نے پوچھا۔

"تم شائستہ سے مل چکی ہو؟"

"جی! دو، تین دفعہ ملی ہوں۔"

"تمہاری چچی اور پھوپھی نے تو نہیں دیکھا ہے۔"

"جی۔"

"بس پھر ایسا کرو، کسی دن تم اور آسیہ اُن دونوں کو ساتھ لے کر شائستہ کو دیکھ

"اچھا۔"

ابّو نے دور خلاؤں میں تکتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھنا دکھانا تو محض رسمی سی بات ہو گی۔ اصل پسند تو تمہارے بڑے

ی ہے۔"

مینا نے پوچھا۔

"آپ خوش نہیں ہیں ابّو؟"

ابّو چونک کر بولے۔

"کون؟ میں؟"

"جی۔"

"نہیں! میں بہت خوش ہوں، بس مجھے یہ خیال آتا ہے کہ پہلے خاندان کی لڑ

حق بنتا ہے۔"

"یہ تو آپ بالکل صحیح کہتے ہیں۔"

"مگر بہرحال! زندگی تمہارے بڑے بھیّا کو گزارنی ہے، اس لئے زبردستی کرنا

نہیں ہے۔"

مینا نے محض اپنے ابّو کی تسلی کے لئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ابّو! ابھی تو ماشاءاللہ میرے تین بھائی اور ہیں، بڑے بھیّا کی

چھوٹے بھیّا کی شادی پھوپھی امّاں کی بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ ہو جائے گی۔"

ابّو نے سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"ہاں! لیکن اگر تمہارے چھوٹے بھیّا نے بھی انکار کر دیا تو ہم کیا کر لیں گے؟"



مینا نے محسوس کیا۔

ابّو کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

اور چہرے پر نا اُمیدی کی سی کیفیت تھی۔

"کیا بات ہے ابّو! آج آپ بڑی مایوسی کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"وہ ہوں"، کہہ کر چُپ ہو گئے۔

"آپ تو ہمیشہ مجھے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ زندگی کا روشن اور تابناک پہلو دیکھنے کی کوشش

چاہیئے۔"

"ہاں! کوئی غلط نصیحت تو نہیں کرتا۔"

"تو پھر آپ خود کیوں......؟"

"ارے نہیں! میں تو بس یونہی...."

ابّو نے ایک طویل اور بلند قہقہہ لگا کر باقی بات قہقہے میں اڑا دی۔

مینا اُن کے چہرے پہ نگاہیں جمائے مسکراتی رہی۔

ابّو کے قہقہے میں جب بریک لگا تو وہ بولے۔

"اچھا! تو پھر تم کب جا رہی ہو اپنی بھابی دیکھنے؟"

"جس دن بھی چچی جان اور پھوپھی جان کہیں۔"

"ٹھیک ہے، کل میں ان سے پھر کہہ دوں گا کسی دن ہو آئیں لیکن اب دیر بالکل نہ لگائیں۔"

"جی ابّو! بس اب اس گھر کا سونا پن دور ہونا چاہیئے۔"

"ہاں! میں اُن سے یہی کہوں گا کہ میری بیٹی اب اپنے گھر میں ہنگامہ بپا کرنے کے موڈ

..."

مینا نے ہنستے ہوئے سر ہلا دیا۔

ابّو اُٹھ کہ مغرب کی نماز پڑھنے چلے گئے۔

پھر ـــــ تقریباً ایک ہی ہفتے بعد بینا، آسیہ، چچی جان اور پھوپھی امّاں کے ساتھ
کے دوست کے گھر جا پہنچیں۔ بینا کو تو خیر کیا دیکھنا تھا۔ اصل میں چچی جان اور پھو
دیکھنا تھا۔

بینا کو اس بات کا احساس تھا کہ پھوپھی امّاں محض اپنے بھائی کا دل رکھنے کی خا
ورنہ انہیں شائستہ کو دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُن کے سوچنے کا انداز غیر فطری بھی نہ
وہ بھی بیٹیوں کی ماں تھیں۔ اُن کی بھی خواہش تھی کہ بھائی کے بیٹوں میں سے کسی ایک
کوئی ایک بیٹی تو بیاہی جاتی۔ وہ بے چاری جانے کب سے آس لگائے بیٹھی تھیں۔ انھ
کب سے اُمید باندھ رکھی تھی۔

لیکن بڑے بھیّا۔

وہ بے چارے بھی کیا کرتے؟

وہ بھی مجبور تھے۔

دوسروں کی خواہشوں پر اپنی چاہت کو کیسے قربان کر دیتے؟

انہوں نے اپنی زندگی کے متعلق جو فیصلہ مناسب سمجھا، کیا۔

اُس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ ـــــ

ان کا یہ فیصلہ کس بیدردی سے دوسرے کی خواہش کا گلا گھونٹ دے گا۔

بینا کو پھوپھی امّاں کے اوپر بڑا ترس آیا۔

بے چاری پھوپھی امّاں۔

کتنا دکھ ہوا ہوگا انہیں اپنی آس کے ٹوٹ جانے پر؟

کتنا رنج پہنچا ہوگا انہیں اُمید کا دامن چھوٹ جانے پر؟

بینا کا دل چاہا۔



وہ ان سے کہے۔

پھوپھی امّاں!

آپ ذرا بھی فکر نہ کیجیے۔

آپ بالکل غم نہ کیجیے

ابھی چھوٹے بھیّا ہیں۔

لیکن پھر اُسے ابّو کے الفاظ کی بازگشت سُنائی دینے لگی۔

" لیکن اگر تمہارے چھوٹے بھیّا نے بھی انکار کر دیا تو، ہم کیا کر لیں گے؟ "

بینا نے سوچا۔

ابّو نے کوئی غلط بات نہیں کہی تھی۔

کیا خبر؟ بڑے بھیّا کی طرح چھوٹے بھیّا بھی کسی کو پسند کر بیٹھیں تو میں اور ابّو بھلا
لیں گے؟

آنے والے لمحوں کی خبر کسی کو نہیں ہوتی۔

معلوم نہیں کل کیا ہو جائے؟

ضروری تو نہیں . . . جو کچھ ہم چاہیں وہ پورا ہو جائے۔

آج میں جذبات کی رو میں بہہ کر پھوپھی امّاں کے سامنے اتنی بڑی بات کہہ دوں۔

ان بے چاری کی آس بندھا دوں۔

انہیں اُمید دلا دوں۔

اور آنے والا وقت مجھے اس قابل ہی نہ چھوڑے کہ میں اُن سے نگاہیں ملا کر بات
ے۔

پھوپھی امّاں کی آس ایک بار پھر ٹوٹ جائے۔

انہیں ایک بار پھر اُمید کا دامن چھوڑنا پڑے۔

اس سے بہتر ہے کہ میں خاموش ہی رہوں۔

آنے والے وقت کی منتظر رہوں۔

ممکن ہے چھوٹے بھیّا پھوپھی اماں کی بیٹیوں میں سے ہی کسی کو پسند کرتے ہوں۔

ینا پھوپھی اماں کا بجھا بجھا سا چہرہ دیکھ کر کڑھنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی۔

شائستہ احمد کو ناپسند کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اوّل تو وہ شکل کی تھیں بھی اچھی، دوسرے یہ کہ وہ بڑے بھیّا کو پسند آ چکی تھیں۔ اب کسی دوسرے شہر میں چاہے جتنے بھی کیڑے نظر آتے اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ بینا دیکھ رہی تھی کہ چچی جان، پھوپھی جان خاصی تنقیدی نگاہوں سے شائستہ احمد کو دیکھ رہی تھیں۔ پھوپھی اماں تو دوسرے تھے اور چچی جان عورتوں والی خصلت سے مجبور تھیں کہ اپنی لڑکی چاہے جیسی ہو لیکن دوسرے کی لڑکی کا جائزہ بالکل اسی انداز سے لیں گی جیسے قصائی بکرے کا جائزہ لیتا ہے۔

شائستہ احمد کے گھر والوں کو پہلے سے علم تھا کہ نعمان کے دوست رہرٹ کے گھر سے عورتیں ہماری لڑکی کو دیکھنے کے لئے آ رہی ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے کسی نمود و نمائش کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ خود شائستہ احمد کا بھی یہی حال تھا کہ انھوں نے سولہ سنگھار کر کے سامنے آنے کی ضرورت قطعی نہیں محسوس کی تھی۔ گلابی رنگ کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس آ گئی تھیں۔ اُن کا چہرہ میک اَپ سے بے نیاز تھا اور خوبصورت بھورے بالوں کی سی چوٹی پُشت پر لہرا رہی تھی۔ وہ سادگی، متانت اور وقار کا ایسا مرقع تھیں کہ نگاہیں بار بار اُن کی طرف اُٹھتی تھیں۔ جب بات کرنے پر آئیں تو ان کی آواز کی نرمی اور خوبصورتی نے بھی دلوں کو موہ لیا۔ بینا کے لئے تو یہ سب کچھ نیا نہیں تھا۔ وہ اُنہیں پہلے دیکھ چکی تھی، ان سے باتیں بھی کر چکی تھی۔ البتّہ آسیہ پہلو پہ پہلو بدل رہی تھی۔ یہ صاف ظاہر تھا۔ اس کی زبان میں کھجلی ہو رہی ہو گی۔ وہ شائستہ احمد کے اوپر تبصرہ کرنے کے لئے



بس، موقع کی منتظر تھی۔

اور جب اُسے موقع ملا تو وہ سرگوشی کرنے سے باز نہ رہ سکی۔

اُس نے مکھی کی طرح بھُن سے بینا کے کان میں کہا۔

"بڑے بھیّا کی پسند واقعی لاجواب ہے۔"

بینا جواب میں صرف مسکرا دی۔

گھر واپس آتے ہوئے راستے میں بھی آسیہ نے یہی بات کہی، چچی جان نے ہاں میں ہاں ملائی۔

صورت شکل کی تعریف تو پھوپھی اماں نے بھی کی، ساتھ ہی یہ ٹکڑا بھی لگایا۔

"اصل چیز تو عادت ہوتی ہے، عادت اچھی ہو تو کیا کہنے۔"

آسیہ نے کہا۔

"عادت بھی اچھی ہی معلوم ہوتی ہے۔"

پھوپھی اماں بولیں۔

"ذرا سی دیر میں عادت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟"

چچی جان نے بھی اُن کی تائید کی۔

"ہاں! اور کیا، عادتوں کا اندازہ تو ساتھ رہ کر ہی ہوتا ہے۔"

آسیہ نے بچکانہ انداز سے کہا۔

"میرا دل کہتا ہے ان کی عادت بھی اچھی ہو گی۔"

اپنی بات کی تائید کے لئے اس نے بینا سے پوچھا۔

"کیوں بینا؟"

"بینا نے کہا۔"

"ہاں! بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، آگے کا حال خدا بہتر جانے!"

چچی جان نے کہا۔

"چلو، اللہ مالک ہے اب اچھی ہو یا بری گزارا تو بہر حال کرنا ہی پڑے گا۔"

آسیہ شاید مذاق کے موڈ میں تھی، ہنس کر بولی۔

"اگر لڑاکا بھی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟ لڑتے جھگڑتے ہی گزار دینا۔"

چچی جان بولیں۔

"اے ہے! خدا نہ کرے۔ جو مُنہ میں آتا ہے بک دیتی ہو۔"

"کوئی غلط تھوڑی کہہ رہی ہوں امی! نند بھاوج کا تو رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے
ہی گزرتی ہے دونوں کی۔"

پھوپھی اماں کو یہ بات کچھ پسند نہیں آئی۔

آسیہ کی خبر لیتے ہوئے بولیں۔

"کیوں ری لڑکی! تو نے اپنی ماں کو اور مجھے کب لڑتے جھگڑتے دیکھا؟"

آسیہ شوخ ہو کر بولی۔

"اب مجھے کیا معلوم؟ ممکن ہے میری پیدائش سے پہلے لڑتی جھگڑتی ہوں یا پھر
میں آپ دونوں میں لڑائی ہوتی ہو، میرے بڑے ہونے پر آپ لوگوں نے یہ سلسلہ
دیا ہو گا۔"

چچی جان ہنس کر بولیں۔

"ہاں! تمہارے ڈر کے مارے ہم دونوں نے لڑنا جھگڑنا بند کر دیا۔"

"ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے۔" آسیہ مینا کی طرف دیکھ کر شوخ انداز سے مسکرا

پھوپھی اماں کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

بڑے بھیا کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تو مارا ماری تیاریاں شروع ہو گئیں
کے چکر لگنے لگے۔ ایک چھلا بھی تو پہلے سے تیار نہیں تھا۔ نہ ہی کوئی کپڑا الگ تھا۔
بنانی تھیں۔ گھر میں پہلی شادی تھی جتنے بھی ارمان نکالے جاتے کم تھے۔ جتنا بھی د



تھوڑا تھا۔ بڑے بھیا کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ اُن کی من چاہی مراد پوری ہو رہی تھی۔
نے تصور ہی تصور میں جس ہستی کو اپنے گھر کے آنگن میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ
لیے ان کی ہونے والی تھی۔

سے بڑے بھیا کی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ جس روز
بھیا کی نسبت طے ہوئی تھی اس روز مینا چچی جان اور پھوپھی اماں کے ساتھ خالہ امی کو بھی
ی تھی۔ اس خوشی کے موقع پر خالہ امی کا ساتھ بہت اچھا تھا۔ لیکن وہ خود ہی بے چاری
مارسی تھیں۔

نسبت طے ہونے کے چند روز بعد مینا خالہ امی کے گھر گئی۔ خالہ امی اس سے شادی کی
ی کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ مینا انہیں اس وقت تک خریداری کی تفصیل بتا کر بولی۔

"ابھی تو بہت کام ہیں خالہ امی۔"

"تم فکر نہ کرو، سب ہو جائے گا۔"

"ہاں! ابو بھی یہی کہتے ہیں مگر میرے اوپر جانے کیوں ہر وقت وحشت سوار رہتی ہے۔"

خالہ امی اُس کی پریشان صورت دیکھ کر ہنس پڑیں۔

مینا کچھ جھینپ کر بولی۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے ساری ذمے داری میرے ہی سر پر ہو۔ حالانکہ مجھے کوئی ایسا
کام نہیں کرنا پڑ رہا ہے۔"

خالہ امی نے پھر اُسے تسلی دی۔

مینا نے کہا۔

"تو ابے چاری بھی یہی کہتی ہیں کہ تم پریشان مت ہو، سارا کام نمٹ جائے گا۔"

"ٹھیک ہی تو کہتی ہیں، تم ناحق گھبرائے جا رہی ہو۔"

مینا سوچوں میں ڈوب گئی۔

خالہ امّی نے کہا۔

"تمہاری پھوپھی امّاں اور چچی جان ہیں ہاتھ بٹانے کے لئے، تمہاری بہنیں آ رہی ہیں اور تم جتنا کام چاہو میرے سپرد کر دو۔"

رینا پھر بھی چپ بیٹھی رہی۔ اس کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اُٹھ سکا۔

خالہ امّی نے پیار سے پوچھا۔

"آخر تم کس سوچ میں بیٹھی ہوئی ہو بیٹی؟"

"کچھ نہیں خالہ امّی!"

رینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی اور پلکیں جھپکا کر اپنی آنکھوں میں چمکتے ہوئے پی جانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں ذرا بھی تو کامیاب نہ ہو سکی۔

آنسو رخساروں پر پھسل پڑے۔

خالہ امّی نے حیران اور پریشان ہو کر اُس کی طرف دیکھا۔

"کیا پریشانی ہے بیٹی؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

رینا سے ضبط نہ ہو سکا۔

وہ خالہ امّی کے شانے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔

---



"خالہ امّی!"

سسکیوں کے درمیان دو تین بار وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"رینا! تم تو مجھے ہولائے دے رہی ہو بیٹی!"

پھر کچھ دیر بعد جب رینا کی سسکیاں تھمیں تو اُس نے کہا۔

خوشی کے موقع پر مجھے اپنی امّی کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

خالہ امّی کی نگاہیں سوچوں میں ڈوب گئیں۔

رینا نے بڑی صاف گوئی سے کہا

"چچی جان اور پھوپھی امّاں خواہ مجھ سے کتنی ہی محبت کریں، میرے ساتھ کتنا ہی اچھا سلوک کریں لیکن میں انہیں وہ مقام تو نہیں دے سکتی نا! جو میری ماں کا ہے۔"

خالہ امّی کچھ نہ بول سکی۔

"دنیا والے میری ماں کے متعلق کچھ بھی کہتے رہیں لیکن میرا دل ـــــ میں اُسے کیسے سمجھاؤں؟"

رینا کا یہ جملہ سُن کر خالہ امّی کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت سمٹ آئی۔ رینا اُن کے رنگ اُڑتے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

خالہ امّی نے کچھ کہنا چاہا تو رینا نے پوچھا۔

"کیا یہ سب کچھ سچ ہے خالہ امّی؟"

"کیا؟" خالہ امّی کی آواز جیسے کسی گہرے کنوئیں سے آئی۔
"یہی کہ میری ماں نے کسی کی خاطر اپنے پانچ بچوں کی بھی پرواہ نہیں کی۔"
"تم سے کس نے کہی یہ بات؟"
"کسی نے بھی نہیں۔"
"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوئی؟"
"میں نے ایبٹ آباد میں سُنی تھی۔"
"کس سے؟"
"آسیہ کی خالہ ہیں نا! وہ چچی جان سے پوچھ رہی تھیں امّی کے بارے میں۔"
خالہ امّی اس پوری گفتگو کی تفصیل جاننے کے لئے بے چین تھیں۔ مینا نے انہیں
تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔
"آپ کو کیا معلوم؟ میں اپنے دل و دماغ پر کتنا بڑا بوجھ لے کر آئی ہوں ایبٹ آ
خالہ امّی نے ایک گہری سانس لی۔ ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھیں گہری سو
ڈوبی ہوئی تھیں۔ مینا ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور منتظر
کچھ کہیں گی لیکن وہ تو بالکل گم صم بیٹھی تھیں۔
مینا نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔
"خالہ امّی! آپ کچھ نہیں بتائیں گی مجھے؟"
خالہ امّی نے کہا۔
"مجھ سے کچھ نہ پوچھو مینا!"
"کیوں؟"
"تم خود سوچو، تمہاری ماں کی بہن ہونے کے ناطے میں کس مقام پہ کھڑی ہوں!
"پھر میں کس سے پوچھوں؟"



"اگر پوچھ سکو تو اپنے بڑے بھیا سے پوچھنا یا اپنے ابّو سے پوچھنا۔"
"کیوں؟ ان سے کیوں پوچھوں؟"
"اصل بات تو وہی بتا سکیں گے۔"
"ابّو سے پوچھنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن بڑے بھیا....؟"
"وہ اس وقت سمجھدار تھے؟"
مینا نے افسردگی سے کہا۔
"میں نے تو آپ سے ہی معلوم نہیں کیسے پوچھ لیا؟"
"بس! پھر اس قصّے کو چھوڑ دو مینا! جو بیت گئی سو بیت گئی۔"
"میرا بہت دل چاہتا ہے اپنی امّی سے ملنے کو۔"
"جب اس کا دل کبھی نہیں چاہا تم سے ملنے کو تو۔"
"مجھے یا آپ کو ان کے دل کی خبر کیسے ہو سکتی ہے؟"
"ہاں! دلوں کے بھید تو خدا ہی جانتا ہے۔"
مینا نے پوچھا۔
"آپ ان کے پاس کبھی نہیں جاتیں خالہ امّی؟"
"نہیں۔" خالہ امّی کے لہجے میں سختی تھی۔
"وہ بھی کبھی آپ سے ملنے نہیں آئیں۔"
"شروع میں دو، تین دفعہ آئی تھی۔"
"کتنا عرصہ گزر گیا؟"
"سالوں گزر گئے۔"
"اسی شہر میں رہتی ہیں وہ؟"
"پہلے تو نہیں تھی۔"

"اب ؟"

"اب کی مجھے خبر نہیں"

بینا کی آنکھوں میں پھر نمی سی تیر گئی۔

خالہ امی نے اس کی دلجوئی کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اُس کے دل ودما
ہوتے غم کے بادل چھٹ نہ سکے۔

ایک ہمدرد اور شفیق ہستی سے دل کی بات کہنے کا موقع ملا تو بینا کے دل
بڑھ گیا۔

یوں بظاہر وہ بہت خوش نظر آتی تھی۔

ہر کام بڑی لگن سے کر رہی تھی۔

اپنی ہونے والی بھابی کے رنگ برنگے دوپٹوں پہ بڑے چاؤ سے گوٹا کنا
رہی تھی۔

بری کے لئے قیمتی سے قیمتی چیز خرید رہی تھی۔

یوں ساتھ جانے کو بڑے بھیا بھی جاتے تھے۔ چچی جان اور پھوپھی اماں
لیکن خریداری بینا کی پسند سے ہی ہوتی تھی۔ بڑے بھیا ہر موقع پہ یہ کہہ کر الگ
بھئی بینا سے پوچھ لیں۔ اگر اُسے پسند ہے تو ٹھیک ہے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن بینا کا دل اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا
بے وقت اس کی پلکیں بھیگ جاتیں۔

اس روز بھی رات کو جب سب لوگ ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ بینا اپنے کمر
دوپٹہ پھیلائے کرن ٹانک رہی تھی۔ دوپٹے پہ جتنی تیزی سے اس کے ہاتھ چل ر
تیزی سے اس کے خیالات منتشر ہو رہے تھے۔

پھر اچانک اس کا دل بھر آیا۔



جھکی ہوئی پلکوں تلے شبنم سی تیرنے لگی۔

اس نے بہت چاہا۔

بڑی کوشش کی کہ

آنسوؤں کا یہ سمندر کناروں سے آگے نہ بڑھنے پائے۔

لیکن اس وقت اُسے اپنے دل پہ ذرا بھی اختیار نہ رہا۔

کنارے بڑے کمزور تھے۔

اور بہت کچے۔

سمندر کی تندی اور تیزی کے آگے ٹھہر نہ سکے۔

آنسو ایک کے بعد ایک بڑی تیزی سے پھسلتے چلے گئے۔

اور بھابی کے دوپٹے میں جذب ہونے لگے۔

جانے کتنے آنسو بہہ گئے۔

بینا کا دل کچھ ہلکا ہوا تو اُس نے اپنے بھیگے ہوئے رخساروں اور نم پلکوں پہ خشک کرنے
کے لئے اپنا آنچل سمیٹا تو ایک دم نگاہیں اوپر اُٹھ گئیں۔ اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ اس کے
کے دروازے میں بڑے بھیا کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پہ پریشانی تھی اور آنکھوں میں
؟۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئے۔

انہوں نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بے حد پیار سے پوچھا۔

"بینا گڑیا!"

"جی۔"

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"پھر تم رو کیوں رہی ہو؟"

بینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"کسی نے کچھ کہہ دیا؟" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"کوئی بات بری لگ گئی تمہیں؟"

"نہیں تو بھیا۔"

"پھر اداس کیوں ہو؟"

"میں اداس تو نہیں ہوں۔"

بڑے بھیا نے اس کی پلکوں پر چمکتے ہوئے آنسوؤں کو انگلیوں سے صا
ہوئے کہا۔

"اگر اداس نہیں ہو تو اتنے ڈھیر سارے آنسو کیوں بہائے ہیں؟"

بینا سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

بڑے بھیا نے پھر پوچھا۔

"بتاؤ نا۔"

بینا سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔

اس نے ہونٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"بڑے بھیا!"

"ہاں! ہاں! کہو۔"

"کبھی کبھی خوشی کے موقع پر بھی تو آنسو نکل آتے ہیں۔"

بینا بڑی مشکل سے اپنا جملہ پورا کر سکی اور قریب بیٹھے بڑے بھیا کے
سر رکھ کر رونے لگی۔



بڑے بھیا نے پریشان ہو کر کہا۔

"مگر خوشی کے موقع پر اس طرح تو کوئی نہیں روتا۔"

بینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بڑے بھیا نے کہا۔

"دیکھو گڑیا! تم کو میری جان کی قسم اگر تم مجھ سے کچھ چھپاؤ تو۔"

بینا نے سر اٹھا کر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"بس اب تم سچ سچ بتا دو، کیا بات ہے؟"

بینا نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"ہمارے گھر میں پہلی اتنی بڑی خوشی ہے نا! بس اسی لئے....."

بڑے بھیا مصنوعی ناراضگی سے بولے۔

"پھر وہی بات، خوشی کے موقع پر دو، چار آنسو نکل آتے ہیں۔ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر
ئی نہیں روتا۔"

بینا نے ایک دبی ہوئی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سچی بات یہ ہے بھیا! امی کے بغیر مجھے ہر خوشی ادھوری سی لگتی ہے۔"

بینا نے دیکھا۔

بڑے بھیا کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

اس کی وجہ بھی بینا کو معلوم تھی۔

جب سے اس نے شعور کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کسی کے سامنے اپنی امی کا تذکرہ
ل انداز سے نہیں کیا تھا۔

بڑے بھیا ابھی پہلی ہی بات سن کر سنبھل نہیں پائے تھے کہ بینا نے کہا۔

"بڑے بھیا! آپ کا دل نہیں چاہتا کہ اس خوشی کے موقع پر امی بھی یہاں موجود ہوں؟"

بینا کی آنکھوں میں پھر آنسو چمکنے لگے۔

بڑے بھیّا حیران پریشان نگاہوں سے اس کی طرف تکے جا رہے تھے۔

بڑے بھیّا کو خاموش دیکھ کر بینا کو یہ خیال آیا کہ شاید انہیں امی کا ذکر ناگوار گزرا

اس کے کانوں میں خالہ امّی کے الفاظ کی بازگشت سنائی دینے لگی۔

"اگر پوچھ سکتی ہو تو اپنے ابّو سے پوچھو یا اپنے بڑے بھیّا سے پوچھو۔"

"تمہارے بڑے بھیّا اس وقت سمجھ دار تھے"

بینا نے نگاہیں اٹھا کر بڑے بھیّا کی طرف دیکھا۔

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بڑے بھیّا کے چہرے کی رگیں تن گئی ہوں، ان کے سختی سی آگئی ہو۔ بینا کو پہلی بار بڑے بھیّا سے ڈر سا محسوس ہوا۔ اس کی پلکیں کانپ رہ گئیں۔

اس نے بڑے بھیّا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مجھے معلوم ہے بھیّا! ساری دنیا امی کو بہت برا کہتی ہے اسی لئے آپ کو بھی ذکر ناگوار گزر رہا ہے"

بڑے بھیّا نے بے حد چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"تم۔ تم سے کسی نے کچھ کہا؟"

بینا خاموش رہی۔

بڑے بھیّا نے کہا۔

"سچ سچ بتاؤ بینا! تم سے کس نے....؟"

بینا پھر بھی چپ رہی تو بڑے بھیّا نے کہا۔

"یقیناً خالہ امّی نے ہی تمہارے سامنے یہ ذکر چھیڑا ہے"

بینا نے سوچا۔



"خالہ امّی بے چاری ناحق ہی مجرم بنائی جا رہی ہیں"

بڑے بھیّا نے خالہ امّی کو پھر کچھ کہنا چاہا تو بینا سے رہا نہ گیا۔

اس نے کہا۔

"بے چاری نے تو مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا۔"

"پھر ----؟"

"سچی بات یہ ہے کہ مجھ سے تو کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔"

"تو تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا جسے ہم سب نے برسوں سے تم سے چھپا رکھا تھا"

"یہ کوئی چھپنے والی بات نہیں تھی، آخر کب تک چھپی رہتی؟"

"خیر اب جب کہ تمہیں صورت حال کا علم ہو ہی چکا ہے تو یہ بتانے میں کیا حرج ہے کہ تم ماں اور کس سے سُن لیں یہ باتیں؟"

"حمیدہ خالہ سے۔"

"آسیہ کی خالہ۔ جو ایبٹ آباد میں رہتی ہیں۔"

"ہوں" بڑے بھیّا نے ایک طویل سانس لی۔

بینا نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں وہ؟"

"مجھ سے تو کچھ نہیں کہہ رہی تھیں، وہ تو چچی جان سے بات کر رہی تھیں"

"تمہارے سامنے؟"

"نہیں، میں دوسرے کمرہ میں تھی، ان لوگوں کو میری موجودگی کا علم نہیں تھا۔"

"اچھا تو کیا کہہ رہی تھیں؟"

"وہ کوئی اچھی باتیں تو کہہ نہیں رہی تھیں، پھر ان کا ذکر کرنے سے فائدہ؟"

بڑے بھیا گہری سوچوں میں ڈوبتے ہوئے بولے۔
"جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کے بعد اچھے انداز میں کوئی بھی ان کا ذکر نہیں
بینا کا اوپر اٹھا ہوا سر جھک گیا۔
"بہرحال! تم بتاؤ تو سہی ان کے الفاظ کیا تھے؟"
بینا نے بہت چاہا کہ وہ اب اس ذکر کو وہیں ختم کر دے لیکن بڑے بھیا منہ
کی زبانی سنی ہوئی باتیں انہیں بتا دے۔ بینا کو مجبوراً انہیں سب کچھ بتانا پڑا۔ وہ سر
سے۔ بینا کی بات ختم ہوگئی لیکن وہ پھر بھی اسی طرح بیٹھے رہے۔
بینا نے کہا۔
"ایک بات کہوں بھیا؟"
بڑے بھیا چونک کر بولے۔
"ہوں، ہاں، ہاں، کہو۔"
"اگر آپ کو ان کا گھر معلوم ہے تو آپ ایک بار مجھے ان سے ملوا دیں۔"
بینا کے لہجے میں التجا تھی۔
بڑے بھیا نے سرد مہری سے کہا۔
"دیکھو بینا! اوّل تو مجھے ان کا گھر نہیں معلوم اور اگر معلوم بھی ہوتا تو میں تمہیں
کبھی نہ ملواتا۔"
بینا نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔
اور سوچا۔
"یہ وہی بڑے بھیا ہیں جو میرے ایک اشارے پر اپنی جان نچھاور کر
آتے ہیں!"
اس نے کچھ ضدی سے لہجے میں پوچھا۔



"کیوں بھیا؟"
"یہ مناسب نہیں ہے۔"
بینا نے بحث کرتے ہوئے کہا۔
"وہ کیسی بھی ہیں، میری ماں ہیں"
"ہاں! بے شک، وہ تمہاری ماں ہیں۔"
بڑے بھیا کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔
بینا نے کہا۔
"ایک بیٹی اگر اپنی ماں سے ملنا چاہیئے تو اس میں نامناسب بات کونسی ہے؟"
"صرف بیٹی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟"
بینا پلکیں جھپکائے بغیر بڑے بھیا کی طرف دیکھتی رہی۔
بڑے بھیا نے کہا۔
"اس پہلو پر بھی تو غور کرو کہ ماں کو بھی بیٹی سے ملنے کا ارمان ہے یا نہیں؟"
"آپ کو یا مجھے کیا معلوم؟ ممکن ہے وہ مجھ سے ملنے کے لئے تڑپتی ہوں۔"
"ہونہہ! تڑپتی ہوں گی"، بڑے بھیا کا لہجہ طنزیہ تھا۔
"کیا خبر؟ ان کی راہ میں کتنی رکاوٹیں ہوں جو وہ مجھ تک نہ پہنچ پائی ہوں۔"
"اس وقت ان کی راہ میں کون سی رکاوٹ تھی جب انہوں نے تمہیں ساتھ لے جانے سے
انکار کر دیا تھا؟"
"ممکن ہے ابو نے مجھے نہ لے جانے دیا ہو۔"
"چھوڑو بینا اس تکلیف دہ ذکر کو، جو کچھ میں اور ابو جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتیں۔"
بڑے بھیا کے چہرے پر ذہنی کرب کے دھندلے سائے تھے۔
بینا نے کہا۔

"تو پھر آپ لوگ مجھے سب کچھ تفصیل سے بتا ہی دیں۔"

"کیا کرو گی معلوم کر کے؟"

مینا نے ان کے کندھے پہ سر رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اندازہ نہیں بھیا! جب سے میں نے امی کے متعلق چند جملے سنے ہیں میرے دماغ کی کیا کیفیت ہے؟"

بڑے بھیا نے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے لیکن میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ دنیا ہے کچھ ہوتا ہے۔"

باہر برآمدے سے ابو کی آواز آ رہی تھی وہ بڑے بھیا کو پکار رہے تھے۔

بڑے بھیا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"میں کسی دن تمہیں سب کچھ بتاؤں گا لیکن بہر حال! تم خوش رہا کرو۔"

بڑے بھیا کمرے سے باہر چلے گئے پھر مینا کا دل دوپٹہ ٹانکنے میں بالکل نہ لگا۔ اس نے دوپٹہ تہہ کر کے رکھ دیا اور گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی لیکن اپنی الجھی الجھی سوچوں سے چھٹکارا پانے کی خاطر وہ لائٹ بند کر کے اپنے بستر پہ لیٹ کر سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

دو روز گزر گئے مینا نے محسوس کیا کہ بڑے بھیا خلاف معمول بہت خاموش تھے۔ ان دو دنوں میں مینا کی ان سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ تیسرے روز مینا کالج سے واپس آئی تو اس کے تکیے کے نیچے سے ایک لفافہ جھانک رہا تھا پرس میز پہ ڈال کر اس نے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اوپر کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ لفافہ بند نہیں تھا۔ اس نے لفافے سے اندر سے پرچے نکالے تو بڑے بھیا کی تحریر اس کے سامنے تھی۔ مارے تجسس کے اس نے پڑھنا شروع کر دیا۔ بڑے بھیا جو باتیں اسے زبانی نہیں بتا سکتے تھے۔ اس کے لئے تحریر کا سہارا لیا تھا۔



مینا!

مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے بہت سی باتیں معلوم کرنے کی متوقع ہو لیکن میں اپنے آپ میں ہمت نہیں پا رہا کہ تمہیں سامنے بٹھا کر وہ ساری باتیں کہہ سکوں۔

میں بہت زیادہ تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتا اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ لیکن میں جتنا کچھ تمہیں بتلاؤں گا اسی سے اس عورت کی صحیح تصویر تمہارے سامنے آ جائے گی جو ہماری اور تمہاری ماں تھی۔

محبت اور چاہت کے جذبات کو میں برا نہیں سمجھتا لیکن کبھی محبت قربانی بھی چاہتی ہے کبھی ایثار بھی کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہماری ماں کی شادی ان کے والدین کی ضد کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اس شخص سے نہ ہو سکی جسے وہ پسند کرتی تھیں تو اس میں ہم بچوں کا یا ہمارے باپ کا قصور نہیں تھا۔ ان کی قسمت میں ہمارے باپ سے ہی شادی ہونی لکھی تھی سو ہو گئی اس کا انتقام ہم لوگوں سے لینا یقیناً انصاف نہیں کہلائے گا۔

ہمارے ابو، ان کی بیزاری، گھر سے عدم دلچسپی اور ہم بچوں سے ان کی بے اعتنائی کی وجہ سمجھ ہی نہ سکے۔ سمجھے بھی تو بس یہ سمجھے کہ شاید وہ فطرتاً کم گو اور الگ تھلگ رہنے والی خاتون ہیں۔ ابو نے ہر طرح ان کا خیال رکھنے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ذہنی طور پر ابو کو شاید کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ ہم سب بھی اس محبت اور شفقت سے محروم رہے جو ہمارا پیدائشی حق تھا۔ میں نے ہوش سنبھال کر اپنے اور دوسرے بھائیوں کے ساتھ ان کا جو سلوک دیکھا اس وقت میں اسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ انہیں نہ گھر کی کوئی پرواہ تھی نہ ہماری۔ انہیں اس کی غرض نہیں تھی کہ ہم کس حال میں پھرتے ہیں۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی لیکن پھر بھی بدسلیقگی اور لاپرواہی کا عالم رہتا تھا، ہماری ذرا سی غلطی پر وہ ہمیں روئی کی طرح دھنک دیتی تھیں۔ بعض اوقات بغیر کسی وجہ کے بری طرح جھڑک دیتی تھی۔

بس کچھ اور بڑا ہوا تو میں نے اپنے گھر میں پہلی بار اس شخص کو دیکھا جس نے ہمار
قریب نہ ہوتے ہوئے بھی ذہنی طور پر انہیں اپنے اس قدر نزدیک کر رکھا تھا کہ وہ ہو
ہمارے ابّو سے ہمیشہ دُور رہیں۔ اس شخص کا تعارف یہ کہہ کر کرایا گیا کہ وہ ہمارا ماموں
پھر وہ شخص وقتاً فوقتاً ہمارے گھر میں آنے لگا لیکن وہ ہمیشہ ابّو کی غیر موجو
جب وہ پہلی بار ہمارے گھر آیا تھا تو شام کو جب ابّو آفس سے واپس آئے تو میں
خوش ہو کر انہیں بتایا۔

ابّو! آج ہمارے ایک نئے ماموں آئے تھے۔

ابّو نے امّی سے استفسار کیا۔ ان دونوں کے درمیان جو باتیں ہوئیں اس سے میری
یہی آیا کہ وہ امّی کے کوئی رشتے کے بھائی تھے جو چند سال قبل ملک سے باہر چلے گئے
عنقریب ہی واپس آئے ہیں۔

ان نئے ماموں کے آنے کے بعد سے امّی کا رویّہ کچھ عجیب سا ہو گیا۔ کبھی تو وہ
نظر آتیں اور کبھی بے حد چڑچڑی اور بدمزاج۔ ان کا سارا غیض و غضب ہم بھائیوں پر
ہم ان کے سلوک کی شکایت ابّو سے کرتے تو وہ ہمیں سمجھانے بیٹھ جاتے کہ تمہاری امّی
بیمار رہتی ہیں۔ اس لئے چڑچڑی ہو گئی ہیں، انہیں غصہ جلدی آجاتا ہے تم لوگ برا
نہ ہی انہیں ستایا کرو۔

میں حیران ہو کر سوچتا۔ ہم لوگ اپنی امّی کو کب تنگ کرتے ہیں؟ جب کہ دوسر
مثالیں ہمارے سامنے تھیں جو اپنی ماؤں کو بے حد تنگ کرتے تھے اور ان سے ب
کرتے تھے۔

ویسے یہ بات صحیح تھی کہ ہوش سنبھال کر میں نے امّی کو زیادہ تر بیمار ہی دیکھا
بیماری بھی بڑی عجیب و غریب نوعیت کی تھی۔ بس یوں سمجھ لو کہ خود ساختہ بیما
دنوں تو خیر تم پیدا ہونے والی تھیں۔



تمہاری پیدائش پر ابّو اور ہم چاروں بھائی بے پناہ خوش تھے۔ ابّو کو بیٹی کا بہت ارمان تھا
ہمیں گڑیا سی بہن کی بے حد تمنّا تھی۔ خدا نے ابّو کا ارمان اور ہماری تمنّا پوری کر دی تھی۔ ہم
بھی خوش ہوتے تھوڑا تھا۔ میں اور تمہارے چھوٹے بھیّا کیونکہ بڑے تھے اور خاصے سمجھدار
ے تمہاری [illegible] نہیں تھا۔ بس یوں سمجھ لو کہ تمہارے وہ سارے کام جو عورتوں
نے چاہئیں۔ اپنے ہاتھوں سے کر کے ہمیں بے اندازہ خوشی ہوتی تھی ہم دونوں بھائی بے حد
سے تمہیں بناتے اور سنوارتے تھے اور جب تم سج بن کر تیار ہو جاتیں تو تمہیں دیکھ دیکھ کر
طرح خوش ہوتے جیسے کوئی بہت قیمتی کھلونا ہمارے ہاتھ آگیا ہو۔

امّی کے انداز اس کے بالکل برعکس تھے، ان کے چہرے پر خوشی کے کوئی تاثرات نظر نہیں
تھے۔ ان کا چہرہ سپاٹ ہی رہتا تھا۔ اس دوران ہمارے نئے ماموں کی آمد و رفت برائے نام
امّی کی طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد ان کی آمد و رفت پھر بڑھ گئی۔

بہت سی باتیں ایسی ہیں بیٹا! جنہیں لکھنے کے لئے میرا قلم ساتھ نہیں دیتا۔ بہرحال! اب تم بچّی
ہو یہ سمجھ لو کہ یقیناً وہ ایسی ہی باتیں ہوں گی جن کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب ہے۔ میری آنکھوں
سننا نہیں بلکہ نادانستہ طور پر کچھ ایسی باتیں دیکھیں جن کی وجہ سے میرا دل اپنی ماں کی
سے متنفر ہو گیا۔

اس کے بعد سے ان کی آمد و رفت کم ہو گئی لیکن پھر امّی اکثر جانے کس سے ملنے چلی جاتی تھیں۔
اکثر ہوتا تھا۔ ہم بھائیوں کو گھر میں چھوڑ کر وہ صرف تمہیں لے کر چلی جاتی تھیں۔ ابّو بے چارے
ملتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں امّی کہاں چل دیتی تھیں۔ میں اور تمہارے
بھیّا تو خیر نہیں لیکن باقی دونوں چھوٹے بھائی ابّو سے اکثر شکایت کر دیتے۔ ابّو! امّی
نے کہاں چلی گئی تھیں، منّی گڑیا کو لے کر، ہم بور ہو جاتے ہیں اس کے بغیر۔"
ابّو ہنس کر پوچھتے ـــــ
"کیوں بھئی؟ تم ہمارے بیٹوں کی منّی گڑیا کو لے کر کہاں چلی گئی تھیں؟"

امی کبھی کسی رشتہ دار اور کبھی سہیلی کا نام لے دیتیں۔

ابو کہتے ——

"تو ان لوگوں کو بھی لے جایا کرو ساتھ"

امی بے حد چڑ کر کہتیں ——

"اب میں پورے ٹبّر کو تو لے جانے سے رہی"

ابو مسکرا کر کہتے ——

"تمہاری مدد ہی کریں گے، دیکھتی نہیں ہو کس قدر سلیقے اور احتیاط سے نہ

اپنی بہن کو؟"

امی یا تو چڑ کر کوئی اور جلی کٹی بات کہہ دیتیں یا پھر بات کا رخ ہی بدل دیتیں

تم بڑی ہوئیں تو امی نے تمہیں بھی ساتھ لے جانا چھوڑ دیا۔ ہم چاروں بھا

مزے میں تمہیں سنبھال لیا کرتے تھے اور تمہاری پیاری حرکتیں دیکھ کر سیروں خون

مینا! میری بہن!

لغزشیں کبھی چھپا نہیں کرتیں۔

اور نہ ہی دوسروں کی آنکھوں میں ہمیشہ دھول جھونکی جا سکتی ہے۔

معلوم نہیں کیسے ابو کو اصل صورت حال کا علم ہو گیا تم خود سوچو! ابو کے دل

گزری ہو گی؟ ان کی غیرت اور محبت کس طرح مجروح ہوئی ہو گی؟ اپنی بیوی کی تما

کے باوجود اسے بے پناہ چاہنے والے شوہر کے اعتماد کی دھجیاں جب بکھر جائیں

نہیں تو نیم پاگل ضرور ہو جانا چاہیے۔

پانچ بچوں کی ماں کے کردار کا یہ رُخ جب اس کے شوہر کے سامنے آیا ہو گا

کو کتنا زبردست تازیانہ لگا ہو گا؟

ان دنوں ہمارے گھر کا ماحول کیا ہو گیا تھا؟



اس کا اندازہ تم اچھی طرح کر سکتی ہو۔

مینا! تم اپنے باپ کا ظرف دیکھو کہ ایک عورت کی اتنی بڑی لغزش کے بعد بھی اس نے ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

دنیا والوں کو تماشہ دکھانا مقصود نہیں تھا۔

اس نے ہماری ماں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اس نے بہت چاہا کہ

جو کچھ ہو چکا ہے اس پر خاک ڈال دی جائے۔

غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔

گزری ہوئی باتوں کو بھلا کر وقت اور حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لینا ہی بہتر ہے۔

اور کسی کی خاطر نہ سہی اپنے بچوں کی خاطر انہیں اب مزید کوئی غلط قدم نہیں اُٹھانا چاہیے۔

ابو کا نظریہ یہ تھا کہ ہماری ماں جیسی بھی تھی، وہ ان کی اور اس گھر کی عزت تھی۔

اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا ان کا فرض تھا۔

لیکن مینا!

گمراہ ہو جانے والوں کو راہ پر لانا بہت مشکل اور کبھی کبھی ناممکن ہوتا ہے۔

اور پھر اس صورت میں کہ

بھٹکنے والا صحیح راستے پر واپس آنے کے لئے خود رضامند ہی نہ ہو۔

ہماری ماں کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھی تھی کہ اُسے سوائے اس شخص کے کوئی نظر نہیں تھا۔

نہ وہ ہمیں دیکھ سکتی تھیں۔

نہ ہمارے باپ کو

ان کا ضمیر سو چکا تھا۔

جبھی انہیں نہ اپنے خاندان کی عزت کا خیال رہا تھا نہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس۔

میں سوچتا ہوں۔

ماں اپنی کوکھ سے ایک بچے کو جنم دے کر اپنا سب کچھ اس پہ وار دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔

مگر وہ کیسی ماں تھی جو پانچ بچوں کو جنم دے کر بھی ممتا کے جذبے سے آشنا نہ ہو سکی؟

اگر اس کے سینے میں ممتا کا جذبہ تھا تو اس کی پکار اس شخص کی محبت کے جذبہ پر غالب نہ آسکی!

ممتا کے جذبے میں تو بڑی طاقت ہوتی ہے اور بڑا اثر۔

پھر یہ سب کچھ کیوں ہو گیا؟

جو نہیں ہونا چاہیئے تھا ——

اپنے پانچ بچوں کی شکلیں دیکھ کر بھی اس کا ضمیر بیدار کیوں نہ ہو سکا؟

مجھے بتا دو مینا!

عورت کے اس رُوپ کو تم کیا کہو گی!

ہمارے وہ نئے ماموں اب بھی کبھی کبھی آتے تھے، ایک دوپہر وہ آئے تو میری آنکھوں نے پھر نادانستہ طور پر دیکھا.....

میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی تھا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو شاید مجھے اتنا ملال نہ ہوتا۔

میری غیرت پہ تازیانہ تو پڑتا مگر اتنی شدت سے نہیں۔

ممکن ہے میرے دوست نے کچھ نہ دیکھا ہو، کیونکہ ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے سامنے سے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میں نے سرسری طور پر دیکھا تھا۔

بہر حال! میرے لئے یہ بات باعث پشیمانی تھی کہ میرا دوست میری ماں کو اس شخص کے ساتھ اس انداز سے بیٹھا ہوا دیکھے۔ جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ میرا سگا بھی نہیں رشتے کا ماموں ہے۔



اس کے بعد میرے لئے یہ بہت مشکل ہو گیا کہ میں اس سے نگاہیں ملا کر بات کر سکوں۔

رات کو میں نے ابّو سے کہا۔

" ابّو! ہماری امّی اچھی نہیں ہیں۔ ہم ان کے ساتھ نہیں رہیں گے۔"

ابّو چند لمحوں کے لئے حیرانی اور پریشانی سے میری طرف تکتے رہے پھر سمجھا کر بولے۔

" بیٹے! اپنی امّی کے لئے ایسی بات نہیں کہتے۔"

سارے دن کی شرمندگی اور خجالت میری آنکھوں میں آنسوؤں کی شکل میں جمع ہو گئی۔

ابّو نے مجھ سے پوچھا۔

" تم اپنی امّی کے لئے ایسی بات کیوں کہہ رہے ہو؟"

میں نے جھجکتے ہوئے انہیں دوپہر کی بات بتائی تو ابّو کے چہرہ کا رنگ ایک دم متغیر ہو گیا لیکن فوراً ہی وہ اپنے آپ کو سنبھال کر بات کو ٹالتے ہوئے بولے۔

" تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی۔"

ابّو نے میری باتیں سُن کر ایک طویل سانس لی اور اُٹھ کر لان میں ٹہلنے لگے۔ میں خاموشی سے کمرے میں چلا گیا۔

اس وقت تک ابّو شاید یہ سمجھتے تھے کہ ہماری ماں کی حرکتوں کا علم سوائے ان کے اور کسی کو نہیں ہے لیکن یہ سوچ کر وہ بے حد فکر مند ہو گئے کہ اب بچے بھی ان باتوں کو محسوس کرنے لگے ہیں پھر ہماری ماں کے بھائیوں، بہنوں اور ان کی ماں کے علم میں یہ بات لائی گئی۔ سب نے مل کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے اور سمجھانے کی منزلوں کو بہت پیچھے چھوڑ چکی تھیں۔ وہ اس شخص کی خاطر ہم سب کو چھوڑ دینے پر تلی بیٹھی تھیں اور چھوڑ کر رہیں۔

قمر اس وقت بہت چھوٹی تھیں اور ان کے لئے بہت ہُڑکتی تھیں۔ ابّو تم پہ دیوانہ وار فدا تھے

اور تمہیں آنکھوں سے اوجھل کرنا ان کے نزدیک بیٹے پر صبر کی سل رکھنا تھا اس کے با
بات کے لئے رضا مند تھے کہ ہماری ماں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتیں۔ انہوں نے تمہ
سے صاف انکار کر دیا۔ شاید وہ اپنی نئی زندگی کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت
پہ آمادہ نہیں تھیں۔ وہ چلی گئیں۔

ہم سب کو چھوڑ کر۔

اس شخص کے ساتھ ——

جو ان کے لئے سب کچھ تھا —— دین بھی۔ ایمان بھی۔

ہم لوگ یقیناً ان کے کچھ بھی نہیں لگتے تھے۔

ہمارے ابو کو اور ہمیں انہوں نے ذہنی طور پہ کبھی قبول ہی نہیں کیا۔

انہیں نہ لوگوں کی تمسخر آمیز نگاہوں کی کوئی پرواہ تھی۔

اور نہ ہمارے باپ کی عزت کا کوئی خیال۔

رشتوں کا تقدس اس طرح پامال ہوتا ہے بینا!

سربازار عزت کا لٹنا اسے کہتے ہیں۔

جس جس کو پتہ چلا، اس کی انگلیاں ہماری طرف اٹھیں۔

کوئی رحم اور ترس کھا رہا تھا۔

کسی کے انداز میں تمسخر ہوتا تھا۔

اور کسی کے انداز میں طنز۔

ہم پہ تو جو گزرنی تھی گزر گئی۔

کل جب تمہاری شادی ہو گی تو ہماری ماں کا یہ قدم۔

تمہارے لئے طعنہ نہ بن جائے گا؟

محبتیں اور چاہتیں زندگی کی ناقابل تردید حقیقتیں ہیں۔



مجھے اس سے انکار نہیں۔

لیکن، میری ننھی بہن!

ہمارے فرائض اور ہماری ذمہ داریاں بھی تو ہم سے کچھ تقاضے کرتی ہیں۔

پھر کوئی بھی قدم اٹھاتے وقت، حالات اور اپنی عمر کا بھی تو لحاظ کرنا پڑتا ہے۔

رشتوں ناطوں کے بندھن تو ایک سمجھوتے کے تحت زندگی کو نباہ دینے کا درس دیتے ہیں۔

لیکن جب کسی کا ضمیر ہی سو جائے تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔

تمہاری ماں کے کردار کا اصلی رُخ تمہارے سامنے ہے، اب تم خود ہی فیصلہ کر لو، تم ان سے
سند کرو گی یا نہیں!

تم کبھی کبھی مجھ سے پوچھتی ہو کہ میں خالہ امی کے گھر کیوں نہیں جاتا؟

میرا خیال ہے، تمہارے اس سوال کا جواب، دینے کا بھی یہی مناسب موقع ہے۔ میں جانتا ہوں
ری ماں نے جو کچھ کیا اس میں خالہ امی کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن انہیں دیکھتے ہی مجھے اپنی ماں
ل آ جائے گا، یہ سوچ کر میں ان سے نہیں ملا۔ اس بات کو برسوں ہو گئے ہیں۔ بس یہ سوچ کر ان
امنے جانے سے کتراتا رہا کہ ان کی صورت نگاہوں کے سامنے آتے ہی مجھے وہ ساری باتیں
ندت سے یاد آئیں گی جنہیں بھلانے کی میں نے ہمیشہ کوشش کی، لیکن حقیقتیں ——
شہ تلخ ہوتی ہیں —— بے حد تلخ —— انہیں ذہن و دل سے نکال دینا بھی بڑا دشوار
ہے۔

بڑے بھیا کی تحریر کا آخری جملہ ختم ہوتے تک بینا کا دماغ سُن ہو کر رہ گیا، کاغذ کے صفحات
ں تھامے وہ گم صُم سی بیٹھی رہ گئی۔

اس نے سوچا۔

بڑے بھیا نے جو کچھ مجھے تفصیل سے بتایا ہے، وہ حمیدہ خالہ کی زبانی میں چند جملوں میں پہلے
چکی تھی لیکن پھر آج نئے سرے سے یہ کیسا بارِ گراں میرے دل پہ آ گرا ہے

اس نے سارے صفحات کو ترتیب دے کر احتیاط سے لفافے میں ڈالا اور ا...
کپڑوں کی تہہ میں رکھ دیا۔ کالج سے آکر نہ اس نے کپڑے بدلے تھے نہ منہ ہاتھ دھویا...
ساتھ ہی وہ اس داستانِ غم کو پڑھنے بیٹھ گئی تھی اور اب اس کا دل کسی کام میں نہیں لگ...
تکیوں میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔ اس نے خالی الذہن رہنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن ...
ناممکن نظر آرہا تھا۔ اسے لیٹے ہوئے معلوم نہیں کتنی دیر ہو گئی۔ توا اس سے کھانے کے لئے...
تو اسے بے وقت لیٹے دیکھ کر شاید کچھ پریشان ہو گئیں۔

"آتے کے ساتھ ہی لیٹ گئیں بیٹی، خیریت تو ہے؟"

بینا نے کروٹ بدل کر ان کی طرف دیکھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹی!"

توا نے اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا۔

بینا نے صریحاً جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"سر میں درد ہے توا۔"

"بھوک کی وجہ سے ہو رہا ہو گا۔"

بینا خاموش رہی۔

"صبح تم نے ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا تھا۔"

"بس! دل ہی نہیں چاہا۔"

"چلو اُٹھو، اب کھانا تو کھا لو۔"

بینا سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا سوچنے لگیں؟ منہ ہاتھ دھو کر آجاؤ۔ میں کھانا رکھ رہی ہوں۔"

"نہیں توا۔"



"آخر کیوں؟"

"نہ مجھے بھوک ہے نہ میرا دل چاہ رہا ہے۔"

"کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ بیٹا! آخر تمہاری بھوک کو کیا ہو گیا ہے؟"

"اچھا..."

توا نے اس کی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا سا کھانا کھا لو، چل کر دیکھو تو سہی! میں نے اپنی بیٹی کے لئے کیا پکایا ہے۔"

بینا بادلِ نخواستہ اُٹھ گئی۔

توا نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

"تم منہ ہاتھ دھو کر آؤ، میں کھانا رکھ رہی ہوں میز پر۔"

بینا کپڑے بدلنے باتھ روم میں چلی گئی۔

اس روز بڑے بھیا سب سے پہلے گھر آئے۔ توا نے جانے ان سے کیا کہہ دیا تھا۔ وہ کپڑے بدلے بغیر سب سے پہلے بینا کے پاس آئے۔ وہ منہ سر لپیٹے بستر پہ پڑی تھی۔

بڑے بھیا نے بے حد لاڈ سے اُسے پکارا۔

"بینا گڑیا!"

بینا نے منہ پر سے چادر ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

بڑے بھیا نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"پھر اس طرح کیوں لیٹی ہو؟"

بینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

بڑے بھیا نے کہا۔

"ابوّا کہہ رہی تھیں تمہارے سر میں درد ہے"

بینا خاموش رہی۔

بڑے بھیّا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابوّا کو یہ بھی تشویش ہے کہ تمہاری بھوک کو جانے کیا ہو گیا ہے؟"

"کچھ نہیں بھیّا! ابوّا ویسے ہی پریشان ہو جاتی ہیں"

"آج شام کو چلنا، کسی ڈاکٹر کو دکھا دیں گے"

"مجھے کوئی تکلیف، کوئی بیماری نہیں ہے پھر ڈاکٹر کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اچھا! اگر کوئی تکلیف نہیں ہے تو فوراً اُٹھ کر دکھاؤ۔"

"یہ لیجیے۔" بینا چادر ہٹا کر اُٹھ بیٹھی۔

بڑے بھیّا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اب یہ بتاؤ کہ آج کیا پروگرام بنایا جائے؟"

"کیسا پروگرام؟"

"مطلب یہ ہے کہ پکچر دیکھنی ہے یا کہیں اور گھومنے چلنا ہے؟"

"آج تو میرا کہیں بھی جانے کا موڈ نہیں ہے"

"کیوں؟"

"بس! ایسے ہی۔"

"نہیں، تمہاری ایک نہیں چلے گی، سمجھیں؟"

بینا نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ پہلے ہم لوگ شاپنگ کریں گے، پھر پکچر دیکھیں گے پھر، ہم اپنی بہن کو کہ



کھانا کھلائیں گے"

پھر تو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا۔"

بڑے بھیّا ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

دیکھو بینا! تمہارے دل و دماغ کی جو کیفیت ہے، اس کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہے

..."

نا نے ایک نظر بڑے بھیّا کی طرف دیکھا، ان کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ افسردگی

بڑے بھیّا نے کہا۔

یہ دنیا ہے، یہاں اس قسم کی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔"

بینا سر جھکائے سنتی رہی۔

گر تم گزری ہوئی باتوں کو اس طرح دل پر لے کر بیٹھ گئیں تو اس سے فائدہ کیا ہوگا؟"

بینا خاموش رہی۔

ہی ہوگا نا! کہ تم اپنی صحت خراب کر لو گی؟"

بس تم یہ سوچ لو! ایک عورت کو جب تمہاری پرواہ نہیں تو تم بھی اس کی پرواہ نہ کرو۔"

بینا نے کچھ کہنا چاہا تو بڑے بھیّا بولے۔

پہلے یہ بتاؤ میں غلط کہہ رہا ہوں یا صحیح؟"

شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔"

شاید والی بات غلط ہے، میں واقعی ٹھیک کہہ رہا ہوں"

نا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

بڑے بھیّا اسے مسکراتے دیکھ کر خوش ہو گئے۔

تو تمہاری پرواہ کرے تم بھی اس کی پرواہ کرو، باقی سب بھول جاؤ۔۔

مینا نے کہا۔

"اچھا اب آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی"

"شاباش! اسی بات پر اب تیار ہو جاؤ"

مینا نے پوچھا۔

"بس! ہم دونوں جائیں گے؟"

"تمہارے تیار ہونے تک اور جو کوئی بھی آگیا اسے بھی ساتھ لے لیں گے

ابو کو ٹیلی فون کرتا ہوں، تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔"

بڑے بھیا کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولے۔

شام سے کر رات تک مینا کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

لیکن رات کو۔

جب تنہائی کے زہر میں بجھے ہوئے لمحات نے چپکے سے اس کا دامن

سوچوں کی سخت و سیاہ راہ گزر پر اس کے قدم خود بخود اٹھ گئے۔

پھر اس نے فیصلہ کیا۔

وہ پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں سوچے گی۔

وہ اس ہستی کو بھلا دینے کی کوشش کرے گی۔

جس سے اس کا ناتا تو بہت قریبی تھا لیکن۔

فاصلے بہت طویل تھے۔

وہ بڑے بھیا کی نصیحت پر عمل کرے گی۔

---



اس نے اپنا سر جھٹک کر ذہن کو سوچوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی اور سیاہی مائل نیلگوں نگاہیں جما دیں۔ ستاروں کا چپ چاپ چلتا ہوا قافلہ اڑتے ہوئے بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا کہ بادام کے درخت کی اوٹ میں ہو گیا تھا گھنے پتوں سے گلے ملتی ہوئی چاندنی بھی سیمیں رش پر دور دور تک بکھری ہوئی تھیں مینا چند سیکنڈ تک دوڑتے بھاگتے ہوئے بادلوں کو ہی پھر اپنے بستر پر آگئی۔ نیند کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ اس نے سرہانے سے میگزین اور تکیوں کے سہارے بیٹھ کر میگزین کے صفحات الٹنے لگی۔

شادی کی تیاریوں میں وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور آخر کار ایک دن ہنگامے ٹھے۔ پھوپھی اماں، چچی جان اور خالہ امی نے آکر تو اکے ساتھ ساری ذمہ داریاں سنبھال لیں ازہ تھا کہ بڑے بھیا، چھوٹے بھیا اور ابو، خالہ امی کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے خود خالہ امی الامکان یہی کوشش کرتی تھیں کہ ان لوگوں کی نظروں کے سامنے نہ آئیں۔ مینا کی دل آزاری نہیں منظور نہیں تھی اس لئے ابو اور بڑے بھیا خالہ امی کو بلانے پر مجبور تھے اور خالہ امی آنے خالہ امی کی بیٹی نجمہ آپا، پھوپھی اماں کی دونوں بیٹیاں، آسیہ، عالیہ اور کچھ دوسری رشتے کی ی آگئی تھیں۔ مینا کی خواہش تو یہی تھی کہ اس کی کزنز کی طرح اس کی سہیلیاں بھی شادی کے ختم ہونے تک مستقل وہیں ڈیرے ڈالے رکھیں لیکن وہ لوگ صرف مہندی والی رات مینا ہیں یہ الگ بات تھی کہ باقی دنوں میں وہ لوگ شام ہی سے ہلڑ بازی مچانے کے لئے پہنچ جاتی ر رات کا کھانا کھائے بغیر کوئی ان لوگوں کو جانے نہیں دیتا تھا۔

بے پناہ رونق اور ہنگامے میں بینا کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ ہاں اگر کسی ر
کبھی بھی ماں کا ذکر آیا یا دلہن والیوں نے اپنے گانوں میں ساس کا ذکر چھیڑا تو بینا ر
ہوک سی اُٹھی، اس کے چہرے کا رنگ "متغیر" ہو گیا اور آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔ مگر
چند لمحوں کے لئے ہوتا تھا سو وہ اپنے آپ کو فوراً سنبھال لیتی تھی اور اپنے دلی ...
نہیں ہونے دیتی تھی۔

شائستہ احمد بینا کی بڑی بھابی بن کر آگئیں، ولیمے اور چوتھی کی دعوتوں کے
ہنگاموں نے تھک کر دم توڑ دیا۔ لیکن بھابی کے آجانے سے گھر کا سُونا پن دُور ہ
سے جو مہمان گھر میں رہ رہے تھے وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔ مگر
جانے کے باوجود یہ احساس بڑا سکون بخش تھا کہ گھر میں ایک ہستی مستقل طور پر آ
سچ ہی شائستہ احمد کا روپ ہی کچھ اور تھا۔ ان کے چہرہ پر نگاہ نہیں ٹھ
سہیلیوں نے انہیں دیکھ کر تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ بینا خوشی سے پھولی نہیں
کو اس بات کا اندازہ تھا کہ اس کے باقی تینوں بھائی بھی گھر میں بھابی کے آجانے ...
اس کے ابو بھی خوشی اور مسرت کے جذبات کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو پا ر

بینا کو خوش اور رنگیں دیکھ کر مہمان خواتین میں سے کسی نے تبصرہ کیا۔

"بینا بہت خوش ہے بھاوج کو پاکر"

کوئی دوسری خاتون بولیں۔

"خدا کرے ہمیشہ خوش ہی رہے"

تیسری خاتون نے کہا۔

"ہاں بھئی! اب دیکھو کیسا سلوک ہوتا ہے بھاوج کا، بنا کے رکھیں جب ...

پہلی والی خاتون نے کہا۔

"صرف بھاوج کے بنا کے رکھنے سے کیا ہوتا ہے، نند کو بھی تو خیال رکھنا چاہئے"



...ی نے کہا۔
...تو اپنے پیاروں بھائیوں کی بے حد لاڈلی ہے، اس کے بغیر تو وہ لوگ نوالہ بھی نہیں
[illegible]
...ن ہے بھاوج کو یہی بات بڑی لگ جائے کہ میری نند کا اس قدر لاڈ پیار کیوں ہوتا ہے؟"

...ب اور خاتون بولیں۔

...ر بھائیوں کے معاملے میں تو ظاہر ہے دلہن کچھ نہیں بول سکے گی لیکن اپنے میاں کے
...ں وہ کسی اور کا حصہ مشکل سے ہی برداشت کرے گی"

...ی نے کہا۔

...ا بھائی ہی تو بینا کو زیادہ چاہتا ہے"

...ب دیکھنے میں آئے گا کہ یہ چاہت کتنے دن کی اور ہے"

...نا نے سوچا۔

...ں عورتوں کے پاس کوئی اور موضوع نہیں ہے گفتگو کے لئے۔

...ے برآمدے میں بُوا کے پاس بیٹھی پانوں کا انتظار کر رہی تھی۔ اندر کمرے میں بچھے فرش پر بیٹھی
...ن تبصرہ کر رہی تھیں۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ جس کے متعلق تبصرہ کر رہی ہیں۔ وہ باہر
...و کا ایک ایک لفظ سُن رہی ہے۔ بُوا کے ہاتھ پان بنانے میں مصروف تھے اور کان ان
...باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

...نہوں نے پان بناتے ہوئے بینا کی طرف دیکھا اور بولیں۔

...م کچھ خیال نہ کرنا بیٹی! جہاں چار عورتیں جمع ہوتی ہیں اس قسم کی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں"

...بینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بوا کے ہاتھ سے پانوں کی تھالی لے کر اندر چلی گئی۔

...شادی کے دوسرے روز صبح بینا بڑے بھیا اور بھابی کے لئے ناشتے لے کر ان کے کمرے

میں گئی تو بھیا نے بڑے پیار سے اسے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

" دیکھو شائستہ! ویسے تو تم بڑی اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ مینا ہے، میری اکلو

بھابی نے اپنی خمار آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیں۔

بڑے بھیا نے کہا۔

" لیکن بھئی! سچی بات یہ ہے کہ مینا نہ صرف میری بہن ہے بلکہ میری بیٹی ہ

بھابی کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

بھیا نے اپنی بات کی تائید کے لئے مینا کی طرف دیکھا۔

" کیوں گڑیا؟ میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟"

مینا مسکرا کر رہ گئی۔

بھیا نے بھابی سے کہا۔

" ویسے تو مجھے امید ہے کہ تم ہماری مینا کی دل آزاری کبھی نہیں کرو گی لیکن!

کرنے کی خاطر میں نے تم سے یہ بات کہنی ضروری سمجھی"

بھابی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ معدوم پڑ گئی۔

انہوں نے آہستگی سے کہا۔

" مینا میری بہن ہے، اس کے لئے آپ کو کبھی کچھ کہنے کا موقع نہیں ملے گا

" مینا نے تیکھی نگاہوں سے بڑے بھیا کی طرف دیکھا۔

" یہ آپ نے کیسی باتیں شروع کر دیں بھیا؟"

پھر اس نے بھابی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

" بھابی! آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا، بھیا بعض اوقات بڑے جذباتی ہو

بھابی نے کہا۔

" انہوں نے کوئی غلط بات نہیں کی مینا!"



" دیکھئے بھابی! بھیا مجھے جو چاہیں سمجھتے رہیں لیکن آپ میری بھابی بھی ہیں، میری بڑی بہن بھی

مری ایسی جو غلطیاں ہوں آپ کو سرزنش کرنے کا پورا پورا حق ہے۔

بھابی سر جھکائے خاموش بیٹھی رہیں۔

ہیں۔"

" بھیا! اب آپ لوگ ناشتہ کیجئے، پھر میں آکر اپنی بھابی کو سجا، سنوار دوں، ابھی ان کے گھر سے

تے ہی ہوں گے"

بھیا نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

" سجانے سنوارنے کی کیا ضرورت ہے، ایسے نہیں جا سکتیں؟"

مینا نے بڑے پیار سے بھابی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" خیر! میری بھابی کا حسن کسی سجاوٹ بناوٹ کا محتاج تو واقعی نہیں ہے۔"

بھیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ آنے کے ساتھ ہی میری بہن پر جادو کر دیا جائے گا۔"

مینا نے دیکھا۔

بھیا کی آنکھوں میں بھابی کے لئے بے پناہ پیار کروٹیں لے رہا تھا۔

بھابی مینا کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

مینا نے پھر ان دونوں کو ناشتے کی طرف متوجہ کیا۔

بھابی نے مینا سے کہا۔

" تم بھی ہمارے ساتھ ناشتہ کر لو"

" میں تو ناشتہ کر چکی ہوں بھابی!"

" وہ تو اب تک ہضم بھی ہو گیا ہو گا، صبح سے کام میں جو لگی ہوئی ہو۔"

" ارے نہیں بھابی! مجھے کوئی کام نہیں کرنا پڑتا، بوا بے چاری خود ہی لگی رہتی ہیں اور پھر

آج کل تو گھر میں پھوپھی اماں اور چچی جان وغیرہ بھی ہیں۔"

بھیّا نے کہا۔

" لیکن تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ مینا کو کوئی کام نہیں آتا "

اُولنے اس کی بڑی اچھی تربیت کی ہے۔

بڑے بھیّا بولے۔

" اصل میں میری بہن کو خود بھی ہر کام سیکھنے کا بہت شوق ہے۔"

" اچھا بھیّا! اب آپ میری قصیدہ خوانی ختم کیجیے اور ناشتہ شروع کیجیے "

بھابی کے آجانے سے مینا کو ایک انجانی سی مسرت ہوتی تھی۔ کالج میں بھی اسی کا خیال آتا۔ شروع میں چند دنوں تک تو اس کی یہ حالت تھی کہ کالج سے جلدی گھر آنے کو دل چاہتا تھا۔ آسیہ اور اس کی سہیلیاں اس کی یہ کیفیت دیکھ کر مذاق اڑاتی کہتی تھیں۔

" تم تو اس طرح گھر بھاگتی ہو جیسے بڑے بھیّا کی نہیں تمہاری شادی ہوئی ہے "

مینا مسکرا کر رہ جاتی۔

وہ دل ہی دل میں سوچتی۔

میں ان لوگوں کو کیسے بتاؤں؟

میں کیا محسوس کرتی ہوں؟

یہ احساس میرے لئے کس قدر دل خوش کن ہوتا ہے کہ۔

میرے علاوہ گھر میں ایک اور ہستی بھی ہے۔

جسے میری آمد کا زیادہ نہ سہی تھوڑا سا تو انتظار رہتا ہے۔

اپنے کالج کی اور اپنی سہیلیوں کی باتیں انہیں بتا کر میں کتنی خوشی محسوس کرتی ہوں

اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات میں ان سے مشورہ کر کے مجھے کس قدر طمانیت ہوتی ہے



اور وہ خود

کتنا پیار بھرا سلوک کرتی ہیں میرے ساتھ۔

میری باتوں کو کس قدر توجہ اور دلچسپی سے سنتی ہیں۔

پہلے میری زندگی میں یہ سب کچھ بھلا کہاں تھا۔

کیسے سپاٹ انداز سے گزر رہے جا رہے تھے شب و روز

وہ دل ہی دل میں دُعا کرتی۔

خدا کرے بیں اور بھابی ہمیشہ اسی طرح پیار و محبت سے رہیں۔

وہ بھیّا سے کئی دفعہ کہہ چکی تھی کہ آپ ایک ڈیڑھ مہینہ کی چھٹی لے کر بھابی کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے چلے جائیں لیکن انہیں چھٹی ہی نہیں مل رہی تھی۔ خدا خدا کر کے انہیں چھٹی ملی تو اس نے بھابی کے ساتھ مل کر ان دونوں کے سامان کی پیکنگ کی۔ بھیّا اور بھابی اسے بھی ساتھ لے جانے پر مُصر تھے۔ لیکن اوّل تو مینا کا کالج کھلا ہوا تھا۔ دوسرے اگر کالج کی چھٹی ہوتی بھی تو وہ ان دونوں کے ساتھ ہرگز نہ جاتی۔ شادی کے بعد ان دونوں کا پہلا تفریحی دورہ تھا۔ مینا کو اس موقع پر کباب میں ہڈی بننا بالکل بھی گوارہ نہ تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے کہہ سُن کر اپنی جان بچائی۔

بھابی کے جانے کے بعد گھر کا سُونا پن مینا کو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ کالج سے آنے کے بعد وہ بہت بور ہوتی تھی۔ چھوٹے بھیّا کو جب بھی وقت ملتا وہ اسے سیر و تفریح کرانے لے جاتے۔ ابّو اسے کبھی پھوپھی اماں کے یہاں چھوڑ آتے، چچی جان کے یہاں تو وہ عموماً کالج سے آسیہ کے ساتھ ہی چلی جاتی۔

شادی کے بعد سے خالہ امی سے اس کی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ کئی دفعہ ان کے گھر جانے کا پروگرام بنایا لیکن موقع ہی نہیں مل سکا ایک روز کالج پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اسٹرائک ہو گئی۔ آسیہ بضد تھی کہ میرے ساتھ گھر چلو۔ آسیہ کے یہاں وہ گزشتہ روز ہی گئی تھی اور چچی جان نے

رات کا کھانا کھائے بغیر اسے واپس نہیں آنے دیا تھا۔ اس کی زبان سے یہ سن کر کہ اب گھر جانا ہے، طلعت افشاں اور شہوار اسے اپنے گھر چلنے کی پیش کش کر چکی تھیں۔ اس پر ان لوگوں کے درمیان باقاعدہ بحث و مباحثہ ہو چکا تھا، لیکن بینا کسی کے ساتھ بھی نہ گئی۔ چپ چاپ گھر واپس آگئی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس پہ وحشت سوار ہو گئی۔ پڑھنے کی تو پڑھا نہیں گیا۔ نوٹس بنانے چاہے تو اس میں بھی دل نہیں لگا۔ وہ کپڑے لے کر گھس گئی۔

پھر کھانا کھانے کے دوران ہی اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ آبو کو ٹیلیفون کر کے خالہ امی کے گھر چلی جائے گی۔ ابو سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا۔

"بینا بیٹے! کل چلی جانا"

"کیوں ابو؟"

"گاڑی آج شام کو ورکشاپ سے واپس آجائے گی"

"میں رکشہ سے چلی جاؤں گی"

"دھوپ تیز ہے"

"کوئی بات نہیں ابو! اب تو میں بالکل تیار ہوں، بہت بوریت ہو گی۔"

ابو کو ہار ماننے ہی بن پڑی۔ بوا نے ملازم لڑکے کو بھیج کر اس کے لئے رکشہ منگوایا۔ نکلتے ہی بینا کو احساس ہوا کہ دھوپ واقعی تیز ہے لیکن پھر یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گئی کہ ذرا سی تو بات ہے ابھی خالہ امی کے گھر پہنچ جاؤں گی۔

لیکن رکشہ بھی بس اپنی مثال آپ تھا بے حد سست رفتاری سے چل رہا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد رک جاتا تھا۔ راستے میں ایک پٹرول پمپ پہ رک کر رکشے والے نے پٹرول ڈلوایا۔ کہیں جا کر اس کی رفتار درست ہوئی۔

رکشہ خالہ امی کے گھر سے قدرے آگے جا کر رکا۔ بینا پرس کھول کر پیسے نکالنے لگی۔



طرف سے کوئی خاتون آ کر کسی علاقے کا نام لے کر پوچھنے لگیں۔

"کیوں بھائی رکشہ والے! چلو گے؟"

رکشہ والے نے یقیناً اثبات میں ہی سر ہلایا ہو گا۔ وہ خاتون رکشہ میں سوار ہو گئیں۔ بینا نے کرائے کے پیسے رکشہ والے کی طرف بڑھائے اور پرس بند کرتے ہوئے ایک نگاہ ان خاتون پر ڈالی۔

اور پھر ———

بینا کی نگاہیں ان کے چہرے پہ جمی رہ گئیں۔

انہیں دیکھ کر اس کے دل میں جو خیال ابھرا تھا۔

اس کا اظہار کرنے کے لئے اس کا دل بے اختیار مچل اٹھا تھا۔

لیکن وہ کچھ بھی تو نہ کہہ سکی۔

اس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔

رکشہ آگے بڑھ گیا۔

وہ اپنی جگہ پہ ساکت کھڑی رکشہ کو نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہوئے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر بوجھل قدموں سے خالہ امی کے گھر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ سوچ رہی تھی۔

کس قدر ملتی ہیں خالہ امی سے

مجھے یقین ہے ———

یہ وہی ہیں۔

ان کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

مگر ——— خالہ امی تو کہتی ہیں وہ ان سے نہیں ملتیں۔

تو پھر؟

لیکن میرا دل پکار پکار کر کہتا ہے کہ

کہ وہ میری امی تھیں

میں خالہ امی سے پوچھوں گی۔

انہوں نے مجھے نہیں پہچانا؟

ان کی نگاہوں میں تو میرے لئے سوائے اجنبیت کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

اس نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

انہوں نے برسوں بعد مجھے دیکھا ہوگا۔

انہیں میری شکل کہاں یاد ہوگی؟

لیکن ——

کیا ان کے خون نے بھی جوش نہیں مارا مجھے دیکھ کر؟

ان کے سینے میں ذراسی بھی تڑپ پیدا نہیں ہوتی؟

اس نے افسردگی سے سوچا اور کال بیل پر انگلی رکھ دی۔

---



بینا اپنی سوچوں میں ڈوبی دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہی تھی دروازہ خالہ امی نے ہی کھولا بینا کو دیکھ کر وہ کچھ چونک سی گئیں۔

انہوں نے کہا۔

"بینا! ارے تم!!"

بینا نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ اس قدر حیران کیوں ہو رہی ہیں؟"

خالہ امی نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"اصل میں مجھے یہ خیال تھا کہ نجمہ آئی ہوگی"

بینا نے سوچا۔

نجمہ آپا تو اس وقت بہت کم ہی آتی ہیں لیکن اس نے خالہ امی سے کچھ نہیں کہا چپ چاپ ان کے ساتھ اندر آگئی۔

بینا محسوس کر رہی تھی کہ خالہ امی کچھ الجھی الجھی سی ہیں۔ شاید اپنی اسی الجھن کی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ کی طرح بینا کا استقبال بھی نہیں کیا تھا ورنہ وہ تو اسے دیکھتے ہی بے اختیار گلے لگا لیتی تھیں۔ اس کی پیشانی چوم لیتی تھیں، ان کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھتا تھا۔

خالہ امی نے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آج تمہارے کالج میں جلدی چھٹی ہو گئی؟"

"جی! کالج سے تو میں بہت جلدی آ گئی تھی۔"

"اچھا کیوں؟"

"اسٹرائک ہو گئی تھی۔"

"کھانا رکھوں تمہارے لئے؟"

"نہیں، میں کھانا کھا کر آئی ہوں"

"عرفان (بڑے بھیا) اور دلہن کا کوئی خط آیا؟"

"جی ہاں، آیا تھا"

"ابھی تو واپسی کا کوئی پروگرام نہیں ہوگا۔"

"نہیں، ان لوگوں کو گئے ہوئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟"

"ہاں، کم سے کم مہینہ بھر تو گھومیں پھریں گے۔"

"جی، بڑی مشکل سے ایک مہینہ کی چھٹی ملی ہے بڑے بھیا کو"

اتنی باتیں کرنے کے بعد بھی خالہ امی اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکی تھیں۔

بینا پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہے خالہ امی! آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں؟"

خالہ امی چونک کر بولیں۔

"کون؟ میں؟ نہیں تو۔"

"مجھے تو کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔"

خالہ امی مسکرا دیں۔ لیکن ان کا انداز کچھ ایسا ہی تھا۔ جیسے زبردستی مسکرا رہی ہ
بینا کے دل و دماغ میں جس خیال نے ہلچل مچا رکھی تھی۔ خالہ امی کے اس انداز
اور بھی تقویت بخشی۔ بینا کچھ دیر تذبذب کا شکار رہی۔ خالہ امی سے پوچھے یا نہ پو
اُس نے اپنے آپ کو تیار کر ہی لیا۔



اس نے خالہ امی کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں خالہ امی؟"

"پوچھو۔"

"ابھی آپ کے پاس کون خاتون آئی تھیں؟"

بینا نے دیکھا۔ خالہ امی کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

انہوں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال کر کچھ کہنا چاہا تو بینا نے کہا۔

"سچ سچ بتایئے، وہ میری امی نہیں تھیں؟"

خالہ امی نے کہا۔

"مجھے پہلے ہی اس بات کا خیال تھا کہ کہیں تمہاری ان کی مڈبھیڑ نہ ہوئی ہو۔"

بینا نے کہا۔

"آپ مجھ سے یہ بات چھپا ہی نہیں سکتی تھیں!"

"ہاں! جب تم نے انہیں دیکھ ہی لیا تھا تو پھر چھپانے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔"

"ویسے تو میرا دھیان بھی نہ جاتا لیکن آپ دونوں کی شکلیں اس قدر ملتی ہوتی ہیں کہ انہیں دیکھتے ہی میرے دل نے کہا کہ اُن کے سوا یہ خاتون کوئی اور نہیں ہو سکتیں۔"

خالہ امی سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہیں۔

بینا نے کہا۔

"آپ کو پتہ ہے خالہ امی! جس رکشے سے میں اتری تھی وہ اسی میں بیٹھ کر گئی ہیں"

"کوئی بات تو نہیں کی تم نے ان سے؟"

"میں تو پیسے نکالنے میں لگی ہوئی تھی۔ جب میری نگاہ ان پر پڑی تو رکشہ چل پڑا۔"

"انہوں نے تو تمہیں پہچانا بھی نہیں ہوگا۔"

بینا نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔

"نہیں، برسوں بعد تو دیکھا ہو گا انہوں نے مجھے۔"
خالہ امی نے رحم آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
ینلا نے پوچھا۔
"کیوں آئی تھیں وہ؟"
"عرفان اور شائستہ کی شادی کی تصویریں چھپی تھیں نا مختلف اخبار اور رسالوں
"جی!"
"وہ ہی نظر سے گزری ہوں گی، اسی کے متعلق پوچھنے آئی تھیں۔"
ینلا نے معصومیت سے پوچھا۔
"گلہ کر رہی تھیں کہ مجھے نہیں بُلایا؟"
خالہ امی خاموش رہیں۔
ینلا نے پھر اپنا سوال دُہرایا تو خالہ امی کچھ تلخ لہجے میں بولیں۔
"ان کا گلہ بیجا تھا۔"
"کیوں؟"
"بُلایا اُسے جاتا ہے جس نے کوئی واسطہ کوئی تعلق باقی رکھا ہوتا ہے۔"
ینلا نے بڑی متانت سے کہا۔
"کچھ بھی سہی، وہ ہماری ماں ہیں، اپنی اولاد کی شادی میں شریک ہونے کا انہیں
"لیکن بیٹی! اس وقت ان کی ممتا کہاں جا سوئی تھی جب ......"
"پچھلی باتیں وقت کے ساتھ گزر گئیں خالہ امی! اب ان کا ذکر بے سود ہے"
خالہ امی گہری سوچوں میں ڈوب گئیں۔
ینلا نے پوچھا۔
"اور کیا کہہ رہی تھیں؟"



یا کہیں گی؟" خالہ امی کے لہجے میں بیزاری تھی۔
ینلا نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔
یرا کوئی ذکر نہیں کیا انہوں نے؟"
ہاں، پوچھ رہی تھیں تمہیں بھی۔"
پ مجھے ان سے ایک دفعہ ملوا دیں خالہ امی!"
نا نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔
ں بیٹا! نہ یہ مناسب ہے اور نہ ہی یہ میرے لئے ممکن ہے۔"
ب ابو اور بھیا وغیرہ سے ڈرتی ہیں نا!"
ہ امی خاموش رہیں۔
ں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دوں گی!"
لہ امی کی نگاہوں میں ہمدردی سمٹ آئی۔
لا نے کہا۔
لا اگر کسی کو علم ہو بھی گیا تو یقین کیجئے میں آپ کے اوپر ایک حرف نہیں آنے دوں گی"
جمیلہ کے گھر کبھی نہیں گئی، مجھے نہیں معلوم وہ کہاں رہتی ہے؟"
با آئندہ جب وہ آئیں تو آپ اُن سے ایڈریس ضرور لے لیجئے گا۔"
ۓ اس کا آنا مشکل ہی ہے۔"
ں؟"
نے اس کی ذرا بھی حوصلہ افزائی نہیں کی۔
یرا دل کہتا ہے کہ آئندہ بھی ضرور آئیں گی۔"
امی نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔
کی آئندہ دیکھی جائے گی۔"

بینا افسردہ سی ہوگئی۔

خالہ امی نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا۔

"تم بھی آتے کے ساتھ ہی کن باتوں میں لگ گئی ہو۔"

بینا پھر بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔

"نجمہ تمہارے لئے ایک قمیص پر پینٹنگ کر رہی تھی، آؤ دکھاؤں۔"

بینا خالہ امی کے ساتھ نجمہ آپا کے کمرے میں آگئی۔ پینٹ کی ہوئی قمیص دل خوش ہوگیا۔ نجمہ آپا نے بڑا حسین اور نازک سا ڈیزائن اتنی بے حد مہارت اور پینٹ کیا تھا۔ اس نے ڈیزائن پر آہستگی سے انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی خشک نہیں ہوا ٹھیک سے۔"

"ہاں، اسی لئے تو اس نے میز پر پھیلا رکھا ہے۔"

"بڑی محنت کی ہے نجمہ آپا نے، حالانکہ اتنی مصروف رہتی ہیں۔"

"وہ تو ایمبرائڈری کرنے کے لئے کہہ رہی تھی۔"

"ایمبرائڈری بھی بہت اچھی کرتی ہیں وہ۔"

بینا خالہ امی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پھر اُن کے کمرے میں آگئی اور ان اتار کر آرام سے لیٹ گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے بینا کا ذہن کچھ دیر طرف سے ہٹ گیا۔ باتیں کرتے ہوئے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں سے واپس آئیں تو بینا نے اُن کی بنائی ہوئی قمیص کی تعریف شروع کر دی۔

وہ کچھ شرمسار ہو کر بولیں۔

"تم تو کچھ زیادہ ہی تعریف کر رہی ہو بینا!"

"نہیں نجمہ آپا! سچ مچ آپ نے بڑی نفاست سے پینٹنگ کی ہے۔"

نجمہ آپا نے کہا۔



"اچھا اب اس ذکر کو چھوڑو اور یہ بتاؤ تم نے اتنے دنوں میں شکل کیوں دکھائی ہے؟"

"معلوم نہیں اتنے دن کیوں لگ گئے؟ حالانکہ میں کوئی ایسی مصروف بھی نہیں تھی۔"

"بھابی کو چھوڑ کر آنے کو دل نہیں چاہتا ہوگا۔"

نجمہ آپا مسکرائیں۔

بینا نے کہا۔

"واقعی، واقعی یہی بات تھی، بھابی ہیں بھی بڑی پیاری۔"

"ہمیں بھی بہت پسند آئیں بھابی۔"

"گھر سُونا ہوگیا ہے ان کے چلے جانے سے۔"

نجمہ آپا نے اُسے تنگ کرتے ہوئے کہا۔

"سُونا گھر جب کاٹ کھانے کو دوڑا تو تمہیں ہماری یاد آئی۔"

بینا بے ساختہ ہنس کر بولی۔

"بات تو ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں آپ۔"

نجمہ آپا مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

شام کو راشد بھیا اُسے لینے آئے تو نجمہ آپا نے قمیص کے کپڑے کے ساتھ ہی سلی ہوئی راسی کا ہم رنگ دوپٹہ بھی پیک کر کے بینا کو دے دیا۔ نجمہ آپا کی اس محبت پر بینا کا دل بار بھر آیا۔ وہ زبان سے کچھ بھی نہ کہہ سکی لیکن اس کی نم ہوتی ہوئی آنکھوں سے جھانکتے بت کے جذبات نجمہ آپا کی نگاہوں سے چھپے نہ رہ سکے۔

اس رات بینا نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر مصروف رکھنے کی بہت کوشش کی۔ کھانا کھانے وہ چھوٹے بھیا اور اسلم بھیا کے ساتھ لان میں بیٹھی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ کے دو ایک اچھے پروگرام بھی دیکھے۔ پھر اپنی کتابیں لے کر پڑھنے بیٹھ گئی لیکن جب بند کر کے سونے کے لئے بستر پر آئی تو سوچوں کے دریچے کھل گئے۔

اس کی نگاہوں کے سامنے ایک چہرہ آگیا۔

جانے کب تک وہ ڈسٹرب رہی۔

رات کا جانے کونسا لمحہ تھا جب اس کی آنکھوں میں ڈھیر سے نیند

اور اپنی پریشان سوچوں سے اُسے نجات ملی۔

بڑے بھیا اور بھابی ہنی مون منا کر واپس آئے تو بینا کا احساس تنہائی کم ہوا

دونوں ہی اس کے لئے بہت سی چیزیں لائے تھے لیکن اُسے ان چیزوں سے زیادہ

آنے کی خوشی تھی۔ بھیا کو وہ بہت کمزور اور دُبلی نظر آرہی تھی ابو اور دوسرے

وہ بھی کہے جا رہے تھے کہ بینا بہت کمزور لگ رہی ہے، بیمار تو نہیں ہوگئی

بھابی بھی کئی دفعہ اس سے پوچھ چکی تھیں۔

"سچ بتاؤ بینا! تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

وہ ایک دم ہنس پڑی۔

"کوئی تکلیف نہیں بھابی!"

"پھر تمہارا چہرہ اس قدر پیلا کیوں ہو رہا ہے؟"

"آپ کو وہم ہوگیا ہے۔"

"تمہارے بھیا کو بھی وہم ہوگیا ہے؟"

"اصل بات یہ ہے کہ آپ لوگوں نے کافی دنوں کے بعد مجھے دیکھا ہے نا!"

"معلوم ہوتا ہے تم اپنے کھانے پینے کا خیال نہیں رکھتیں۔"

"نہیں بھابی! ایمان سے، میں تو خوب ڈٹ کر کھاتی ہوں۔"

"اچھا خیر! اب تو میں آگئی ہوں، دیکھنا تو سہی کیسی صحت بناؤں گی تمہاری

بینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس! اتنا خیال رکھئے گا کہ میری چوڑائی گھر کے دروازوں کی چوڑائی



نہ پائے۔

بڑے بھیا کو تنہائی میں اُس سے بات کرنے کا موقع ملا تو وہ اُسے نصیحت کرنے لگے۔

"دیکھو بینا! میں نے پہلے بھی تمہیں سمجھایا تھا کہ تم اپنے دل و دماغ پر کسی بات کا اثر نہ لیا کرو۔"

"میں تو کسی بات کا اثر نہیں لیتی بھیا!"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔"

بڑے بھیا کے جانے کے بعد اس نے آئینے میں اپنی شکل کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا۔

میں سچ مچ زرد اور کمزور ہوگئی ہوں؟

میں نے تو کبھی غور ہی نہیں کیا۔

میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ میں اپنے دل و دماغ کو نارمل رکھنے میں کامیاب ہوگئی ہوں۔

مجھے احساس بھی نہیں ہوا۔

اور میری پریشان سوچیں میری صحت پر بھی اثر انداز ہونے لگیں۔

یہ نہیں ہونا چاہیئے۔

میں بڑے بھیا کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔

میں خوش رہوں گی۔

اپنے بھائیوں کی خاطر۔

اپنے باپ کی خاطر۔

بھابی کے واپس آجانے سے اس کے شب و روز ایک خوشگوار انداز سے گزرنے لگے۔

گھر کی پڑھائی کے بعد اُس کا بیشتر وقت بھابی کے ساتھ گزرتا تھا۔ تقریباً روز ہی کوئی

پروگرام بن جاتا تھا۔

ایک دن اُس نے سُنا۔ تو پھوپھی اماں سے کہہ رہی تھیں۔

"دُلہن کا پاؤں بھاری ہے۔"

پھوپھی اماں نے کہا۔

"اچھا، بڑی خوشی کی بات ہے۔"

پھر تو اسے کہنے لگیں۔

"آپ ذرا تاکید کر دیجئے گا، اپنا خیال رکھے"

"آپ بھی کہہ دیجئے گا۔"

"ہاں! میں بھی سمجھا دوں گی۔ آج کل کی لڑکیاں تو کسی بات کی پرواہ نہیں"

ایک نئے مہمان کی آمد کی خبر سن کر مینا تو مارے خوشی کے کچھ دیوانی سی ہو گئی۔ تو یہی چاہ رہا تھا کہ بھابی کو خوب چھیڑے اور تنگ کرنے کے بعد بتا دے کہ میں نے خوشخبری سُنی ہے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا کہ کہیں بھابی برا نہ مان جائیں۔ ننھے مہمان کے آنے میں ابھی مہینوں باقی تھے۔ مگر مینا نے دل منصوبے بنانے شروع کر دیئے کہ اس کے لئے کیا کیا چیزیں خریدی جائیں گی کیسے گی اور بھابی کے کمرے میں کس جگہ رکھی جائیں گی۔ ننھی منی فراکیں اور کرتے کن کن رنگ گے۔ چند مہینے اور گزر گئے تو اُس نے سُنا کہ بھابی کے میکے والے اس موقع پر انہیں رکھیں گے۔ مینا کا دل کچھ بجھ سا گیا۔ اس کا دھیان فوراً اس بات کی طرف گیا کہ نہیں ہیں اس لئے بھابی کے گھر والے انہیں اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں۔

اس نے بڑی افسردگی سے بھابی سے کہا۔

"بھابی! میں اور ابّو آپ کا ہر کام کریں گے، آپ کو ذرا سی بھی تکلیف نہیں آپ اپنی امّی کے گھر مت جایئے گا۔"

بھابی نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے مینا۔"

"پھر؟"



"ہم لوگوں میں رواج ہی یہی ہے کہ پہلے بچّے کی پیدائش میکے میں ہوتی ہے۔"

مینا کو اس رواج سے سراسر اختلاف تھا۔ بھابھی کی امّی کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مینا کو بڑے پیار سے سمجھایا۔ بڑی مشکل سے مینا کی سمجھ میں یہ بات آسکی۔ وہ بے حد خوش خوش ڈھیروں چیزیں بنانے والی تھی۔ ابّو اس کے دیوانے پن پر ہنس پڑتیں اور پیار سے کہتیں۔

"بیٹا! اتنی چیزیں مت بناؤ، بچے کے لئے تو عمر اور قد کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً چیزیں بنتی ہیں۔ اس کی ننھیال سے ہی ڈھیروں کپڑے اور دوسری چیزیں ملیں گی۔"

مینا جھینپ کر کہتی۔

"مجھے بھی تو اپنا ارمان پورا کرنا ہے ابّوا۔"

ابّو محبت سے کہتیں۔

"بہت سی چیزیں بنالی ہیں تم نے، باقی بعد میں بناتی رہنا۔"

مینا مسکرا کر رہ جاتی۔

ننھے منے مہمان کی آمد سے تقریباً دس دن قبل بھابی میکے گئیں۔ مینا کو گھر میں پھر سناٹا محسوس لگا۔ ان دنوں ویسے بھی وہ فرصت سے تھی۔ بی۔اے (فائنل) کے امتحان کے بعد گھر میں رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی اور رزلٹ تھا کہ کسی طرح نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ گزشتہ ایک سال کے عرصے میں اُسے بھابی سے بہت اُنسیت ہو گئی تھی۔ اُن کے بے پکچر کا لطف آتا تھا نہ کسی تفریح کا اور نہ کسی کام کا۔ مینا کے لئے وہ بہت اچھی دوست ہوتی تھیں۔ مینا کے ابّو اور اس کے باقی تینوں بھائی بھی اُن سے بہت خوش تھے۔ اپنے اخلاق اور سلیقے سگھڑاپے کی بدولت، انہوں نے ہر ایک کا دل موہ لیا تھا۔ مینا کا وہ کچھ زیادہ خیال کرتی تھیں۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ بڑے بھیا نے روزِ اوّل ہی مینا کی حیثیت ان پر واضح کر دی تھی پھر بھابی خود فطرتاً بہت ہی اچھی تھیں۔

بینا کو اس بات کا اندازہ تھا کہ بہت سے لوگ اس کرید میں لگے رہتے ہیں
اس کے جھگڑے کی کوئی اطلاع کہیں سے مل جائے۔ بھابی کی کسی زیادتی کی خبر اُن
پہنچ جائے یا بھائیوں کی لاڈلی ہونے کی وجہ سے بھابی اور بڑے بھیا کی چپقلش کی
اُنہیں سنا دے۔ ایسی عورتوں سے جب بھی بینا کا سامنا ہوتا، بات کو گھما پھرا کر وہ
اگلوا لینے کے ہی چکر میں ہوتی ہیں۔

بینا کی زبان سے خلاف توقع جوابات سن کر اُن کے مُنہ لٹک جاتے۔

بینا سوچتی۔

"آخر ان عورتوں کو کیا مزہ آتا ہے ایسی باتوں میں؟ اور پھر ــــ جب اس قسم کی بات
ہی نہیں ہے تو میں کیا بتاؤں؟"

پھر ایک صبح وہ سو کر اُٹھی تو بوا نے اُسے خوشخبری سُنائی۔

"مبارک ہو بیٹی! خدا نے تمہیں پھوپھی بنا دیا۔"

بینا خوشی سے بے قابو ہو کر بولی۔

"سچ بوا! کیسی ہے ہماری بھتیجی؟"

"عرفان میاں کہہ رہے تھے، بالکل دلہن پر گئی ہے۔"

"پھر تو یقیناً پیاری ہوگی۔"

وہ بوا اور ابو کے ساتھ ہاسپٹل گئی تو بے اختیار اُس نے بھابی کی پیشانی چوم لی
کمزور ہو رہی تھیں۔ وہ ابھی وہ اپنی بھتیجی کی طرف متوجہ ہوئی۔ بہت صحت مند اور
تھی۔ اُسے دیکھ کر مینا کے ذہن میں بہت سارے خوبصورت اور کومل سے نام آتے
ہی نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کے لئے کون سا نام منتخب کرے۔

بھابی ہاسپٹل سے اپنی امی کے گھر گئیں تو بینا بڑے بھیا کے ساتھ تقریباً روزانہ
گھر پہنچ جاتی تھی۔ بھابی بھی اُسے دیکھ کر خوش ہو جاتی تھیں۔ سب کی متفقہ رائے



خالہ امی کے یہاں بینا خود مٹھائی کا ڈبہ لے کر گئی۔ سب اُسے پھوپھی بن جانے کی مبارکباد دے رہے تھے اور وہ اس طرح خوش ہو رہی تھی جیسے پھوپھی بن کر واقعی وہ کوئی بڑی ہستی بن گئی ہو۔
جب سے بینا نے اپنی امی کو ایک نظر دیکھا تھا خالہ امی کے گھر جاتے ہوتے اس کی نگاہوں کے سامنے ہمیشہ وہی منظر گھوم جاتا تھا اس دوران وہ ان کے گھر کئی بار گئی تھی اور ہمیشہ ایک آس لے جاتی تھی کہ شاید اس دفعہ ان سے ملاقات ہو جائے لیکن ہمیشہ وہ مایوس ہو کر لوٹتی۔ خالہ امی سے جب بھی وہ اُن کے بارے میں پوچھتی وہ یہی جواب دیتیں کہ وہ اس کے بعد نہیں آئیں۔ بینا کا دل بجھ کر رہ جاتا۔

اس دوران بی۔ اے کا رزلٹ نکل آیا تھا۔ بینا اور آسیہ دونوں سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گئیں تھیں۔ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں ان کا ایڈمیشن بھی ہو چکا تھا لیکن کلاسیں باقاعدگی سے شروع نہیں ہوئی تھیں۔ دونوں کبھی کبھار ہی یونیورسٹی جاتی تھیں۔ اُن کی باقی سہیلیاں بھی پاس ہو گئی تھیں لیکن سب نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لیا تھا۔ طلعت نے بی۔ اے کے بعد پڑھائی ختم کر دی تھی اس کی شادی ہونے والی تھی۔ شہوار نے بی۔ ایڈ کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ فرخندہ اور افشاں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن تو لیا تھا لیکن ان دونوں کے ڈیپارٹمنٹ مختلف تھے۔ فرخندہ نے اردو میں اور افشاں نے جنرل ہسٹری میں ایڈمیشن لیا تھا۔ یونیورسٹی کا ماحول کالج کے ماحول سے بالکل مختلف تھا۔ بینا اور آسیہ دونوں کو اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ بینا تو شروع میں چند دن بہت نروس رہی۔ لڑکوں کا ہجوم دیکھتے ہی ایک دم پریشان ہو جاتی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ہیں۔ وہ آگے بڑھ ہی نہیں سکے گی۔ کامن روم سے ڈیپارٹمنٹ تک وہ تنہا جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حالانکہ ابھی تک اُسے اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ اور آسیہ ساتھ ساتھ ہی ہوتی تھیں۔

اس کے برعکس آسیہ کی یہ کیفیت نہیں ہوتی تھی۔ وہ بڑے اعتماد سے سر اُٹھائے چلتی

تھی۔ لڑکوں کو دیکھ کر نہ وہ نروس ہوتی تھی، نہ اس کے قدم اُلٹے سیدھے پڑتے تھے۔ کامن روم سے ڈیپارٹمنٹ تک جانے کے لئے اُسے کسی کے ساتھ کی ضرورت ہو
اس کے اوپر بڑا رشک آتا تھا وہ سوچتی تھی۔

"ارے! آخر میں آسیہ کی طرح کیوں نہیں بن سکتی؟

اپنی پریشانی کا ذکر وہ بھابی کے سامنے کرتی تو بھابی مسکرا کر کہتیں۔

"فکر نہ کرو، تھوڑے دنوں میں تمہاری یہ کیفیت دور ہو جائے گی۔"

"آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا بھابی؟"

"میں بس پہلے ہی دن ذرا سا گھبرائی تھی۔"

"آسیہ بھی مزے میں گھومتی ہے بس میں ہی معلوم نہیں کیوں....؟"

"تم پریشان مت ہو، تمہارے اندر بھی آسیہ کی طرح خود اعتمادی پیدا ہو جا

بھابی اس کی پریشانی صورت دیکھ کر مسکرا دیں۔

بینا نے کہا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے بھابی! میں ایم اے نہیں کر پاؤں گی۔"

"افوہ بھئی! ابھی باقاعدہ پڑھائی تو شروع ہونے دو، ساری گھبراہٹ اور پریشا جائے گی تمہاری۔"

آسیہ بھی اس کی ہمت بندھاتی رہتی تھی۔ تھوڑے دنوں بعد بینا نے محسوس کیا کہ کہتی تھیں۔ میری جو کیفیت پہلے تھی وہ اب تو نہیں رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ خود ہی بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔

وقت چپ چاپ گزرتے جا رہا تھا۔ ایک روز بینا نے سنا کہ فیصل بھائی امریکہ آنے والے ہیں۔ پھوپھی اماں مارے خوشی کے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ شانزیہ اور نا بھی قابلِ دید تھی۔ وہ جب بھی بینا سے ملنے کے لئے آتیں یا بینا خود اُن کے گھر جا



پاس گفتگو کا موضوع فیصل بھائی ہوتے۔

فیصل بھائی آئیں گے تو یہ کریں گے۔

فیصل بھائی آئیں گے تو فلاں پروگرام بنائیں گے۔

فیصل بھائی آئیں گے تو فلاں جگہ جائیں گے۔

فیصل بھائی کے آنے سے ہفتہ بھر پہلے بڑے زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ گھر کونے کونے کی صفائی ستھرائی ہونے لگی۔ شانزیہ اور نازیہ نے بڑی محنت اور چاؤ سے ان کے مرہ سجایا۔ بینا ان دونوں کی نفاست اور سلیقے کو سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

پھوپھی اماں نے بہت اصرار کر کے بینا کو روک لیا۔ وہ سب لوگ بضد تھے کہ فیصل بھائی ستقبال کے لئے باقی سب لوگوں کے ساتھ وہ بھی ایئرپورٹ چلے۔ بینا کو اپنے جانے کی کوئی ضرورت تو محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن ان لوگوں کی خوشی کی خاطر وہ راضی ہو گئی۔ دوسروں کی اور مسرت میں شریک ہونے میں برائی ہی کیا تھی لیکن اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ اگلے روز بینا سو کر و اُسے ٹمپریچر تھا اور جب تک سب لوگ ایئرپورٹ جانے کے لئے تیار ہوتے اس کی طبیعت ہی خراب ہو گئی پھر اس کی ہمت جواب دے گئی اور اس نے نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

جس وقت سب ایئرپورٹ سے گھر واپس آئے مینا تیز بخار میں پھنک رہی تھی
اور نازیہ کی ددھیال کی دو تین بزرگ خواتین اور گھر کی ملازمہ تھی۔ مینا کو ڈاکٹر آکر دیکھ گ
پھوپھی اماں کا فیملی ڈاکٹر تھا اور پھوپھا ابا کے عزیز دوستوں میں سے تھا۔ مینا نے انجکشن
کر کے لگوا لیا تھا۔ لیکن مکسچر اور گولیاں جوں کی توں پڑی تھیں۔ کڑوی گولیاں نگلنا اور
میں انڈیلنا مینا کے لئے سخت دشوار تھا۔

گھر میں سب کی آمد کا شور و غل مچا تو مینا نے بھی کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش
اٹھ کر بستر پہ بیٹھ تو گئی چند قدم چل کر دروازے تک بھی آگئی لیکن اس سے آگے بڑ
میں ہمت نہیں تھی۔ بخار بہت تیز تھا۔ سارے چکروں کے سر ڈولنے لگا۔ وہ ڈگمگاتے
بستر تک واپس آئی اور بے سدھ ہو کر پڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ابّو اور بڑے بھیّا کے ساتھ
اور پھوپھی اماں بھی ادھر آگئیں۔ ابّو اور بڑے بھیّا مینا کو اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہتے
امّاں اور فیصل بھائی کا اصرار تھا کہ مینا انہی کے گھر رہے اور طبیعت ٹھیک ہونے کے
جاتے لیکن ابّو اور بڑے بھیّا ایسی حالت میں اسے اپنی نگاہوں سے دور رکھنے پر کسی
رضامند نہیں ہوتے۔

مینا نیم بے ہوشی کی سی حالت میں ان لوگوں کی طرف دیکھتی رہی اور ان سب
سنتی رہی۔ فیصل بھائی پر اس کی نگاہ پڑی تو فیصل بھائی اس کے قریب آگئے۔
اس کی طرف قدرے جھکتے ہوئے انہوں نے بے حد اپنائیت سے پوچھا۔



"کیسی ہو مینا؟"
مینا نے مدھم آواز میں کہا۔
"بس، ٹھیک ہی ہوں۔"
"بخار تم نے میرے آنے کی خبر سن کر چڑھایا ہے؟"
"نہیں تو، یہ خیال کیوں آیا آپ کو؟" مینا مسکرا دی۔
فیصل بھائی کچھ نہیں بولے۔
بس چپ چاپ اس کی طرف دیکھتے رہے۔
مینا گھر جانے کے لئے گاڑی میں بیٹھنے لگی تو فیصل بھائی اس کے قریب رک کر بولے۔
"بخار کو کب تک رخصت کرنے کا ارادہ ہے؟"
مینا نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
"تم ٹھیک ہو جاؤ تو تم سے ملنے کے لئے آئیں۔"
"اس سے پہلے نہیں آسکتے؟"
"اس سے پہلے آنے کا فائدہ کیا؟"
"کیوں؟"
"جو کچھ میں کہوں گا تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آئے گا۔"
"اچھا۔" مینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

اور پھر جس روز فیصل بھائی مینا سے ملنے آئے گھر میں بھابی، نوا اور مینا کے علاوہ اور
ی نہیں تھا۔ مینا کا بخار ایک روز پہلے ہی اترا تھا لیکن کمزوری بہت تھی۔ بھابی نے تھوڑی
پہلے ہی اس کے کپڑے بدلوا کر اس کی چوٹی کی تھی۔ نوا اس کے لئے گرم گرم یخنی کا پیالہ لئے
آئیں۔ بیماری کے دوران یخنی پی پی کر مینا کا دل بھر گیا تھا۔ اس نے یخنی پینے سے بہت
ار کیا لیکن بھابی نے اس کی ایک نہ سنی اور جب تک مینا نے یخنی پی نہیں لی بھابی اس کے

پاس ہی بیٹھی رہیں۔ اتنی دیر تک بیٹھے رہنے سے مینا کو خاصی تھکن ہو گئی تھی۔ بھابی اُ
کا مشورہ دے کر چلی گئیں۔ کرن کے رونے کی آواز آ رہی تھی وہ بیدار ہو گئی تھی۔

بھابی کے جانے کے تھوڑی دیر بعد گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ مینا تکیوں میں مُنہ
رہی اور پھر شاید اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ وہ پورے طور پر تو نہیں سوئی تھی کچھ غنودگی
کیفیت تھی معلوم نہیں اس حالت میں لیٹے ہوئے اُسے کتنی دیر ہوئی تھی۔ بھابی کی آ
وہ چونک گئی۔

"مینا! دیکھو تو سہی کون آیا ہے؟"

مینا نے لیٹے لیٹے گردن گھما کر دیکھا فیصل بھائی دروازے میں کھڑے تھے اور
کے بستر کے قریب جھکی کھڑی تھیں۔ مینا نے اُٹھنے کی کوشش کی تو بھابی نے اُس کے
ہاتھ رکھ کر اُسے دوبارہ لٹا دیا۔

بھابی نے پوچھا۔

"تم سو گئی تھیں؟"

"جی ہاں! آنکھ لگ گئی تھی۔"

پھر بھابی نے پلٹ کر دروازے میں کھڑے فیصل بھائی کی طرف دیکھا اور بولیں

"ارے! آپ وہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آیئے نا!"

فیصل بھائی مسکراتے ہوتے آگے بڑھ آئے۔

بھابی نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب آپ بیٹھئے اور خود ہی مینا کا حال پوچھ لیجئے۔"

بھابی دروازے کی طرف بڑھیں تو فیصل بھائی نے کہا۔

"اور آپ کہاں چلیں بھابی؟"

"دو، تین کام ادھورے پڑے ہیں۔ انہیں نمٹا کر میں بھی آتی ہوں۔"



فیصل بھائی نے کہا۔

"دیکھئے بھابی! آپ چائے والے کے تکلف میں مت پڑ جایئے گا۔"

بھابی نے کہا۔

"قطعی نہیں! اب تو کھانے کا وقت ہونے والا ہے، کھانے کے بعد بے شک آپ چائے یا کافی کی فرمائش کر سکتے ہیں۔"

"لیکن بھابی کھانا تو....."

فیصل بھائی نے کچھ کہنا چاہا۔

بھابی مسکراتے ہوئے بولیں۔

"مجھے معلوم ہے آپ کو مرچ مصالحوں والے کھانے کی عادت نہیں رہی ہوگی۔"

"لیکن اب آپ میرے لئے کوئی اہتمام نہ کیجئے۔"

"میں کوئی خاص اہتمام نہیں کروں گی۔"

"آپ کچھ بھی نہ کیجئے۔"

"آخر کیوں؟"

"میں گھر جا کر کھا لوں گا۔ وہاں تو کھانا تیار ہی ہوگا میرے لئے۔"

"آپ مریضہ کا حال احوال پوچھئے اور مجھے اپنا کام کرنے دیجئے۔"

بھابی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

بھابی کے جانے کے بعد فیصل بھائی مینا کی طرف متوجہ ہوتے مینا نے پھر اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"تم لیٹی رہو، تم سے اُٹھنے کو کس نے کہا ہے؟"

"میں بہت دیر سے لیٹی ہوئی ہوں۔"

"توکیا ہوا؟"

"تھک گئی ہوں لیٹے لیٹے۔"

"اچھا لیکن زیادہ دیر تک نہ بیٹھنا۔"

ینا اٹھی تو فیصل بھائی نے دونوں تکیے اور صوفے پر سے کشن اُٹھا کر اس کی طرف رکھ دیئے۔ پھر اپنی کرسی بستر کے قریب کھسکا کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"ہوں! اب بتاؤ!"

"کیا؟"

"طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے؟"

"تم تو اس دن بھی یہی کہہ رہی تھیں۔"

"کس دن؟"

"جس دن تیز بخار میں پھنک رہی تھیں۔"

ینا خاموش رہی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"مجھے تو رحم آرہا تھا تمہارے اوپر۔"

"رحم کی کیا بات تھی؟"

"رحم کی بات تو تھی۔"

"معمولی بخار تھا، اُتر گیا۔"

"ہاں، معمولی بخار تھا۔"

"اور کیا؟"



ینکھیں تک تو کھل نہیں رہی تھیں پوری طرح"

ینا کو ہنسی آ گئی۔

فیصل بھائی کرسی کی پشت سے سر ٹکائے، پلکیں جھپکائے، بغیر اس کی طرف دیکھے جا

ینا کو اُن کی نگاہوں کا انداز ہمیشہ کے مقابلے میں قدرے مختلف لگا۔ بس! کوئی نئی، لو کھی اور کوئی عجیب سی بات تھی ان کی نگاہوں میں۔

ینا نروس ہونے لگی۔

فیصل بھائی مسکرا کر بولے۔

کیوں؟ کیا بات ہے؟"

کچھ نہیں"

کچھ تو۔"

ینا نے بات بناتے ہوئے کہا۔

آپ بہت بدل گئے ہیں پہلے سے"

چھا!!"

ی!"

ورا پنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

ہوں؟ مجھے کیا ہوا ہے؟"

کیا ویسی ہی ہو جیسی میں چھوڑ کر گیا تھا؟"

ل"

ذرا آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں۔"

ہاں؟"

"پھر کون کتنا بدلا ہے؟"

"اٹھنے کی ہمت نہیں ہے۔"

فیصل بھائی مسکرا دیئے۔

پھر انہوں نے میز پہ رکھے ہوئے پیکٹ اٹھا کر بینا کے سامنے بستر پر

بینا نے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"کھول کر دیکھو!"

"آپ کھولئے۔"

بینا اتنے سارے تحفے دیکھ کر شرمندہ ہو گئی اور بڑی سنجیدگی سے سوچ

"فیصل بھائی کی یہ حرکت مناسب نہیں ہے"

فیصل بھائی نے اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

بینا نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور بولی۔

"آپ میرے لئے یہ سب چیزیں کیوں لائے ہیں؟"

"میرا دل چاہا۔"

"لیکن ان کی تعداد زیادہ ہے۔"

"نہیں، یہ محض تمہارا خیال ہے۔"

"میں اس میں سے کوئی ایک چیز لے لیتی ہوں"

"اور باقی کا کیا کروں؟"

"شازیہ اور نازیہ کو دے دیجئے۔"

"ان کی چیزیں ان کو پہلے ہی دی جا چکی ہیں۔"



"[illegible] دیجئے۔"

"[illegible] بہت دے دیا ہے۔"

"تو پھر ایسا کیجئے۔"

"جی فرمائیے۔"

"یہ سب چیزیں آپ حفاظت سے رکھ دیجئے۔"

"کس کے لئے؟"

"ہماری ہونے والی بھابی کے لئے۔"

فیصل بھائی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"کیوں؟ میں نے صحیح مشورہ دیا نا!"

"آپ کے مشورے کا شکریہ! لیکن آئندہ آپ اس قسم کی کوئی فضول بات مجھ سے نہ کیجئے گا۔"

"میں نے کوئی فضول بات تو نہیں کی۔"

فیصل بھائی چپ چاپ بیٹھے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کے چہرے سے سرا سر
گی ظاہر تھی۔

بینا مسکرا کر بولی۔

"اس میں ناراض ہونے کی کون سی بات ہے؟"

"نہیں، بے حد خوش ہونے کی بات ہے۔"

"اور کیا؟ آپ کی شادی نہیں ہوگی؟"

"معلوم نہیں"

"یا پھر۔۔۔"

بینا کہتے کہتے رک گئی۔

فیصل بھائی نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

بینا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے امریکہ میں ہمارے لئے بھابی جان ڈھونڈ لی ہو۔"

"اور کچھ؟"

"اور یہ کہ وہ بھی عنقریب ہی یہاں پہنچنے والی ہوں۔"

فیصل بھائی نے قدرے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"بینا! تمہیں معلوم ہے نا میرا غصہ بہت خراب ہے۔"

بینا پچھلی باتیں یاد کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں! آپ کو غصہ بڑی جلدی آجاتا تھا۔"

"سب میرے غصے سے ڈرتے تھے۔"

"لیکن میرے اوپر تو آپ کو کبھی بھی غصہ نہیں آیا۔"

"ہاں! تمہارے اوپر میں نے کبھی غصہ نہیں کیا۔" فیصل بھائی کی آنکھیں سوچ

"کیوں؟"

"فیصل بھائی کچھ نہیں بولے۔ ایک ٹک اس کی طرف دیکھتے رہے۔

بینا نے پھر اُن سے اصرار کیا کہ وہ کوئی ایک تحفہ اسے دے دیں اور باقی

بضد تھے کہ اُسے سب چیزیں لینی پڑیں گی۔

بینا زچ ہو کر بولی۔

"آخر آپ کو ضرورت کیا تھی میرے لئے اتنے بہت سارے تحائف خرید

"یہ میں بہتر سمجھتا ہوں۔"

"مجھے بھی سمجھا دیجئے۔"

"فی الحال میرا ہی سمجھنا کافی ہے۔"

پھر بینا کچھ نہیں بولی۔



اس نے سوچا۔

فیصل بھائی سے بحث کرنا بیکار رہے وہ بے حد ضدی ہیں۔ اس نے تھکے تھکے انداز سے

ل بھائی کی طرف دیکھا۔

کی نگاہیں اسی کے چہرے پہ تھیں۔

لیکن جانے وہ کن سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

بینا نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں فیصل بھائی؟"

فیصل بھائی چونک گئے۔

مسکرا کر بولے۔

"کچھ نہیں۔"

"پھر بھی کچھ تو۔"

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب تمہیں لیٹ جانا چاہیئے۔"

"کیوں؟"

"تم بہت تھکی ہوئی نظر آرہی ہو۔"

"نہیں، آپ کو ویسے ہی تھکی ہوئی نظر آرہی ہوں۔"

بینا نے جھوٹ بولا ورنہ حقیقت تو یہی تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔

فیصل بھائی بار بار کہے جارہے تھے

"تم لیٹ جاؤ۔"

بینا انکار کئے جارہی تھی۔

فیصل بھائی مسکرا کر بولے۔

"تم بھی کچھ کم ضدی نہیں ہو۔"

مینا سر جھکائے مسکراتی رہی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"دیکھو! میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ تم لیٹ جاؤ ورنہ میں اُٹھ کر چلا جاؤں گا۔"

"آپ کو جانا ہی ہوگا، اس بات کی آڑ خواہ مخواہ لے رہے ہیں۔"

"بھابی بے چاری میرے لئے اہتمام کر رہی ہیں۔ ایسے تو نہیں چلا جاؤں گا۔"

"اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔"

فیصل بھائی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تم میری بات نہیں مانتیں، میں جا رہا ہوں۔"

مینا نے پوچھا۔

"موڈ خراب کر کے تو نہیں جا رہے؟"

"فرض کرو موڈ خراب کر کے ہی جا رہا ہوں پھر؟"

"موڈ خراب کر کے نہ جائیے۔"

"تمہیں واقعی میری اتنی پرواہ ہے؟"

فیصل بھائی کرسی کی پشت پہ دونوں ہاتھ رکھے، قدرے آگے کو جھکے اُ
رہے تھے۔

"میں تو سبھی کی پرواہ کرتی ہوں۔"

"میں تو صرف اپنی بات کر رہا ہوں۔"

مینا نے سوچا۔

"وہ فیصل بھائی کی اس بات کا کیا جواب دے۔"

وہ نظریں جھکائے سوچوں میں ڈوبی رہی۔ فیصل بھائی پلٹ کر میز
میگزین کی ورق گردانی کرنے لگے۔ مینا نے کشن سرکا کر ایک طرف رکھے اور



ـ گئی۔ اپنے پیروں کے قریب پڑی ہوئی گلابی رنگ کی چادر گھسیٹ کر اُس نے گردن تک اوڑھ
ـ یہ ـ دیکھتے ہی اُسے سکون کا احساس ہوا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔

چند منٹ بعد اُسے فیصل بھائی کی آواز سنائی دی۔

"مینا سو گئیں؟"

مینا چونک گئی۔

اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

فیصل بھائی اس کے بستر کے بالکل قریب کھڑے، جھکے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

مینا نے کہا۔

"سوئی تو نہیں تھی۔"

"پھر؟"

ویسے ہی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔"

فیصل بھائی اسی طرح جھکے کھڑے رہے۔

پھر قدرے مدھم آواز میں بولے۔

کتنی کمزور ہو گئی ہو مینا!"

اُن کی نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی ہوئی تھیں۔

مینا کچھ نہیں بولی۔

جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔"

نہوں نے بے حد اپنائیت سے کہا اور سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے دریچے سے باہر
لگے۔

مینا نے ذرا سا سر گھما کر فیصل بھائی کی طرف دیکھا۔
س نے سوچا۔

فیصل بھائی پہلے سے کتنے بدل گئے ہیں۔
پہلے ان کی ایسی شاندار صحت کہاں تھی؟
اس روز تو بخار سے میری اتنی بری حالت تھی کہ میں فیصل بھائی کو غور سے
سکی تھی۔ اپنی آخری بھیجی ہوئی تصویر کے مقابلے میں وہ کہیں زیادہ اچھے ہیں۔
فیصل بھائی کے ہلکے خمدار بالوں سے الجھتی ہوئی اس کی نگاہیں ان کے
پر جم کر رہ گئیں۔
وہ کھوئے کھوئے سے کھڑے کھلے ہوئے دریچے سے باہر دیکھے جا رہے
پہلے فیصل بھائی ایسی گہری گہری سوچوں میں نہیں ڈوبا کرتے تھے۔
معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے فیصل بھائی کو؟
بینا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے سوچا۔
اسی لمحے فیصل بھائی نے ایک دم بینا کی طرف دیکھا۔
بینا کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ مسکرا دیئے۔



اگلی بار جب فیصل بھائی آئے تو بینا پوری طرح صحت یاب ہو چکی تھی۔ بیماری کے دوران بھابی نے اس کی بہت دیکھ بھال کی تھی اور اس کی غذا کا خاص خیال رکھا تھا، بینا کا خیال تھا کہ چند دنوں میں اس کی صحت پہلے کے مقابلے میں زیادہ اچھی ہو گئی تھی۔ اس نے باقاعدگی سے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا اور کمزوری کا اسے احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

اس روز فیصل بھائی کی دعوت تھی۔ انہوں نے تو ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن بھابی نے ان کی ایک نہیں سنی۔ بے چاری بھابی بوا کے ساتھ باورچی خانے میں سارا دن مصروف رہیں۔ انہیں ڈبل محنت کرنی پڑ رہی تھی۔ فیصل بھائی کا سارا گھر مدعو تھا۔ فیصل بھائی کے لئے بھابی نے بغیر مرچ مصالحے والی اسپیشل ڈشیں تیار کی تھیں اور باقی سب لوگوں کے لئے وہی تمام کھانے تھے جو عام طور پر دعوتوں میں ہوتے ہیں۔ بینا نے بھابی کا ہاتھ بٹانے کی بہت کوشش کی لیکن بھابی اس سے کوئی بھی محنت طلب کام لینے پر آمادہ نہیں ہوئیں۔

"تم ابھی بیماری سے اٹھی ہو، رہنے دو،"

"بینا تھکن ہو جائے گی،"

بھابی ہر دفعہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اسے باورچی خانے سے باہر بھیج دیتیں۔ بوا بھی اسے کسی کام میں ہاتھ نہیں لگانے دے رہی تھیں۔

پھوپھی جان وغیرہ نے رات ہونے کا انتظار نہیں کیا۔ ان کی پوری فیملی شام ہی سے آ گئی۔
بینا سر جھاڑ منہ پہاڑ پھر رہی تھی۔ بھابی نے تو خیر پھر بھی دوپہر کو نہا کر کپڑے بدلے تھے۔ گاڑی کا

بان سن کر بھابی نے اپنے قریب کھڑی مینا سے کہا۔

"تم نے ابھی تک کپڑے نہیں بدلے مینا!"

"ہاں بھابی! لیکن خیر......"

"کیوں؟"

"کوئی بات نہیں، سب گھر کے ہی لوگ ہیں۔"

مینا بھابی کے ساتھ ان لوگوں کے استقبال کے لئے باہر نکل گئی۔ ابو نماز پڑھ رہے

بڑے بھیا غسل خانے میں تھے۔

شازیہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"بینا! تم یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم دعوت کھانے کی وجہ سے جلدی آ گئے ہیں۔"

پھوپا جان مسکرا کر بولے۔

"چور کی داڑھی میں تنکا اسی کو کہتے ہیں"

نازیہ نے کہا۔

"ایمان سے ہم تو بھابی کا ہاتھ بٹانے کے خیال سے جلدی آ گئے ہیں۔"

فیصل بھائی گاڑی کو لاک کرتے ہوئے بولے۔

"ہاں! جیسے بھابی تم دونوں کے انتظار میں اب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہ

شازیہ نے کہا۔

"بھائی جان! آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہم نے دوپہر ہی بھابی کو ٹیلیفون

بہت اصرار کیا تھا۔"

فیصل بھائی اسے تنگ کرتے ہوئے بولے۔

"اس بات کے لئے اصرار کیا تھا کہ ہم رات کی بجائے شام ہی کو دعوت کھانے آ



بھابی نے بیچ بچاؤ کراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی فیصل! تم تنگ نہ کرو، ان دونوں نے واقعی بڑی محبت اور خلوص سے اپنی مدد

پیشکش کی تھی"

"لیکن بیٹی! ٹیلیفون پر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

پھوپا جان نے بھی لقمہ دیا۔

"ہاں اور کیا! اگر واقعی مدد کرنا چاہتی تھیں تو بغیر ٹیلیفون کئے یہاں پہنچ جاتیں۔ دونوں شائستہ

ن کوئی بھگا تھوڑی دیتی انہیں"

شازیہ روہانسی ہو کر بولی۔

"ابو! آپ بھی مل گئے ہیں بھائی جان کے ساتھ"

اندر سے بڑے بھیا نکل آئے اور علیک سلیک کے بعد بولے۔

"آپ لوگوں نے یہاں کھڑے کھڑے ہی میٹنگ شروع کر دی، اندر بیٹھ کر اطمینان سے

نے معاملات طے کیجئے"

شازیہ اور نازیہ مینا کے ساتھ باہر ہی ٹھہر گئیں۔ فیصل بھائی نے برآمدے کے آخری سرے

پہنچ کر پلٹ کر دیکھا، ان تینوں کو وہیں کھڑے دیکھ کر واپس آئے۔

"تم تینوں یہاں کیوں رک گئیں؟"

مینا نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی برائیاں کرنے کے لئے۔"

فیصل بھائی بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ کر بولے۔

"تم! اور کسی کی برائی کرو، ناممکن سی بات ہے"

"کیوں؟" مینا نے پوچھا۔

"وہ لڑکیاں ہی اور ہوتی ہیں۔ جو کسی کی برائی کیا کرتی ہیں"

مینا کا چہرہ سنجیدہ ہوگیا، وہ بڑی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اسے احساس ہی نہیں ہوا

ایک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ وہ چونکی تو اس وقت جب شازیہ نے فیصل بھا

"خیریت تو ہے بھائی جان! آپ مینا کو اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

نازیہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے مینا کو نظر لگانے کا ارادہ ہے"

مینا جھینپ کر بولی۔

"میرا حلیہ دیکھ رہی ہو تم؟"

"ہاں! کیوں نہیں؟"

"پھر بھی؟"

"یہی تو اصل بات ہے کہ اس عالم میں بھی قیامت ڈھا رہی ہو۔"

مینا نے کہا۔

"بے وقوف مت بناؤ"

پھر وہ شازیہ سے مخاطب ہو کر بولی۔

"آپ سمجھا نہیں سکتیں نازیہ کو؟"

شازیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا سمجھاؤں؟ ٹھیک تو کہہ رہی ہے۔"

فیصل بھائی بولے

"تم لڑکیوں کے پاس بھی فضول باتیں ہیں"

نازیہ نے کہا

"دیکھئے بھائی جان! اب آپ۔ نہ مانیں تو وہ الگ بات ہے ورنہ آپ کے دل



ہے جس کا ہم نے اظہار کر دیا"

مینا نے کہا

"میرا خیال ہے آپ لوگ بھی اندر چل کر بیٹھیں"

"... اور تم؟"

"میں غسل کرنے جا رہی ہوں، ذرا اپنا حلیہ ٹھیک ٹھاک کر لوں۔"

فیصل بھائی بے اختیار بولے

"کیا ضرورت ہے حلیہ ٹھیک کرنے کی؟ تم اسی طرح اچھی لگ رہی ہو۔"

شازیہ نے فوراً بات پکڑ لی۔

"دیکھا نازیہ! بھائی جان کے دل کی بات بھی آخر کار زبان پہ آ ہی گئی۔"

فیصل بھائی ہنستے ہوئے اندر چلے گئے۔

مینا بھی شازیہ اور نازیہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

مینا غسل کر کے اپنے کمرے میں آئی۔ تو شازیہ اور نازیہ میز پر چائے اور دیگر لوازمات سجائے اس کا ہی انتظار کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی نازیہ نے کہا۔

"دیکھو! تمہارے انتظار میں ہم نے ابھی تک چائے بھی نہیں پی"

مینا کے چھوٹے بھائی جان — ارشد نے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بڑی بڑی بات ہے، غلط بیانی سے کام نہیں لینا چاہیئے"

"کیا مطلب؟" نازیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ وہاں سب کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی چکی ہو اور کہہ رہی ہو کہ ..."

"کمال کرتے ہیں آپ ارشد بھائی! ہم نے کب پی چائے؟"

ارشد بھائی سنجیدگی سے بولے۔

"بھئی! اگر تمہارا دل اور چائے پینے کو چاہ رہا ہے تو پی لو، جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

شازیہ نے کہا

"معلوم ہوتا ہے آپ کی نیت ٹھیک نہیں ہے"

"کیوں؟ میری نیت کو کیا ہوا؟"

"آپ کا دل اور چائے پینے کو چاہ رہا ہے۔"

"اور سے تمہاری کیا مراد ہے؟ میں نے چائے پی کہاں ہے؟"

نازیہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"اُفوہ ارشد بھائی! اتنا بڑا جھوٹ!!!"

"جھوٹ بولتی ہو گی تم، چلو میرے لئے چائے بناؤ۔"

ارشد بھائی نے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔

شازیہ نے کہا

"میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا آپ کو چائے پیتے ہوئے"

ارشد بھائی نے کہا۔

"اچھا بھائی! اب ختم کرو اس جھگڑے کو، ہوئی غلطی"

نازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلئے آپ معاف کر دیجئے۔"

بینا تولیہ سے اپنے بالوں کو خشک کرتے ہوئے ان تینوں کی نوک جھونک سُن سُن کر مسکرا

ارشد بھائی نے بینا کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھا لیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ

پیار سے بولے۔

"میری بہن کیوں اتنی چُپ چُپ ہے؟"

بینا نے اپنے گیلے بالوں کو پشت پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ تینوں کی نوک جھونک سُن رہی ہوں۔"



نازیہ نے پوچھا

"محظوظ بھی ہو رہی ہو؟"

"بہت محظوظ ہوئی"

ارشد بھائی نے کہا۔

"آج بہت تھک گئی ہے بینا"

بینا ہنس کر بولی۔

"میں نے تو کوئی کام ہی نہیں کیا"

"کچھ نہ کچھ تو کیا ہی ہو گا؟"

"کچھ بھی نہیں کیا بھائی جان! بے چاری بھابی اور تُوبا ہی لگی رہیں سارا دن"

ارشد بھائی بولے

"ہماری بھابی واقعی بڑی گریٹ ہیں۔"

شازیہ نے بھی بھابی کی شان میں قصیدہ خوانی کی۔

نازیہ نے کہا۔

"خدا کرے ہماری بھابی بھی ایسی ہی آئیں"

ارشد بھائی نے کہا

"کہو تو میں ڈھونڈ دوں تمہارے لئے بھابی"

"ڈھونڈ دیجئے، نیکی اور پوچھ پوچھ۔"

شازیہ نے کہا

"لیکن شرط یہی ہے کہ شائستہ بھابی جیسی ہی ہوں۔"

ارشد بھائی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اچھی بات ہے، اپنے دوستوں سے کہوں گا کہ بھائی سب اپنی اپنی بہنوں کے دیدار

کرا دو۔"

"آپ تو مذاق کر رہے ہیں۔"

"اس سے پہلے تم نے مجھے کبھی مذاق کرتے دیکھا یا سنا ہے؟"

"زیادہ تر مذاق ہی کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے۔"

"کیوں بدنام کر رہی ہو؟"

نازیہ نے مینا کے لئے چائے بناتے ہوئے کہا۔

"مینا! آسیہ کو بلایا ہے تم نے؟"

مینا نے کہا

"بھابی نے تو سبھی کو بلایا تھا لیکن چچا میاں اور چچی جان تکلف کر گئے۔"

شازیہ نے پوچھا۔

"آسیہ تو آئے گی نا!"

"وعدہ تو کیا ہے اس نے۔"

ارشد بھائی نے کہا۔

"وہ وقت پر آئے گی، تم دونوں کی طرح اسے دعوت کھانے کی جلدی تو ہے

شازیہ نے کہا۔

"آپ کی طرح ہماری نیت خراب نہیں ہے"

ارشد بھائی اٹھ کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولے۔

"رات کو کھانے کی میز پر سب دیکھ لیں گے، نیت خراب ہے یا نہیں۔"

"کیوں؟ میں بہت کھاتی ہوں؟"

"مابدولت نے تو تمہیں ہمیشہ لمبے لمبے ہاتھ مارتے ہی دیکھا ہے"

نازیہ جل کر کچھ کہنے ہی والی تھی مگر ارشد بھائی جلدی سے چلے گئے۔



شازیہ نے کہا۔

"یہ کسی وقت سنجیدہ ہی نہیں رہتے۔ ڈاکٹر بن کر کیا پریکٹس کریں گے؟"

نازیہ نے کہا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ ان کی خوش مزاجی کی وجہ سے مریضوں کا آدھا مرض دور ہو جائے گا۔"

"ہاں، یہ تو خیر ٹھیک ہے مگر کسی وقت تو آدمی سنجیدہ رہے۔"

اس وقت باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ مینا اٹھ کر دریچے کے قریب چلی گئی اور باہر جھانکتے
ئے بولی۔

"آسیہ اور چچا میاں آئے ہیں۔"

آسیہ کے ساتھ چچا میاں بھی اندر آئے۔ سب نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر وہ
پنے کسی دوست کے گھر رات کے کھانے پر مدعو تھے۔

رات کو کھانے کی میز پر ہر شخص بھابی کے ہاتھ کے پکے ہوئے لذیذ کھانوں کو سراہ رہا تھا۔
ل بھائی کے لئے بھابی نے جو اسپیشل ڈشیں تیار کی تھیں وہ ان کی تعریف کئے جا رہے تھے
ت گئے جب سب لوگ رخصت ہوئے تو بھابی اور بوا تھک کر چور ہو گئی تھیں۔ آسیہ کو سب نے
ک لیا تھا۔ آسیہ نے اپنے ابو کے دوست کے گھر پہ انہیں ٹیلی فون کر دیا تھا کہ وہ وہاں سے
بھی پر اسے لینے کے لئے نہ آئیں۔

فیصل بھائی کی کامیابی کی خوشی میں پھوپھی اماں نے خاصے بڑے پیمانے پر میلاد شریف کا
ام کیا تھا۔ رات کے کھانے کا بھی انتظام تھا۔ سارے رشتے دار اور ملنے جلنے والے مدعو تھے
دیں دور دراز باقی تھے۔ جبھی ایک شام فیصل بھائی چلے آئے۔ اس روز یونیورسٹی سے واپسی پر
ر مینا کے ساتھ ہی چلی آئی تھی، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد باتیں کرتے کرتے دونوں ایسا سوئیں
شام کے جھٹپٹے سے پہلے کسی کی آنکھ ہی نہیں کھلی۔ مینا ذرا دیر پہلے ہی نہا کر نکلی تھی اور اپنے کمرے
ے سامنے والی گیلری میں کھڑی بال سکھا رہی تھی۔ اس کے باہر نکلتے ہی آسیہ غسل خانے میں

گھس گئی تھی۔ بینا پشت پر تولیہ پھیلائے اپنے اُلجھے بالوں کو انگلیوں سے الگ الگ کر رہی تھی
قدموں کی آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا فیصل بھائی تھے۔

بینا نے پوچھا۔

"آپ کب آئے؟"

"بہت دیر ہو گئی، تمہیں تو سونے سے ہی فرصت نہیں ملتی"

"جھوٹ، میں سو کر اُٹھی تھی تو آپ کی گاڑی نہیں تھی"

"گاڑی بے شک نہیں ہوگی"

"گاڑی نہیں تھی تو آپ کیسے آ گئے؟"

"میں کہیں آنے جانے کے لیئے گاڑی کا محتاج تو نہیں ہوں"

"اُفوہ بھئی! آپ تو...."

"ہاں! کہو، کہو، رُک کیوں گئیں؟"

"نہیں، کچھ نہیں کہنا مجھے"

"کیوں؟ ناراض ہو گئیں؟"

"نہیں! ناراضگی کی کیا بات ہے؟" بینا نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"اچھا اگر ناراضگی کی بات نہیں ہے تو پھر چلنے کی تیاری کر لو"

"کہاں چلنے کی؟"

"گھر"

"کیوں؟"

"تمہیں معلوم نہیں امی کیا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں؟"

"اچھا! آپ کی مراد میلاد اور دعوت سے ہے"

"جی، آپ بالکل ٹھیک سمجھیں"



"لیکن ابھی تو دو دن باقی ہیں"

"جی! یقیناً دو دن باقی ہیں لیکن آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

"کیسا ارادہ؟"

"عین وقت پر پہنچیں گی آپ؟"

"نہیں تو"

"بالکل یہی بات ہے تاکہ کام نہ کرنا پڑے"

بینا شرمندہ ہو کر بولی۔

"نہیں فیصل بھائی! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"

"پھر اس قدر سوال جواب کیوں کر رہی تھیں؟"

بینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

چند سیکنڈ تک وہ چپ چاپ کھڑی فیصل بھائی کی طرف دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

"کیا پھوپی جان نے بلایا ہے؟"

"پھر وہی بات، پھوپھی جان بلائیں گی، تمہیں خود خیال نہیں کہ اس موقع پر گھر میں بہت کام ہوگا ہاتھ بٹانے کے لئے تمہیں وہاں پہلے سے جانا چاہیئے۔"

بینا سر جھکائے سوچوں میں ڈوبی کھڑی رہی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"تمہارا موڈ نہیں ہے تو میں امی سے کہہ دوں گا کہ بینا نہیں آنا چاہتی"

بینا نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں فیصل بھائی! ایسی بات نہ کہیئے گا"

"کیوں؟"

"پھوپھی اماں کیا سوچیں گی؟"

"کچھ نہ کچھ تو سوچیں گی ہی۔"

"آسیہ کو بھی بلایا ہو گا انہوں نے۔"

"آسیہ کو بلایا یا نہیں، میں تو صرف تمہاری بات کر رہا ہوں"

مینا نے کہا۔

"اچھا! میں کل آ جاؤں گی۔"

"اس وقت چلنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟"

"اصل میں کل پیپر ٹیسٹ ہے۔"

"تو وہیں پڑھ لینا۔"

"نہیں، میں کل ہی آ جاؤں گی اور ویسے بھی آج تو کوئی کام ہی نہیں ہو گا۔"

"اچھا چلو بخش دیا۔" فیصل بھائی کا انداز شاہانہ تھا۔

دوسرے روز شام کو مینا پھوپھی اماں کے گھر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اسلم بھا
کسی دوست کے گھر جانا تھا۔ ابو نے ان سے کہا تھا تم مینا کو چھوڑتے ہوئے چلے جانا۔ مینا
میں ضرورت کی چیزیں رکھ رہی تھی۔ جبھی فیصل بھائی اسے لینے آ گئے۔ گھر کے دوسرے
مل کر وہ اس کے پاس آئے تو مینا نے کہا۔

"آپ نے ناحق تکلیف کی، میں ابھی تھوڑی دیر میں اسلم بھائی کے ساتھ پہنچنے ہی وال

"میں نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو تم اپنے وعدے سے پھر جاؤ اس لئے خود ہی پہنچ گ

مینا نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"ایسی بھی کیا بے اعتباری۔"

"کیا کروں، زمانہ ہی ایسا ہے۔"

مینا نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"جس پر اعتبار کرو وہی دھوکہ دے جاتا ہے۔"



"خیریت! آخر کون دھوکہ دے گیا آپ کو؟"

"دھڑکا تو لگا ہی رہتا ہے نا!"

"کس بات کا دھڑکا؟"

"...نے کہا، کہیں دھوکہ نہ دے جائے۔"

"ہوں! تو یہ بات ہے۔"

مینا نے معنی خیز انداز سے ان کی طرف دیکھا۔

"اب دیکھو نا! کیا خبر تم ہی مجھے دھوکہ دے جاؤ۔"

مینا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں!؟"

"ہاں۔"

"میں کس سلسلے میں دھوکہ دوں گی آپ کو؟"

"سلسلہ؟ کوئی بھی سلسلہ ہو سکتا ہے۔"

مینا کچھ الجھ کر بولی۔

"معلوم نہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔"

"ایک تو یہ بڑی مشکل ہے کہ تمہاری سمجھ میں میری باتیں ہی نہیں آتیں۔"

مینا نے کہا

"اچھا یہ بتایئے چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

"تیاری ہو گئی تمہاری؟"

"جی۔"

"کوئی زرق برق جوڑا بھی رکھ لیا ہے یا نہیں؟"

"زرق برق جوڑا!"

"ہاں"

"وہ کس لئے؟"

"تقریب والے روز پہننے کے لئے۔"

"زرق برق جوڑا پہننا ضروری ہے؟"

"اب یہ تو مجھے معلوم نہیں ضروری ہے کہ نہیں لیکن اس روز لڑکیوں کے ٹھاٹ... ہوں گے۔"

"اچھا!"

"ہاں! شازیہ اور نازیہ بھی بڑے زور دوں میں تیاری کر رہی ہیں۔"

"کرنی بھی چاہیئے، خوشی کا موقع ہے۔"

"اسی لئے تو پوچھ رہا ہوں کہ تم نے بھی کوئی تیاری کی ہے یا نہیں؟"

"مجھے زرق برق کپڑوں سے اُلجھن ہوتی ہے۔"

"یہ سمجھ لو، امی تمہیں قیمتی اور بھاری سا جوڑا پہنوائے بغیر مانیں گی نہیں۔"

"پھر تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

"میں نے اسی لئے تمہیں ابھی سے بتا دیا ہے۔"

"مینا نے کہا۔"

"خیر دیکھا جائے گا، فی الحال تو آپ چلئے۔"

فیصل بھائی نے اس کا چھوٹا سا اٹیچی کیس تھام لیا۔ گھر میں اس وقت ابّو، بڑے... اور بُوا تھیں۔ وہ ان لوگوں سے مل کر ننھی کرن کو خوب پیار کر کے فیصل بھائی کے ساتھ ... میں آ بیٹھی۔



تقریب والے روز پھوپھی اماں کے گھر بہت ہنگامہ تھا۔ فیصل بھائی کی چچا زاد اور پھوپھی زاد بہنیں ...ں پہلے سے آئی ہوئی تھیں بلکہ وہ لوگ تو مینا سے بھی ایک روز قبل ہی پہنچ گئی تھیں۔ آسیہ، مینا کے ...پہنچنے کے تقریباً دو گھنٹے بعد آئی۔ مینا نے محسوس کیا کہ فیصل بھائی کی چچا زاد اور پھوپھی زاد بہنیں اسے ...ہ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ رہی تھیں، خاص طور سے اس وقت، جب مینا فیصل بھائی کے ...ساتھ پھوپھی اماں کے گھر پہنچی، ان لوگوں نے مینا کو بڑی آڑی ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت ...مینا نے ان کی آڑی ترچھی نگاہوں کی طرف اتنی زیادہ توجہ نہیں دی۔ لیکن جب دو، تین روز ...ان لوگوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا پڑا تو ان کے ذومعنی جملوں اور ڈھکے چھپے طنز سے مینا سمجھ گئی کہ ...صل بھائی کا اسے مخاطب کرنا ان لوگوں کو سخت ناگوار گزرتا تھا۔ مینا خود تو فیصل بھائی کو مخاطب ...رنے سے احتراز ہی کرتی تھی۔ لیکن منیزہ، نگہت اور شمسہ کی نگاہوں کا انداز محسوس کر کے وہ فیصل ...جائی سے کترانے لگی۔ مینا کے لئے یہ سلوک سخت تکلیف دہ تھا۔ وہ نہ خود کسی کا دل دکھاتی تھی۔ ...ر نہ یہ بات اس کے لئے قابلِ برداشت تھی کہ دوسرے لوگ محض غلط فہمی کی بنا پر اس کی ...زاری کریں۔

وہ بچی نہیں تھی، نا سمجھ نہیں تھی جو منیزہ، نگہت اور شمسہ کے ڈھکے چھپے طنزیہ جملوں کا مطلب ...سمجھ سکتی۔ ان لوگوں کی ذہنیت پر وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہی اور ان کی ہر بے جا بات کو نظر انداز ...کرتی رہی۔ پلٹ کر جواب دینا اس کی عادت نہیں تھی۔ تقریب والے روز فیصل بھائی کی پھپھو ...پھوپھی نے بھی اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

مینا نے نگہت، شمسہ اور منیزہ کی طرح بے تحاشا موڈرن بننے کی کوشش قطعی نہیں
نے اپنے چہرے کے اصلی خدوخال کو گہرے اور چمکیلے میک اپ کی تہوں کے نیچے چھپا
کی تھی اس نے موقع کی مناسبت سے کپڑے پہنے تھے اور ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا جب
نے کیل کانٹوں سے لیس ہونے میں کافی وقت صرف کیا تھا پھر بھی مینا ان لوگوں کے لئے
بنی ہوئی تھی۔ مینا کی نگاہ اچانک جب بھی ان میں سے کسی ایک کی طرف اُٹھتی ان لوگوں
کا انداز کھا جانے والا ہوتا تھا۔

مینا اچھی طرح جانتی تھی۔ ایسا کیوں ہے؟ امریکہ پلٹ فیصل بھائی ان سب کی
مرکز بنے ہوئے تھے، فیصل بھائی ان سب لڑکیوں کے سپنوں کے شہزادے بنے ہوئے تھے
خوابوں میں فیصل بھائی بسے ہوئے تھے۔

مینا نے سوچا۔

میں ان لوگوں کو کیسے بتاؤں کہ ـــ

میں نے فیصل بھائی کو اپنے سپنوں کا شہزادہ نہیں بنایا۔

میں نے اپنے خوابوں میں فیصل بھائی کو بالکل نہیں بسایا۔

مجھے اگر ان سے کوئی اُنسیت ہے تو صرف ایک ناطے سے۔

اور وہ ہے پھوپھی زاد بھائی کا ناطہ۔

وہ مجھ سے اچھی طرح ملتے ہیں۔

اچھی طرح باتیں کرتے ہیں۔

اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا میرا بھی فرض ہے۔

باقی سب قسمت کے چکر ہیں۔

تقدیر کے کھیل ہیں۔

معلوم نہیں ان لڑکیوں میں سے کس کی قسمت کی ڈور فیصل بھائی کے ساتھ بندھ



رشتوں کے فیصلے تو آسمان پر کئے جا چکے ہوں گے۔

ہم انسانوں کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

پھر اس جذبۂ رقابت سے حاصل؟

پھر حسد کی آگ میں جلتے رہنے سے فائدہ؟

وہ بڑے بھیا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی گھر واپس جا رہی تھی۔

اس کا دماغ سوچوں کے تانے بانے میں اُلجھا ہوا تھا۔

اس دفعہ وہ پھوپھی اماں کے گھر سے دماغ پر بہت بُوجھ لے کر آئی تھی۔

اس کے دل پہ افسردگی کے گہرے سیاہ بادل چھا گئے تھے۔

اگلے روز یونیورسٹی میں وہ اور آسیہ اس موضوع پر کافی دیر باتیں کرتی رہیں۔ بات آسیہ نے خود ہی چھیڑی تھی۔ ورنہ مینا نے تو یہ سوچا تھا کہ وہ اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھے گی۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گی۔ ایسے موقعوں پر خاموشی ہی بہتر ہوتی ہے لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ آسیہ کوئی بات محسوس کرے اور اپنی زبان بند رکھے۔

نگہت، منیزہ اور شمسہ کو اچھی طرح بُرا بھلا کہنے کے بعد اس نے کہا۔

"میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو بتا ہی دوں۔"

مینا نے پوچھا۔

"کیا بتا دوں؟"

"یہی کہ مینا کو پہلے ہی کسی نے پسند کر رکھا ہے۔"

مینا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟ کس نے پسند کر رکھا ہے؟"

مینا کا ذہن ظفر بھائی کی طرف گیا ہی نہیں۔

اور جاتا بھی کیسے؟

اسے تو یقین تھا کہ ظفر بھائی کے متعلق آسیہ نے جو کچھ کہا تھا وہ سراسر غلط فہمی پر مبنی تھا۔

مینا کے نزدیک وہ آسیہ کا حماقت آمیز خیال تھا اور کچھ نہیں۔

مینا کے حیران ہونے پر آسیہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ ظفر بھائی کو بھول گئیں؟"

مینا نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

"آج پھر تم نے وہی حماقت آمیز بات کہی لیکن ..."

"لیکن؟"

"مجھے تو پکا یقین ہے کہ میرا خیال صحیح ہے"

"تم اصل میں گھاس کھا گئی ہو، بس اور کوئی بات نہیں ہے"

"آسیہ نے کہا"

"اچھا فرض کرو کہ میرا خیال درست ہو اور دوسری طرف فیصل بھائی بھی تمہارے اُمیدوار ہوں تو تم کس کا انتخاب کرو گی؟"

"مجھے معلوم ہے نہ فیصل بھائی میرے اُمیدوار ہیں اور نہ ظفر بھائی"

"فرض کرنے میں کیا جاتا ہے؟"

"چھوڑو، کوئی اور بات کرو"

"اور کیا بات کروں!"

"کیوں؟ اور کوئی موضوع نہیں گفتگو کے لئے؟"

"اصل میں جب سے پھوپھی اماں کے گھر سے آئی ہوں، خون کھول رہا ہے میرا"

"کیا فائدہ خون کھولانے سے؟"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ فائدہ کچھ نہیں"



"پھر؟"

آسیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی فائل کے صفحات پلٹتی رہی۔

پھر — تقریباً ایک ہفتے بعد فیصل بھائی آئے۔ مینا عصر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ گھر میں اس کے ابا کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

فیصل بھائی اس کے کمرے تک آکر لوٹ گئے۔ نماز پڑھ کر آہستہ آہستہ جا نماز کی تہہ کرتے ہوئے وہ فیصل بھائی کے متعلق سوچنے لگی۔ میلاد والے دن سے ان کا موڈ خاصا خراب ہو گیا تھا اور انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ بات سوائے اس کے اور کچھ بھی نہیں تھی کہ مینا نے منیزہ وغیرہ کے سلوک کو محسوس کرتے ہوئے کافی محتاط رویہ اختیار کر لیا تھا۔ اس نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی کہ فیصل بھائی کو اس کے قریب آنے یا اس سے مخاطب ہونے کا کوئی موقع نہ ملے۔ فیصل بھائی بھی کوئی بچے تو تھے نہیں جو یہ نہ سمجھ سکتے کہ وہ ان سے کترا رہی ہے۔ لیکن مینا بھی کیا کرتی؛ وہ مجبور تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ منیزہ، نگہت اور شمسہ کی غلط فہمی کو اور کس طرح دُور کرے۔

جا نماز رکھ کر وہ کمرے سے باہر نکلی تو بُوا نے کہا۔

"بیٹا! فیصل میاں آئے ہیں"

مینا نے کہا۔

"اچھا! کہاں بیٹھے ہیں؟"

"ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں"

مینا نے ڈرائنگ روم کا پردہ سرکا کر جھانکا۔ فیصل بھائی ریڈیو گرام کے پاس کھڑے ریکارڈ الٹ پلٹ رہے تھے۔ ریڈیو گرام پر ایک بڑا پرانا ریکارڈ لگا ہوا تھا۔

"روؤں میں ساگر کے کنارے ساگر ہنسی اُڑائے" پردہ سرکاتے ہوئے مینا کی کانچ کی چوڑیاں مدھم سروں میں بج اُٹھیں۔ فیصل بھائی نے پلٹ کر دیکھا اور دوبارہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے

ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مینا نے قریب جاکر انہیں سلام کیا تو انہوں نے سر کی خفیف جنبش سے جواب دیا۔

مینا نے کہا۔

"یہاں تو بڑی گھٹن ہے، باہر چل کر بیٹھئے۔"

فیصل بھائی اس کی طرف دیکھے بغیر بولے۔

"نہیں، اس وقت ریکارڈ سننے کا موڈ ہے۔"

"پرانے فلمی نغموں کے کیسٹ بھی ہیں، کیسٹ پلیئر باہر رکھ لیتے ہیں۔"

"نہیں۔" فیصل بھائی قریبی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

مینا چند منٹ خاموش کھڑی انتظار کرتی رہی کہ فیصل بھائی کچھ کہیں گے کچھ بولیں گے لیکن وہ تو سگریٹ سلگا کر اس کے مرغولوں کو بنتے بگڑتے دیکھے جا رہے تھے۔

مینا نے کھڑکیوں کے پردے سرکا کر لائٹ آن کر دی اور فیصل بھائی کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ ریکارڈ سننے آئے ہیں۔"

"ہاں شاید۔"

"اچھا چائے لاؤں آپ کے لئے؟"

"نہیں، شکریہ۔"

"موڈ کچھ خراب ہے؟"

فیصل بھائی خاموش رہے۔

مینا نے مسکرا کر کہا۔

"میری بات کا جواب تو دے دیں۔"

فیصل بھائی نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔



"تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟"

"مجھے تو آپ کا موڈ خراب ہی نظر آ رہا ہے۔"

"بس تو پھر خراب ہی ہوگا۔"

"لیکن کیوں؟"

"وجہ بھی مجھے ہی بتانی پڑے گی؟"

"تو پھر کون بتائے گا؟"

"میرا خیال ہے وجہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی زبان سے کہیں۔"

"کیوں؟"

"تاکہ میں اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکوں۔"

"اچھا یہ بات ہے تو پھر سنو۔"

"کہئے۔"

"پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جتنے دن بھی ہمارے یہاں رہیں تم نے مجھے بُری طرح نظرانداز کیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب میں، امی اور شازیہ تم سے اصرار کر رہے تھے کہ تم دو، تین دن اور ٹھہر جاؤ تو تم رکیں کیوں نہیں؟"

مینا خاموش بیٹھی ان کی طرف دیکھتی رہی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"اب کہو اپنی صفائی میں کیا کہنا ہے؟"

مینا نے کہا۔

"دیکھئے فیصل بھائی! میرا خیال ہے آپ کو میری فطرت کا اچھی طرح اندازہ ہے۔"

"ہاں اِدہ تو ظاہر ہے، میں اور تم بچپن سے ایک دوسرے کے بہت قریب رہے ہیں۔"

"تو پھر آپ کو یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیئے کہ میں دانستہ کسی کا دل دکھانے کی کوشش نہیں کرتی۔"

"چلو، مان لی تمہاری بات۔"

"میرے برتاؤ سے آپ کے دل کو تکلیف پہنچی ہے تو یہ سمجھ لیں کہ میں نے جو کچھ کیا اس کے لئے مجبور تھی۔"

"کیا مجبوری تھی؟"

"صاف صاف سننا چاہتے ہیں۔"

"ہاں، یقیناً۔"

"تو پھر سنیئے۔ میں کچھ لوگوں کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی۔"

"مثلاً کون لوگ؟ اور کس قسم کی غلط فہمی؟"

"مجھے یقین ہے آپ اچھی طرح جانتے ہیں لیکن شاید آپ میری زبان سے سننا چاہتے ہیں۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"میری مراد منیزہ، نگہت اور شمسہ سے ہے۔"

"ہوں۔" فیصل بھائی نے ایک طویل سانس لی۔

"میں نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ آپ مجھ سے مخاطب یا میری طرف متوجہ ہوں۔"

فیصل بھائی صوفے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی توجہ سے اس کی بات سنتے رہے۔

"اور آپ لوگوں کے اصرار کے باوجود میں نے ٹھہرنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ تینوں کے ڈھکے چھپے طنز میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتے جا رہے تھے۔"

فیصل بھائی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ چند سیکنڈ تک وہ گہری سوچوں میں ڈوبے



بیٹھے رہے پھر اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف سمیٹتے ہوئے بولے۔

"تم نے مجھ سے وہاں ذکر کیوں نہیں کیا ان باتوں کا؟"

"یہ نہایت چھچھوری حرکت ہوتی۔"

"نہیں، چھچھوری حرکت کیوں ہوتی؟"

"اور کیا۔"

"تمہیں اگر میرے گھر میں کوئی تکلیف پہنچے تو اس کا اظہار میرے سامنے کر دینا، چھچھورا پن تو نہیں۔"

"اگر آپ کا موڈ خراب نہ ہوتا تو میں اب بھی آپ سے کچھ نہ کہتی۔"

"نہیں، یہ غلطی کبھی نہ کرنا۔"

مینا خاموش رہی۔

"چاہے میرے گھر کا کوئی فرد ہو یا میرے گھر میں آنے والا کوئی فرد ہو اگر کسی کی ذات سے تمہیں کبھی بھی کوئی تکلیف پہنچے تو مجھ سے ہرگز نہ چھپانا۔"

مینا ان کی بات سن کر ایک دم ہنس پڑی۔

"آپ کا مطلب ہے کہ سب کے خلاف شکایتوں کا دفتر کھول کر بیٹھ جایا کروں آپ کے سامنے؟"

"جب بھی کوئی دل آزار باتیں کرے تم مجھے بتاؤ۔"

"اس سے فائدہ؟"

"کوئی نہ کوئی فائدہ ہو گا جبھی تو کہہ رہا ہوں۔" مینا نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں فیصل بھائی! مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں، پھوپھی اماں اور شازیہ وغیرہ سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، بس! یہ آپ کے ددھیال والے مجھے کچھ اچھی نظر سے

نہیں دیکھتے۔"

فیصل بھائی کی نگاہیں بینا کے چہرے پر تھیں لیکن ان کی نگاہوں میں بڑی گہری سمٹ آئی تھیں۔

بینا نے کہا۔

"پہلے بھی ان لوگوں سے ملاقات ہوتی رہی ہے مگر جب ان لوگوں کا رویہ اتنا ہوتا تھا۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"ہاں! اس وقت تک شاید ان لوگوں کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ جو کچھ تم ہوسکتی ہو، وہ مینزہ، شمسہ اور نگہت میں سے کوئی بھی نہیں ہوسکتی۔"

"نہیں فیصل بھائی! ایسی بات مت کہئے۔"

"سچی بات کیوں نہ کہوں؟"

"دیکھئے نا! ان لوگوں سے بھی آپ کی رشتہ داری ہے، مجھ سے بھی ہے۔"

"رشتہ داری کی بات مت کرو۔"

"کیوں؟"

"آسیہ سے بھی میری وہی رشتہ داری ہے جو تم سے ہے لیکن اس کے با آسیہ کو اور تمہیں ایک ہی مقام پر کھڑا نہیں کرسکتا۔"

"آپ آسیہ کے سامنے کہیں گے تو وہ برا مانے گی۔"

"اس میں برا ماننے کی بات نہیں بینا! ہمارے احساسات و جذبات ہر شخص یکساں تو نہیں ہوسکتے۔"

بینا نے کہا۔

"اچھا چھوڑیئے اس ذکر کو، یہ بتائیے، اب آپ کا موڈ ٹھیک ہوا یا نہیں؟"



فیصل بھائی مسکرا کر بولے۔

"موڈ ٹھیک ہی تھا، بس ذرا رعب جما رہا تھا تمہارے اوپر۔"

بینا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بوا چائے بنا کر نہیں لائیں ابھی تک۔"

"میں نے انہیں چائے کے لئے منع کر دیا تھا۔"

"کیوں؟"

"گھر سے پی کر آیا تھا، اتنی جلدی اور چائے پینے کو دل نہیں چاہا۔"

"لیکن اب تو خاصی دیر ہوگئی ہے چائے پیتے ہوئے۔"

"چلو، پھر ایک کپ پی لیتے ہیں۔"

"اچھا! میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔"

"میں بھی ادھر ہی چلتا ہوں۔"

فیصل بھائی اٹھ کر ریڈیوگرام بند کرتے ہوئے بولے۔

بینا دروازے میں کھڑی ان کے دراز قد کو دیکھتی رہی۔ سائڈ سے ان کی ناک بے حد تیکھی رہی تھی اور ہوا کے جھونکوں سے منتشر ہو کر ان کے بھورے بھورے خمدار بال پیشانی پر آ گئے تھے۔

بینا کو خالہ امی کے گھر گئے ہوئے بہت زیادہ دن نہیں ہوتے تھے لیکن پھر بھی اس روز نہ جانے کیوں وہ اسے بے تحاشا یاد آ رہی تھیں۔ دوپہر تو اس نے جیسے تیسے گزار دی شام کو وہ امی سے اجازت لے کر اسلم بھائی کے ساتھ خالہ امی کے گھر چلی گئی۔ اسلم بھائی اسے باہر ہی سے چھوڑ کر کسی کام سے چلے گئے۔

بینا گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو گلاب کی جھاڑیوں کے قریب اسے ایک اجنبی صورت نظر آئی۔ بیٹھا کسی میگزین کے اوراق الٹ رہا تھا۔ بینا اس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر آگے

بڑھ گئی۔گیلری میں مڑتے ہوئے مینا نے ایک بار پلٹ کر دیکھا وہ سر اُٹھائے اسی کی

تھا۔ مینا سامنے والے دروازے میں داخل ہو گئی۔

گھر میں بہت سناٹا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے گھر میں کوئی ہے ہی نہیں۔ وہ ایک

دوسرے کمرے میں جھانکتی پھری کہ کوئی تو نظر آئے۔

خالہ امّی کے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"کیا معاملہ ہے؟ کوئی نظر ہی نہیں آتا"

وہ نجمہ آپا کے کمرے میں گئی تو ان کے کمرے سے ملحقہ غسل خانے سے پانی کی

آواز آئی۔

"اچھا تو نجمہ آپا نہا رہی ہیں۔"

مینا نے زیرِ لب کہا اور باہر لان میں نکل آئی برآمدے کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے

نے سوچا۔

"معلوم نہیں یہ کون لڑکا ہے؟ آج سے پہلے تو میں نے اسے یہاں کبھی نہیں دیکھا

اس کی عمر کوئی پندرہ یا سولہ سال ہو گی۔ چہرے کے نقش و نگار خاصے خوبصورت

گندمی تھا اور بال سیاہ گھونگھریالے۔

گرے پینٹ اور چیک دار شرٹ میں وہ بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"اس سے بات کروں یا نہ کروں؟"

مینا فیصلہ نہ کر سکی۔

اجنبی، انجان لوگوں سے مخاطب ہونے کا اسے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لیکن ا

جانے کیسی کشش تھی کہ مینا اس سے بات کرنے کا ارادہ کر بیٹھی۔

آہستہ قدموں سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سوچا۔

"کیا حرج ہے اس سے بات کرنے میں بچہ ہی تو ہے"



مینا اس کے قریب پہنچی تو اس نے میگزین بند کرتے ہوئے مینا کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر

مڑا ہو گیا۔

"تشریف رکھیے"

وہ کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مینا سے مخاطب ہوا۔

مینا کو اس کا مہذب انداز بہت پسند آیا۔

اس نے کہا۔

"نہیں، تم بیٹھو، میں دوسری کرسی لے لوں گی۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی اس نے حیرت زدہ ہو کر سوچا۔

"ارے!! پہلی ہی ملاقات میں کسی کو تم کہہ کر مخاطب کرنا، یہ کیسی تبدیلی آ گئی ہے

میں؟"

پھر وہ خود ہی یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی۔

"مجھ سے چھوٹا بھی تو ہے۔"

اس دوران وہ لڑکا چمپا کے درخت تلے پڑی ہوئی دوسری کرسی اُٹھا لایا تھا۔

مینا کو کھڑا پا کر اس نے کہا۔

"بیٹھیے نا آپ!"

مینا "شکریہ" کہہ کر بیٹھ گئی تو وہ بھی دوسری کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" مینا نے پوچھا۔

"ناظم"

"کس کلاس میں پڑھتے ہو؟"

"فرسٹ ایئر کا امتحان دیا ہے۔"

"کون سے کالج میں؟"

عاصم نے ایک مقامی سائنس کالج کا نام بتایا۔

"نجمہ آپا سے کوئی رشتے داری ہے؟"

"جی"

"کیا رشتہ داری ہے؟"

"جی! وہ میری خالہ زاد بہن ہیں۔"

مینا نے چونکتے ہوئے کہا۔

"خالہ زاد بہن!!"

"جی ہاں۔"

"نجمہ آپا کی امی کوئی رشتے کی خالہ لگتی ہیں تمہاری؟"

"نہیں تو، بالکل سگی ہیں۔"

مینا کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

"سگی خالہ کی بیٹی تو میں بھی ہوں ان کی"

اب عاصم کے چونکنے کی باری تھی۔

اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کونسی خالہ کی بیٹی ہیں؟"

مینا کو فوراً ہی احساس ہوا کہ جلد بازی میں وہ ایسی بات کہہ گئی ہے جو شاید نہ کہنی چاہیئے تھی۔ اب وہ کیا کرتی؟ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

لیکن پھر بھی وہ بات پلٹتے ہوئے بولی۔

"ماموں زاد، چچا زاد بہنوں میں بھی بعض اوقات اتنی محبت ہوتی ہے کہ کم نہیں ہوتیں۔

عاصم نے کوئی جواب نہیں دیا۔



مینا نے کہا۔

"میں تو اکثر یہاں آتی ہوں۔ آج سے پہلے میں نے تمہیں یہاں کبھی نہیں دیکھا۔"

"جی! میں بہت کم آتا ہوں۔"

مینا نے پوچھا۔

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"نارتھ ناظم آباد۔"

مینا کے ذہن میں یک لخت خیال آیا کہ ایڈریس معلوم کرنے کا اس سے اچھا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔

مینا نے کہا۔

"اچھا!! اگر میں کسی روز تمہارے گھر آؤں تو......"

مینا کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھا۔

"ضرور آیئے باجی! مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"باجی" مینا نے دل ہی دل میں اس لفظ کو دہرایا۔

اس کے دل کو بڑی عجیب اور انوکھی مسرت کا احساس ہوا۔

اس کا دل چاہا ـــ وہ عاصم سے کہے ـــ

مجھے ایک بار پھر "باجی" کہو۔

عاصم نے پوچھا۔

"میں آپ کو اپنے گھر کا ایڈریس سمجھاؤں؟"

مینا نے اپنا پرس کھولتے ہوئے کہا۔

"ایسا کرو، میری ڈائری میں ایڈریس لکھ دو"

"لایئے لکھ دیتا ہوں، زبانی بھی سمجھا دوں گا۔"

بینا نے پرس میں سے چھوٹی سی ڈائری اور قلم نکال کر عاصم کی طرف بڑھا دیا۔ ایڈریس لکھنے کے بعد عاصم بینا کو سمجھانے لگا تاکہ وہ سہولت سے گھر ڈھونڈ قدرے آگے کو جھکی ہوئی بڑے انہماک سے ایڈریس سمجھ رہی تھی اور تین، چار قدم کے فاصلے پر نجمہ آپا کھڑی حیران، پریشان نگاہوں سے ان رہی تھیں۔

---



بینا، خالہ امی کے گھر سے واپس آئیں تو اس کے دل کی عجیب سی کیفیت تھی۔ اسے ایک ناقابلِ بیان مسرت کا احساس ہو رہا تھا، ایک عجیب سی سرشاری اس پہ چھائی تھی۔ رات ی دیر تک اس کی آنکھیں بے خواب رہیں۔ بند پلکوں تلے کبھی عاصم کی شبیہہ نظر آتی، کبھی نگاہوں سامنے رکشہ میں بیٹھی ہوئی ایک خاتون کا چہرہ آجاتا، وہ جو اس کی ماں تھیں، مگر اس سے بہت یوں وہ سوچتی تو عاصم اور وہ خاتون اُسے اپنے آپ سے قریب محسوس ہوتے بے حد قریب ن وقت اور حالات کے ہاتھوں قائم کئے ہوئے فاصلے ناقابل تردید تھے ـــــ ان فاصلوں نا دینا بینا کو مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتا تھا ـــــ

عاصم سے اُس کے گھر کا ایڈریس لینے کے بعد مینا کے دل میں اُمید کی ایک ننھی سی کرن جگمگا تھی۔ ایک آس سی بندھ گئی تھی۔ کہ اب شاید ملاقات ہو جائے۔ اس نے دو تین دفعہ ڈائری کھول کر یس پڑھا تھا۔ اور یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ اتنی دور تک پہنچے گی کیسے؟ ـــ وہ اس علاقے میں بھی نہیں گئی تھی ـــ گھر والوں کے علم میں لائے بغیر وہاں تک پہنچنا ـــــ اور پھر واپسی۔ آسان مرحلہ نہیں تھا ـــ پھر یک لخت اُسے خیال آیا کہ اس کی ایک کلاس فیلو نارتھ ناظم آباد اسی بلاک میں رہتی ہے، شاید اُسے کچھ علم ہو۔

یہ سوچ کر وہ کچھ مطمئن سی ہو گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ایک مشکل یہ تھی کہ اس کا اور آسیہ کا ت کا ساتھ تھا۔ وہ دونوں یونیورسٹی سے ایک ساتھ ہی واپس آتی تھیں۔ اس صورت میں کلاس فیلو ناہید کے ساتھ نارتھ ناظم آباد جانا کوئی آسان نہیں تھا بس یہی ہو سکتا تھا کہ اگر

کسی دن اتفاقاً آسیہ یونیورسٹی نہ جائے تو مینا، ناہید کے ساتھ جا سکتی تھی۔

دوسرے روز مینا یونیورسٹی گئی تو اس نے موقع پا کر ناہید کو ایڈریس دکھا کر پوچھا — "ناہید! یہ نمبر کس طرف ہوگا، تمہیں معلوم ہے؟" —

ناہید نے اس کے ہاتھ سے ڈائری لے کر دیکھتے ہوئے کہا — "یہ نمبر! یہ تو گھر سے بہت قریب ہے،" مینا کا دل مارے خوشی کے ایک دم بڑی زور سے

اس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تم نے اچھی طرح دیکھا ہے نا — یہ گھر —!"

ناہید نے بڑے وثوق سے کہا۔

"ہاں بھئی! بہت اچھی طرح دیکھا ہے، زیادہ دور تھوڑی ہے — ہما گھر سے۔"

مینا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

ناہید نے پوچھا "تمہارے کوئی ملنے والے رہتے ہیں یہاں؟"

مینا قدرے گھبرا کر بولی۔

"ہاں — رشتے دار ہیں۔"

پھر اسے خیال آیا "کہیں ناہید کا آنا جانا نہ ہو عاصم کے گھر بس" اس نے ناہی

"تم لوگوں کا ملنا جلنا ہے آپس میں — ؟"

ناہید نے کہا "نہیں، پڑوس کے پانچ، چھ گھروں سے میل ملاپ ہے۔ ان کے نہیں ہے۔"

مینا نے کہا۔

"اچھا —! میں کسی روز یونیورسٹی سے ہی تمہارے ساتھ چلوں گی —"

"ضرور چلنا، بلکہ میرے گھر بھی چلنا —"



مینا نے کہا۔

اسی وقت آسیہ آگئی جو نوٹس بورڈ کے پاس کھڑی بڑے انہماک سے نوٹس پڑھ رہی تھی۔

...ے بات کرنے کے بعد مینا کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ جلد از جلد اپنی امی سے ملنا چاہتی تھی لیکن اپنے پروگرام پر عمل کرنا اس کے لئے اس وقت تک ناممکن تھا جب تک آسیہ ...ی سے غیر حاضر نہ ہو، اور یہ موقع اسے بہت دنوں تک نہیں مل سکا۔ ہاں! اس دوران ایک ...ضرور ہوئی کہ نجمہ آپا نے ایک روز یونیورسٹی میں اس سے کہا کہ امی نے تمہیں بلایا ہے۔

...ی کام ہے — مینا نے سوچا۔

ایسا کونسا ضروری کام ہے جو خالہ امی نے خاص طور سے بلوایا ہے — لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ خالہ امی بلوائیں اور وہ نہ جائے۔ دوسرے روز یونیورسٹی جاتے ہوئے اس نے ...ے کہا۔

بھابی —! آج میں دیر سے آؤں گی"

کیوں؟ خیریت؟"

آج میں یونیورسٹی سے ہی خالہ امی کے گھر چلی جاؤں گی"

اچھا —" بھابی نے کہا۔

وہ خالہ امی کے یہاں پہنچی تو انہوں نے کھانے کے دوران ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد ...معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کہیں وہ اپنی امی سے مل تو نہیں آئی ہے۔ مینا کا جواب ...سن کر ان کے چہرے پر اطمینان نظر آیا۔ پھر انہوں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ...خیال میں مینا کا وہاں جانا مناسب نہیں تھا۔ لیکن مینا اب مناسب اور نامناسب کے ...نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

...کر نے خالہ امی سے التجا آمیز لہجہ میں کہا۔

"پلیز خالہ امی! آپ مجھے وہاں جانے سے نہ روکیں۔"

نجمہ آپا نے بھی اسے سمجھایا۔!

"دیکھو مینا! اس طرح ہم لوگوں کے اوپر بات آئے گی۔"

"آپ لوگ اطمینان رکھیئے۔ میں آپ لوگوں کے اوپر ایک حرف نہیں آنے

خالہ امی نے کہا۔

"تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے، تم دیکھ لینا، سب لوگ ہماری طرف سے

مبتلا ہو جائیں گے۔"

"آپ ناحق اس قدر پریشان ہو رہی ہیں خالہ امی۔"

نجمہ آپا نے کہا۔

"نہیں مینا! خالو جان وغیرہ یہ سمجھیں گے کہ ہم نے قصداً تمہارے لئے

کئے ہیں۔"

خالہ امی بھی بولیں۔

"سچی بات کا یقین کسی کو نہیں آئے گا۔"

خالہ امی اور نجمہ آپا، مینا کو جتنا سمجھا رہی تھیں اس کا اصرار اتنا ہی زیادہ بڑ

پھر ایک لمحہ ایسا آیا کہ مینا بے بس ہو کر رونے لگی۔ کچھ دیر بعد جب اس کے آنسو

نے کہا۔

"اچھی بات ہے، اگر آپ لوگ نہیں چاہتیں تو نہ سہی۔"

نجمہ آپا اور خالہ امی افسردگی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ مینا جب تک یہاں رہی بجھی بجھی سی رہی اور شام کو جب وہ گھر واپس آئی تو اس کے دل و

اور ذہن الجھا ہوا تھا۔

کئی روز گزر گئے۔ پھر ایک شام جب آسیہ نے ٹیلیفون پہ اسے بتایا کہ کل



...مینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔ رات کو جب وہ سونے کے لئے لیٹی تو اس کی

...نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔

اس کا خیال تھا کہ شاید اسے بستر پہ لیٹتے ہی نیند آ جائے گی۔ سارا دن وہ بہت مصروف رہی ...تے ہی وہ کتابوں کا ڈھیر سامنے رکھ کر بیٹھ گئی تھی، رات گئے تک وہ بیٹھی نوٹس ...دیر تک جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں چبھن سی ہونے لگی تھی۔ پھر بستر پہ جاتے ...کی چبھن بھی غائب ہو گئی اور نیند بھی جانے کدھر چل دی۔ اسے بار بار اگلے دن کا ...ئے جا رہا تھا ــــ ایک ہی صدا بار بار اس کے دماغ کے پردوں سے ٹکرا رہی تھی۔

کل آسیہ یونیورسٹی نہیں جائے گی۔

عاصم سے ایڈریس لینے کے بعد سے وہ اس دن کی منتظر تھی۔

اسی موقع کے انتظار میں تھی۔

لیکن اب جب یہ موقع اسے ملا تھا تو۔

وہ "ہاں" اور "نہیں" کی تکرار سے پریشان ہو اٹھی تھی۔

کبھی اسے خالہ امی اور نجمہ آپا کا خیال آتا۔

وہ سوچتی

واقعی، ان لوگوں کا ڈرنا اور فکر مند ہونا بجا ہے۔

ان کی پوزیشن بہت نازک ہے۔

اگر ابو اور بھائیوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ میں چوری چھپے امی سے مل کر آئی ہوں تو ان کا

فوراً خالہ کی طرف جائے گا۔

وہ سب یہی سمجھیں گے کہ خالہ امی نے جان بوجھ کر میرے لئے موقع فراہم کیا ہے۔

پھر دوسری طرف میں خود بھی ان لوگوں کی نگاہوں میں مجرم بن جاؤں گی۔

سب کو میرے اوپر بہت اعتماد ہے۔

اعتماد کی یہ دیوار گر گئی تو ابّو کو اور بھائیوں کو کس قدر افسوس ہوگا۔

کبھی وہ سوچتی۔

کہ اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے ابّو اور بڑے بھیا سے اجازت لے لے۔

وہ نہ مانیں تو اُن کی خوشامد کرے۔

اُن کے سامنے روئے۔

اُن سے التجا کرے۔

آخر سب لوگ اسے اتنا چاہتے ہیں۔

کب تک اس کی بات نہیں مانیں گے۔

لیکن اس موضوع پہ ابّو اور بڑے بھیا سے بات کرنے کا اُسے جب بھی خیال آتا

اُس کی ہمت پست ہو جاتی۔

چوری چھپے جانے کا ارادہ کرتے ہی ڈر اور خوف اس کا دامن تھام لیتے

جانے کتنی رات بیت گئی۔

وہ سوچوں کے تانے بانے میں اُلجھی رہی۔

اور کوئی بھی فیصلہ نہ کر سکی۔

صبح وہ بڑی بد دلی سے تیار ہو کر یونیورسٹی چلی گئی۔ گزشتہ رات وہ جو فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔ لیکن پھر بھی ـــــ ناہید کو یونیورسٹی آنے میں دیر ہوئی تو اس کا دل اُچھا کہ۔

کہیں ایسا نہ ہو، آج ناہید بھی یونیورسٹی نہ آئے۔

مگر ناہید آ ہی گئی۔

ناہید کو دیکھتے ہی بینا کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

"ناہید! آج میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"



ناہید خوش ہو کر بولی۔

"اچھا ـــ ! ضرور چلنا"

بینا نے پوچھا۔

"ناہید، [illegible] جانے کا ارادہ تو نہیں ہے تمہارا ـــ ؟"

ناہید نے کہا۔

"نہیں، کلاسز ختم ہوتے ہی جاؤں گی ـــ "

بینا نے مطمئن ہو کر کہا۔

"بس! پھر ٹھیک ہے، مجھے گھر بھی تو واپس جانا ہوگا۔"

ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے گھر بھی چلنا پڑے گا تمہیں ـــ ؟"

بینا نے کہا۔

"آج نہیں، پھر کسی دن چلوں گی تمہارے گھر ـــ "

ناہید نے بھی دو تین دفعہ کہنے کے بعد اصرار نہیں کیا۔

ناہید سے اس نے کہنے کو تو کہہ دیا لیکن پھر سارا وقت وہ یہی سوچتی رہی۔

میں نے ٹھیک کیا ـــ ؟

میں جو قدم اُٹھانے والی ہوں۔ وہ دُرست بھی ہوگا یا نہیں ـــ ؟

دماغ کہتا

اب بھی وقت ہے۔

اپنا ارادہ بدل دو۔

دل کہتا۔

نہیں، جس بات کا ارادہ کر لیا ہے اس پہ عمل کر ہی ڈالو۔

دماغ تنبیہہ کرتا

یہ مناسب نہیں ہے

دل سے آواز آتی

اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ عورت آخر تمہاری ماں ہے

تمہیں اس سے ملنے کا پورا پورا حق ہے۔

دل اور دماغ کی تکرار اور ضد بحث میں اسے اپنا وجود پستا ہوا محسوس ہو[...]

لیکچر کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

دماغ کی تنبیہہ، سرزنش اور حکم نے اسے اتنا زچ کیا کہ کئی دفعہ یہ جملہ اس[...]
آتے آتے رہ گیا۔

"ناہید —! میں آج تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی —"

آخری پیریڈ میں تو وہ اتنی پریشان ہوگئی کہ اپنے برابر بیٹھی ہوئی ناہید کو
بغیر نہ رہ سکی۔ وہ اس سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ آج میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں[...]

اس نے کہا۔

"سنو ناہید!"

ناہید نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

عین اسی لمحے مینا کے دل نے کہا۔

"پگلی! اتنا اچھا موقع ہاتھ سے گنوا رہی ہو —"

ناہید کی استفہامیہ نظروں کے جواب میں مینا نے کہا۔

"وہاں سے واپسی میں رکشہ تو آسانی سے مل جائے گا۔!!"

ناہید نے کہا۔



"[...]ہاں، کوئی بہت زیادہ دقت نہیں ہوگی"

پیریڈ ختم ہوا تو مینا نے اپنے آپ کو آنے والے لمحوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اس کے دل کی کیفیت بڑی عجیب تھی۔

[...] احساس خوشی تھا۔

ایک ایسی ہستی سے ملنے کی خوشی۔

جسے وقت اور حالات نے اس سے دور کر دیا تھا۔

جسے دل اپنے آپ سے بہت قریب محسوس کرتا تھا۔

مگر فاصلے

انہیں ملانا بہت دشوار تھا۔

جسے دیکھنے اور جس سے ملنے کی تمنا ایک درد بن کر اس کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔
اور جب سے مینا نے اُس ہستی کی ایک جھلک دیکھی تھی — دوبارہ دیکھنے اور باتیں
کی خواہش ایک جنون کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

لیکن دوسری طرف
ایک ڈر اور خوف بھی اس کے دل میں سما رہا تھا۔
یہ ایک خیال اس کو سہمائے دے رہا تھا۔
کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔
کہیں کسی کو خبر نہ ہو جائے۔
[...] ابو اور بھائیوں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟
اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجرم ہو۔
[...] اسے بہت طویل معلوم ہو رہا تھا، لیکن آخر کار وہ پہنچ ہی گئی۔ ناہید نے اپنے گھر
[...] چھوٹے بھائی کو اس کے ساتھ کر دیا اور اسے ایڈریس بتلاتے ہوئے کہا۔

"انہیں وہاں چھوڑ آؤ۔"

ناہید کا بھائی اسے باہر ہی سے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

بینا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس نے کال بیل پہ انگلی رکھی تو ایک

اس کا ہاتھ کانپ گیا۔

دو ایک منٹ بعد دروازہ کھلا۔

بینا کے سامنے وہی صورت تھی۔

جس کی جھلک اُس نے صرف ایک بار ہی دیکھی تھی۔

گلابی پرنٹڈ ساڑھی اور گلابی سادہ بلاؤز میں ملبوس، وہ دروازے میں کھڑی

سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔

یقیناً وہ اس بات کی منتظر تھیں کہ یہ اجنبی، انجان لڑکی اپنا تعارف خود کر

مگر ——

وہ اجنبی، انجان لڑکی

گُم صُم کھڑی، کبھی فرش کو تکتی تھی۔

اور کبھی اُن کی طرف دیکھتی تھی۔

اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے

اُس کی قوتِ گویائی جواب دے چکی ہو۔

اُس کا دل دھڑک دھڑک کر بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

اور ہاتھ پاؤں جیسے بے جان ہو چکے تھے۔

انہوں نے پوچھا۔

"کون ہو تم؟"

کس قیامت کے تھے وہ لمحے؟



یہ ماں اپنی بیٹی سے پوچھ رہی تھی۔

"کون ہو تم؟"

بینا کی سانس اس کے سینے میں ہی گھُٹ کر رہ گئی۔

یہ کہنا چاہا۔

"میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

لیکن یہ پانچ الفاظ ادا کرنا اسے سخت دشوار لگ رہا تھا۔

وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

انہوں نے پھر پوچھا۔

"کس سے ملنا ہے؟"

بینا نے بڑی ہمت کر کے کہا۔

"جی! مجھے آپ ہی سے ملنا ہے؟"

"مجھ سے!!؟"

اُن کی آنکھوں میں کچھ اور حیرت سمٹ آئی۔

"جی ہاں! آپ سے۔"

بینا کی آواز مدھم تھی۔

انہوں نے پوچھا ——!

"کوئی خاص کام ہے؟"

"کام" بینا نے زیرِ لب کہا

پھر وہ اُن کی طرف دیکھ کر بولی۔

"نہیں، کام تو کوئی نہیں۔"

"کوئی کام نہیں؟ پھر!!"

مینا ایک دبی ہوئی سانس لے کر بولی۔

"بس! آپ کو دیکھنا تھا اور آپ سے ملنا تھا"

انہوں نے ایک طرف ہٹ کر اُسے اندر آنے کا راستہ دیا اور بولیں۔

"اندر آجاؤ۔۔"

پھر وہ مینا کو لے کر ڈرائنگ روم میں آگئیں۔

"بیٹھو۔"

انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گ

مینا سر جھکا کر سوچنے لگی۔

اُن سے کیا بات کروں؟

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"ہاں اب کہو، کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان معلوم ہوتی ہو۔"

مینا نے سر اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں مینا ہوں۔"

جمیلہ بیگم کے چہرے پر بیک وقت خوشی، افسوس اور حیرت کے تاثرات ا

"مینا!! تم مینا ہو؟"

مینا نے بڑے رسان سے کہا۔

"جی ہاں! میں مینا ہوں۔"

جمیلہ بیگم ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے قریب آگئیں

انہوں نے بڑی بے تابی سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر آ

"تم مینا ہو؟ میری بیٹی۔۔؟"



ینا کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک سمندر سا اُتر آیا۔

س نے بولنا چاہا۔

گر بول نہ سکی۔

بھیگی آنکھوں میں بے پناہ دُکھ سمیٹے

شبنمی نگاہوں سے ان کی طرف تکتے ہوئے۔

اس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

اور پھر

جیسے صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

برسوں سے اپنے خول میں سمٹے ہوئے۔

خود ساختہ خول میں سمٹے ہوئے۔

ممتا کے جذبات پھٹ پڑے۔

دل کے کسی خاموش تنہا گوشے میں، چھپا ہوا محبّت کا خزانہ۔

ماں کی انمول محبت کا خزانہ۔

لُٹ جانے کے لئے بے تاب ہوگیا۔

اور مینا بھی یہ جاننے کے لئے

یہ دیکھنے کے لئے بیقرار تھی کہ

یہ بیش بہا دولت کس طرح لٹائی جاتی ہے؟

ماں کی محبت

اور اس کے پیار سے محروم۔ ایک بیٹی

جب برسوں کے فاصلے مٹا کر اس تک پہنچتی ہے تو۔۔۔ اس کے جذبات

اس کے احساسات

اور اس کے تاثرات کیا ہوتے ہیں

قسمت سے ایسے لمحات میسر آتے تھے۔ جن کی اُمید شاید دونوں ہی سے

درد کی دہلیز پہ کھڑی مینا کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کا ایک پہاڑ سا حائ

اپنی امی کی شبیہہ اسے بے حد دھندلی نظر آ رہی تھی۔

اس کی ساکت نگاہیں اُن کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

لب کپکپا رہے تھے۔

اور دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے قابو ہو گئی تھیں۔

اور جمیلہ بیگم۔

اپنی آنکھوں میں بے پناہ کرب سمیٹے۔

مینا کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے۔

اُس کی طرف تکے جا رہی تھیں۔

کون جانے؟

وہ کیا دیکھ رہی تھیں؟

شاید بیس سالہ مینا کے چہرے کے نقش و نگار میں وہ اس تین سالہ چھوٹی

تلاش کر رہی تھی جسے پیچھے چھوڑ کر وہ کچھ اس طرح آگے بڑھ گئی تھیں کہ پلٹ

مہلت ہی نہ مل سکی تھی۔

سترہ طویل سال۔

لمحوں کا ایک کارواں تھا۔

جو گزر چکا تھا۔

ماہ و سال کے چہرے پر وقت کی دھول جم چکی تھی۔

وقت کی دھول میں اٹ کر تو جانے کتنی زندگیاں المیہ بن جایا کرتی ہیں۔



ھر کہاں نظر آ سکتے ہیں وہ نقش و نگار — ؟

ری سوچوں میں ڈوبی ہوئی جمیلہ بیگم کی نگاہیں مینا کے چہرے پر جم کر ہٹنا بھول گئی تھیں۔

چہرہ ان کے ہاتھوں کے درمیان تھا۔

کے ہاتھ ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔

کے چہرے سے سرکتے ہوتے ان کے ہاتھ گردن تک آئے، پھر ان کی کپکپاتی ہوئی

نے مینا کے شانوں کو تھام لیا۔

بے تاب ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

یلہ بیگم نے بے اختیار ہو کر اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

پھر

در کی ٹھہری ہوئی لہریں مچل اُٹھیں

ان آگیا

میں چھپے ہوئے خاموش جذبات کو زبان مل گئی۔

شمار آنسو تھے۔

یک کے بعد ایک بہتے چلے جا رہے تھے۔

سکیاں تھیں کہ کسی طرح تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

گود میں رکھا ہوا پرس اور فائل نیچے گرے پڑے تھے۔

ٹھلنے کا ہوش تو اس وقت ہوتا۔

گرنے کا احساس ہوتا۔

زرے جا رہے تھے۔

ان کے گزرنے کا احساس بھی کسی کو نہیں تھا۔

کے خاموش ماحول میں دبی دبی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

جمیلہ بیگم کی عجیب کیفیت تھی۔

کبھی وہ بینا کو سینے سے لگاتی تھیں۔

کبھی اس کے سر اور پیشانی پر بوسے دیتی تھیں۔

کبھی اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو سمیٹ کر پیچھے کرتی تھیں۔

جب آنسوؤں کا طوفان آکر گزر گیا۔

جب جذبات میں ٹھہراؤ آیا تو جمیلہ بیگم نے بینا کو صوفے پر بٹھایا اور
میز پر رکھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ چند منٹ بعد وہ اس کے لئے گلاس میں
آئیں۔ اپنے ہاتھ سے اُسے پانی پلاتے ہوئے وہ بڑی محبت سے اُس کی طرف

پھر گلاس میز پر رکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"یونیورسٹی سے آرہی ہو؟"

بینا نے "جی" کہنے کے ساتھ ساتھ اقرار میں سر بھی ہلایا۔

"پھر تو تم نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔؟"

"نہیں۔"

انہوں نے بڑی شفقت سے کہا۔

"تم منہ ہاتھ دھولو، میں تمہارے لئے کھانا رکھتی ہوں۔"

"نہیں، مجھے کوئی خاص بھوک نہیں ہے۔"

"چلو، تھوڑا سا ہی کھالو۔"

انہوں نے بازو پکڑ کر بینا کو اُٹھایا تو بینا انکار نہ کر سکی۔ منہ ہاتھ دھو
نکلی تو سالن کی خوشبو آئی۔ جمیلہ بیگم اس کے لئے کھانا گرم کر رہی تھیں۔ بینا
میں داخل ہوگئی۔ اس کے قدموں کی آہٹ پر جمیلہ بیگم نے پلٹ کر اس کی
مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔



ینا نے پوچھا۔

"آپ نے کھالیا۔؟"

"ہاں میں نے کھالیا۔"

بیگم کھانا میز پر رکھنے لگیں تو یہ سوچ کر ہی بینا کو طمانیت کا احساس ہوا کہ آج وہ اپنی امی
ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائے گی۔ اس نے کھانا میز پر رکھنے میں ان کی مدد کرنی چاہی تو انہوں نے
لی ہوئی سانس لے کر کہا۔

"نہیں بیٹی! تم رہنے دو۔"

"کیوں امی؟"

اس کے منہ سے لفظ امی سُن کر جمیلہ بیگم کا چہرہ چمک اُٹھا۔ انہوں نے ایک لمحے کے لئے اس
دیکھا پھر اس سے نگاہیں ملاتے بغیر بولیں۔

"آج بیٹی ماں کے گھر مہمان بن کر آئی ہے۔"

بینا نے ان کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔

کھانے میں قیمہ اور مٹر تھا، آلو پالک کی بھجیا تھی، چاول اور ارہر کی دال تھی۔

انہوں نے کھانا گرم کرتے وقت کہا تھا۔

"دوپہر کو میں عموماً چاول ہی پکاتی ہوں، اگر تم چاول نہ کھاتی ہو تو تمہارے لئے روٹی
ں؟"

بینا تو چاول کھانے کی بہت شوقین تھی۔

اس نے کہا۔

"مجھے تو چاول بہت پسند ہیں۔"

بینا کو بھوک زیادہ نہیں تھی لیکن جمیلہ بیگم کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے میں اتنی لذت
بھوک سے زیادہ ہی کھا گئی۔ جمیلہ بیگم کی محبت بھری نگاہیں اس کے چہرے سے

ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

کھانے کے دوران بینا نے پوچھا۔

"عاصم نے آپ سے میرا ذکر نہیں کیا تھا؟"

"اس نے ذکر تو کیا تھا لیکن ایک تو وہ تمہارا نام بھول گیا تھا، دوسرے یہ

کہ وہ میری رشتے کی بہن ہیں۔"

بینا خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"پھر ایک دن میں آپا کے پاس اسی مقصد سے گئی تھی۔"

"کس مقصد سے؟"

"یہی معلوم کرنے کہ عاصم کی ملاقات کس سے ہوئی تھی۔"

"انہوں نے کیا بتایا؟"

"انہوں نے گول مول سا جواب دے کر بات ٹال دی۔"

بینا نے کہا۔

"خالہ امی بے چاری بہت ڈرتی ہیں۔"

"ہاں! میں نے کئی دفعہ اُن سے کہا کہ میں بینا سے ملنا چاہتی ہوں، مگر وہ اس کے

حق میں نہیں تھیں۔"

"جی! اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر گھر میں کسی کو علم ہو جائے تو سب خالہ امی کو الزا

جمیلہ بیگم بڑی گہری سوچوں میں ڈوب گئیں۔

بینا کافی دیر ان کے پاس رہی۔ وہ جب بھی جانے کے لئے کہتی۔۔جمیلہ بیگ

سے اصرار کرتیں۔

"تھوڑی دیر تو اور بیٹھو بیٹی!"



خود بینا کا دل بھی جانے کو نہیں چاہ رہا تھا لیکن بہر حال اُسے جانا ہی تھا۔ آخر کار بادلِ نخواستہ

ر جانے کے لئے اُٹھ ہی گئی۔

جمیلہ بیگم افسردہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"جا رہی ہو بیٹی؟"

"جی!"

"تھوڑی دیر اور نہیں رکو گی؟"

"اب مجھے جانے ہی دیں امی!"

بینا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

جمیلہ بیگم نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی ساڑھی کے آنچل

سے آنسو پونچھنے لگیں۔ پھر اسے گلے سے لگاتے ہوئے بولیں۔

"چلو میں تمہیں رکشہ میں سوار کرا دوں۔"

بینا کو قدرے اطمینان ہوا۔ ورنہ وہ یہ سوچ کر پریشان تھی کہ معلوم نہیں رکشہ کہاں سے

؟

بس اسٹاپ کس طرف ہے؟

اور کونسی نمبر کی بس میں سوار ہونا ہے؟

جمیلہ بیگم بولیں۔

عاصم آج دیر سے آنے کو کہہ گیا تھا، وہ ہوتا تو تمہیں ٹیکسی میں گرومندر تک چھوڑ آتا۔"

بینا خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

اب کب آؤ گی؟"

بینا نے کہا۔

"کچھ پتہ نہیں کب آؤں گی، لیکن انشاء اللہ میں آؤں گی ضرور۔۔"

جمیلہ بیگم دروازے میں تالا لگا کر اس کے ساتھ باہر نکل آئیں۔

اپنی امی سے ملنے کی خواہش مینا کے دل میں ایک حسرت بن کر تڑپ رہی تھی۔

وہ حسرت پوری ہوگئی۔

ملاقات کا مرحلہ طے ہوگیا۔

تو اس کے دل و دماغ پر از سر نو خوف غالب آگیا۔

جمیلہ بیگم کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے اپنے ار[د گرد دیکھ] رہی تھی۔۔

اس کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ کہیں اتفاقاً کوئی اس طرف نہ آنکلے اور اسے ساتھ نہ دیکھ لے۔۔۔۔

پھر کیا ہوگا؟۔۔۔

رکشہ ملنے میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگی۔۔۔

مینا رکشہ میں سوار ہونے لگی تو جمیلہ بیگم نے کہا۔

"میں انتظار کروں گی مینا!"

"اچھا"، مینا نے کہا۔

"جلدی ہی آنے کی کوشش کرنا۔۔"

مینا نے اقرار میں سر ہلایا اور رکشہ آگے بڑھ گیا۔

سارے راستے مینا پریشان اور فکرمند سی بیٹھی رہی کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے، اس نے سر پہ لپیٹ کر خاصا آگے تک سرکا لیا تھا۔

مینا گھر پہنچی تو گھر میں موجود سبھی لوگوں نے اس سے دیر سے آنے کا سبب

اس نے پہلے سے تیار کئے ہوئے منصوبے کے تحت کہہ دیا کہ ایک کلا



ھڑی تھی

تو نے کہا۔

"صبح کہہ کر جانا چاہیئے تھا بیٹی۔۔"

"پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا البتہ کلاسز ختم ہوئیں تو وہ ایک دم ہی پیچھے پڑ گئیں۔"

"بڑے بھیا نے کہا۔۔"

"تم ہمیں ٹیلیفون ہی کر دیتیں۔"

"مینا نے کہا۔"

"یونیورسٹی کا پبلک ٹیلیفون خراب تھا، پوسٹ آفس اُس وقت بند تھا اور ناہید کے گھر ٹیلیفون نہیں ہے۔۔"

چھوٹے بھیا نے کہا۔

"ہم لوگ تو بہت فکرمند ہوگئے تھے۔"

مینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

بھابھی نے کہا۔

"میں نے تو پریشان ہو کر آسیہ کو ٹیلیفون کیا۔

آسیہ کو ٹیلیفون والی بات سُن کر مینا دل ہی دل میں گھبرائی لیکن اس نے چہرے سے اپنی گھبراہٹ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

بھابی کہے جا رہی تھیں۔۔۔

"میرا خیال تھا تم آسیہ کے ساتھ چلی گئی ہوگی۔ لیکن جب آسیہ نے بتایا کہ میں تو آج یونیورسٹی گئی ہی نہیں تھی اور مینا یونیورسٹی سے یہاں نہیں آئی ہے، تو میں اور زیادہ پریشان ہوگئی۔۔"

مینا چُپ چاپ کھڑی سُنتی رہی۔

بات آئی گئی ہوگئی، لیکن مینا کا ضمیر اسے مسلسل کچوکے دیئے جا رہا تھا۔

زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے ابّو اور بھائیوں کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔
اور اس ایک جھوٹ کو نبھانے کی خاطر اسے مزید کتنے جھوٹ بولنے پڑ گئے تھے
مجبوری اور بے بسی کا یہ کیسا موڑ آ گیا تھا، اس کی زندگی میں۔
جھوٹ؟
جس سے اُسے سخت نفرت تھی۔
آج اپنی ایک حرکت پر پردہ ڈالنے کے لئے اُسے اسی جھوٹ کا سہارا لینا پڑ گیا تھا
اعتماد!
جو اس کے ابّو اور بھائیوں کو اس کی ذات پر تھا۔
آج اس اعتماد کی دیوار کی پہلی اینٹ سرک گئی تھی۔
اسے احساس تھا کہ اعتماد کی دیوار متزلزل سی ہو گئی تھی۔
اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔
جو کچھ بھی ہوا۔
ٹھیک ہوا ---؟
میں نے آج جو کچھ بھی کیا۔
ٹھیک کیا؟
مگر دل کی تیز تیز دھڑکنوں کے سوا اسے کوئی آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی۔
دوسری طرف اُسے یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ --- کل آسیہ ضرور پوچھے گی کہ میں کہاں گئی
سب سے ناہید کے گھر جانے کا ذکر کر کے میں خالہ امّی کا نام بھی نہیں لے سکتی
اور اگر اس سے یہ کہہ بھی دوں کہ خالہ امّی کے گھر گئی تھی لیکن ناہید آج کے واقعہ
اس کے سامنے کر دے۔ تو آسیہ یہ پوچھے بغیر نہیں رہے گی کہ میرے کون سے رشتے دار تھے
کے اس بلاک میں رہتے ہیں۔ جنہیں وہ نہیں جانتی ---؟



پھر میں اسے کیا جواب دوں گی ---؟
مشکل تو یہ ہے کہ میں ناہید کو منع بھی نہیں کر سکتی کہ وہ آسیہ کے سامنے ذکر نہ کرے۔
نی بہت ساری پریشان سوچیں مینا کے ذہن کو اُلجھائے دے رہی تھیں۔
اس روز اسے پہلی بار احساس ہوا ---!
کہ جھوٹ بولنا آسان ہے۔
مگر اس جھوٹ کو نبھانا دشوار ہے۔
بہت دشوار۔
اپنی پریشان سوچوں کا کوئی حل اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
رات گزرتی جا رہی تھی۔
ستارے ایک ایک کر کے ماند پڑتے جا رہے تھے۔
جانے کتنے ستارے ڈوب چکے تھے۔
ہوائیں درختوں میں شور مچاتی پھر رہی تھیں۔
چاند اس کے کمرے کے کھلے ہوئے دریچے سے اندر جھانک رہا تھا۔
اور وہ اپنے بستر پر پریشان، فکر مند لیٹی سوچ رہی تھی۔
ت کے بے درد لمحے اُسے کس مقام پر لے آئے تھے۔

دوسرے روز وہی ہوا جس کا مینا کو ڈر تھا۔

آسیہ نے اس کی صورت دیکھتے ہی پوچھا۔

"کل تم کہاں چلی گئی تھیں؟"

"ارے! میں کچھ پوچھ رہی ہوں نا۔؟"

مینا ابھی کوئی جواب بھی نہیں دے پائی تھی کہ اچانک پیچھے سے ناہید آگئی۔

اس نے مینا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں مینا؟ کل خیریت سے گھر پہنچ گئی تھیں؟"

آسیہ نے کچھ حیران ہوکر پہلے ناہید پھر مینا کی طرف دیکھا۔

ناہید نے پھر کہا۔

"رکشہ آسانی سے مل گیا تھا۔؟"

"ہاں! زیادہ دقت نہیں ہوئی۔"

آسیہ نے ناہید سے پوچھا۔

"مینا کل تمہارے گھر گئی تھی؟"

ناہید نے کہا۔

"نہیں، میرے گھر تو نہیں گئی تھی، ہاں! میرے ساتھ ضرور گئی تھی۔"

آسیہ نے کہا۔



"کیا مطلب؟ تمہارے گھر نہیں گئی تھی، تمہارے ساتھ گئی تھی"

"ہاں بھئی! اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟"

آسیہ نے کہا۔

"پگلی! تو گھبراؤ نہیں، صاف صاف بتاؤ کیا چکر ہے؟"

ناہید مسکرا کر بولی۔

"مینا کے کوئی رشتے دار ہمارے گھر کے قریب رہتے ہیں، ان سے ملنے گئی تھی۔"

مینا کے چہرے کا رنگ بدل گیا جسے ناہید نے تو شاید اپنی باتوں میں محسوس نہیں کیا لیکن اس کی آنکھوں میں اُسے اُلجھن واضح طور پر نظر آئی۔ آسیہ بڑے غور سے مینا کے رنگ بدلتے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ناہید کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے مینا سے مزید کچھ نہیں پوچھا، "اچھا" کہہ کر بات ختم کر دی۔ لیکن ناہید کے جاتے ہی وہ مینا کا ہاتھ تھام کر ایک الگ گوشے میں لے آئی۔۔۔ "سچ سچ بتاؤ یہ کیا چکر ہے؟" آسیہ نے پوچھا۔

"کیسا چکر۔۔۔؟"

"تمہارے وہاں کون سے رشتے دار رہتے ہیں۔۔۔؟"

مینا سر جھکائے زمین پر آڑی ترچھی لکیریں بناتی رہی۔

آسیہ نے آہستہ سے اس کا سر ہلایا۔

"تمہارا یہ پُراسرار سا رویہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا ہے۔"

پھر مینا نے ایک دم ہی فیصلہ کر لیا۔۔۔۔ وہ آسیہ سے کچھ نہیں چھپائے گی۔

وہ آسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تمہیں بتا تو دوں آسیہ! لیکن پہلے تم ایک بات کا وعدہ کرو مجھ سے۔"

"کس بات کا وعدہ؟"

"یہی کہ جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گی تم اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گی۔۔۔"

"یہ تو بہت مشکل ہے۔"

"کیوں ——؟"

"تمہیں تو معلوم ہی ہے میری زبان کس قدر بے قابو رہتی ہے۔"

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ رازداری کا وعدہ کرو ——"

"اچھا چلو وعدہ۔"

"ایسے نہیں۔"

"پھر کیسے؟"

"قسم کھاؤ۔"

"بھئی قسم تو نہ کھلواؤ مجھ سے۔"

"نہیں آسیہ یہ بہت ضروری ہے۔"

"بس! کہہ جو دیا کسی سے نہیں کہوں گی۔"

"جب تک قسم نہیں کھاؤ گی، میں نہیں بتاؤں گی۔"

"اچھا —! کس کی قسم کھاؤں؟"

"بس! جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہو۔"

"یہ ستم تو نہ کرو تم میرے اوپر ——"

"اس میں ستم کی کون سی بات ہے؟"

آسیہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کہا۔

"یہ بات تم نہیں سمجھو گی۔"

یہ کہتے ہوئے آسیہ شرارت سے مسکرائی۔

مینا بھی بضد تھی کہ جب تک آسیہ قسم نہیں کھائے گی وہ اُسے کچھ نہیں بتا

کو اس کی بات ماننی ہی پڑی۔ چند منٹ گزر گئے۔ آسیہ متجسس نگاہوں سے ا



د... سوچ رہی تھی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ آخر کار اسے یہی مناسب معلوم ہوا کہ

...ر کسی تمہید کے آسیہ کو بتا دے۔

...نے اپنی فائل کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

... بنائی گئی تھی۔

...پھر اس نے آسیہ کے تاثرات کا اندازہ لگانے کے لئے اس کی طرف دیکھا۔ آسیہ تصویر

...ں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سیکنڈ گزر گئے۔ آسیہ پلکیں جھپکائے بغیر مینا کی صورت

تا

مینا نے پوچھا۔

"تم اس قدر حیرت زدہ کیوں ہو؟"

...یہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

"بات ہی حیرت زدہ ہونے کی ہے۔"

مینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے یقین

...نی ای کے بارے میں چچی جان نے تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور بتایا ہوگا ——"

...سیہ خاموش رہی۔

...نا نے پوچھا ——!

"... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا ——؟"

...سیہ نے دھیرے سے کہا۔

یہ

...نے کہا

... دونوں اپنی اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی بیٹھی رہیں۔ آسیہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھی۔

"تم تو بالکل گم صم ہو کر بیٹھ گئی ہو۔"

"ہاں! دراصل میں فیصلہ نہیں کر پا رہی ہوں۔"

"کس بات کا فیصلہ۔۔۔؟"

"یہی کہ تم نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا یا غلط کیا۔"

"اگر میں نے غلط بھی کیا ہے تو یہ سمجھ لو کہ۔۔۔۔"

بینا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

آسیہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بینا نے کہا۔

"یہ غلطی مجھ سے آئندہ بھی سرزد ہوتی رہے گی۔"

بینا کے لہجے سے بے خوفی عیاں تھی۔

آسیہ کی نگاہوں میں ایک دفعہ پھر حیرت سمٹ آئی۔

"یعنی تم ان سے آئندہ بھی ملتی رہو گی۔"

"ہاں۔۔۔"

"یہ جانتے ہوتے بھی کہ ان سے ملنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔۔۔؟"

"میں کسی اور کو ان سے ملنے پر مجبور نہیں کروں گی۔۔۔"

"تمہارا ان سے ملنا بھی کسی کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہوگا۔۔۔"

"میں جانتی ہوں لیکن میں اپنے آپ کو نہیں سمجھا سکتی۔۔۔"

"تم کوشش تو کرو۔۔۔"

آسیہ کی اس بات پر بینا نے بڑی گہری سانس لی۔ آسیہ نے شرمندہ ہو

نے نگاہیں ملاتے بغیر بولی۔

"مجھے معلوم ہے بینا! یہ بہت مشکل ہے۔"



شکل ہے" بینا کے ہونٹوں پر ایک مجروح تبسم بکھر گیا۔

چند سیکنڈ وہ خاموش رہی پھر بولی۔

"میرے احساسات کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا، اپنے جذبات میں خود ہی بہتر طور پر سمجھ سکتی ہوں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو بینا! لیکن۔۔۔۔"

بینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لئے آسیہ! کوئی نصیحت نہ کرنا مجھے۔"

"میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کر رہی ہوں۔۔۔"

"پھر۔۔؟"

"میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ان یک طرفہ جذبات اور احساسات سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

بینا سوچوں میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے آسیہ کی طرف دیکھتی رہی۔

"دیکھو نا! تم تو ان کے لئے اس قدر تڑپ رہی ہو اور وہ۔۔۔۔"

بینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس بات کا اندازہ کیسے ہو گیا کہ یہ جذبات اور احساسات یک طرفہ ہیں۔۔؟"

آسیہ نے کہا۔

"اگر ان کے دل میں تمہاری محبت تھی تو انہوں نے تمہیں اپنے آپ سے جدا کرنا کیسے گوارا کر لیا؟"

بینا کو خاموش پا کر آسیہ نے کہا۔

"اتنے سالوں میں انہوں نے ایک دفعہ بھی اس بات کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ پلٹ کر تمہاری

بے چینی۔"

بینا نے کہا۔

"تمہیں یا مجھے کیا معلوم کہ ان کی راہ میں کتنی رکاوٹیں ہوں گی"؟

"مگر میرا خیال یہ ہے کہ وہ ان عورتوں میں سے نہیں ہیں جو راہ میں آ جانے والی رکاوٹوں کے

سامنے ہتھیار ڈال دیں"

بینا نے کچھ کہنا چاہا لیکن آسیہ نے اسے خاموش کراتے ہوئے کہا

" اگر وہ راہ میں آ جانے والی رکاوٹوں کے سامنے بے بس ہونے والی ہوتیں تو کبھی نہ اُٹھاتیں۔"

" تم یا دوسرے لوگ ان کے لئے کچھ بھی کہتے رہیں لیکن بہر حال وہ میری ماں ہیں اور

بینا ایک سیکنڈ کے لئے رُک کر بولی۔

" ان سے ملنے کے بعد سے میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ کسی دوسرے شخص کو میری ماں احساسات کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔"

آسیہ سے کوئی بات نہ بن پڑی۔

" تم اگر میرا ساتھ نہیں دو گی تب بھی میں ان سے ملوں گی ضرور۔۔۔"

آسیہ نے کہا۔

"تایا ابا اور بڑے بھیا کو اس بات کا علم ہو گیا تو انہیں بہت صدمہ ہو گا، وہ تمہیں چاہتے ہیں۔"

" مجھے معلوم ہے آسیہ! لیکن تم خود ہی سوچو میں اپنے آپ کو اُن سے ملنے سے کیسے

یہ کہتے ہوتے بینا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

آسیہ نے پوچھا۔

" تمہیں ان کا پتہ کیسے معلوم ہو گیا۔۔۔؟"

بینا نے عاصم سے اپنی ملاقات کے بارے میں اسے بتایا۔

آسیہ نے کچھ بُرا سا مان کر کہا۔

" تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔"

بینا نے ایک دبی ہوئی سانس لیتے ہوئے کہا۔



ینے تو تم سے اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا کہ جب میں تم لوگوں کے ساتھ ایبٹ آباد گئی تھی تمہاری خالہ جان کی باتوں سے مجھے اپنی امی کے بارے میں اصل واقعات کا علم ہوا۔

یہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"... ہوئی تھیں ان دونوں کے درمیان؟"

"ہیں تو پہلے سے علم ہے ان باتوں کا، ہاں! میرے لئے بے شک نئی تھیں وہ باتیں۔"

یہ کچھ دیر گہری سوچوں میں ڈوبی رہی۔ پھر پوچھنے لگی۔

"کل کی ملاقات کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔"

بینا نے ڈبڈباتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور الف سے یے تک سب کچھ بتا دیا۔

ے لہجے سے گہری افسردگی عیاں تھی۔

ایک دفعہ بینا کے قدم اس راہ پر اُٹھ گئے تو پھر رک نہ سکے۔ وہ اکثر اپنی امی سے ملنے کے لئے گی۔ اپنے ابا اور بھائیوں کے سامنے اس نے زندگی کا جو پہلا جھوٹ بولا تھا۔ اسے نبھانے اسے ہر دفعہ ایک نیا جھوٹ بولنا پڑتا تھا۔ جھوٹ کی یہ راہ بہت کٹھن تھی لیکن بینا اس چلنے کے لئے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔

آسیہ نے راز کو راز رکھنے کی قسم کھائی تھی وہ اس قسم کو نبھانے کے لئے مجبور تھی۔ اسے بہت پیار تھا۔ اس کی خاطر وہ بھی جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہی تھی۔ بینا کے اکیلے پن کے علاوہ تین دفعہ وہ بھی اس کے ساتھ اس کی امی کے گھر جا چکی تھی۔

ایک دفعہ بینا اپنی امی سے مل کر گھر آنے لگی تو عاصم بھی اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ اسے صدر جانا تھا۔ اس نے بینا سے کہا۔!

"میں آپ کو آپ کے گھر کے قریب والے اسٹاپ پر چھوڑ کر صدر چلا جاؤں گا۔"

بینا نے کہا تو

"نہیں عاصم! اگر کسی نے دیکھ لیا تو میں نہیں کہہ سکتی کیا ہو گا۔"

عاصم نے کہا۔

"آپ اتنا ڈرتی کیوں ہیں؟"

"کیا کروں، ڈرنا ہی پڑتا ہے——"

"آخر کیوں——؟"

"تم سب کچھ جانتے ہوتے بھی پوچھ رہے ہو——"

"میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں، مجھے آپ کے ساتھ کہیں آنے جانے کا کوئی حق:

بینا کچھ نہ بول سکی۔

اور آخر وہی ہوا جس کا بینا کو ڈر تھا، وہ عاصم کے ساتھ رکشہ میں بیٹھی ہوئی گھر سے فیصل بھائی کی گاڑی گزر گئی۔ بینا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ گھبرائی ہوئی اور پریشان سی بیٹھی رہی۔ عاصم اُسے اسٹاپ پر چھوڑ کر آگے چلا گیا۔ تک کا راستہ بینا نے یہی سوچتے ہوتے طے کیا کہ کہیں فیصل بھائی اس وقت نہ ہوں۔ ان کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی بینا سہم کر رہ گئی۔ ڈرتے ڈرتے اس اندر قدم رکھا۔ فیصل بھائی کی گاڑی نہیں تھی۔ اس نے سکون کا سانس لے کر دل ہی ادا کیا اور سوچا—— چلو—— اس وقت تو جان بچ گئی۔

لیکن—— آخر کب تک فیصل بھائی سے اس کا سامنا نہ ہوتا——؟

---



دوسرے ہی روز دوپہر کو فیصل بھائی آ گئے۔ بینا یونیورسٹی سے جلدی آ گئی تھی۔ بھابی میکے گئی ہوئی تھیں۔ گھر میں تو، ابّو اور خود بینا کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ فیصل بھائی، بینا اور اس کے ابّو نے ساتھ ہی کھایا۔ بینا کے ابّو کو کھانا کھانے کے بعد سونے کی عادت تھی فیصل بھائی سے باتیں کرتے ہی ان کی آنکھ لگ گئی۔ بینا اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ جب سے فیصل بھائی آتے وہ سخت پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی اور اس کوشش میں تھی کہ فیصل بھائی کو اس سے تنہائی میں کہنے کا موقع نہ ملے۔ فیصل بھائی کی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی بے چینی اور چہرے پر چھائی ہوئی بینا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھی۔

کمرے کے باہر فیصل بھائی کے قدموں کی آواز بلند ہوئی تو بینا نے اپنے سہمے ہوتے دل کو بہلا کرنے کی کوشش کی اور اپنے آپ کو فیصل بھائی کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے کرنے لگی۔ فیصل بھائی اس کے کمرے میں داخل ہوتے تو بینا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں کئی لمحے گزر گئے۔ فیصل بھائی کے قدم آگے نہ بڑھ سکے، نہ ان کے ہونٹوں کو کوئی جنبش ہوئی۔ بینا کی پلکیں گرتی اور اُٹھتی رہی۔ کمرے کے ماحول میں بڑی منجمد سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پھر بھائی آہستہ قدموں سے بینا کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور بولے۔

"اگر میری نگاہوں نے مجھے دھوکہ نہیں دیا تو کل میں نے رکشے میں تمہیں کسی کے ساتھ تھا۔"

بینا کا دل چاہا کہ وہ صاف صاف جھوٹ بول جائے۔ وہ اپنے آپ میں اتنی ہمّت نہ پیدا

کر سکی کہ فیصل بھائی کو جھٹلا دے۔ اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار، سر جھکائے خاموش رہی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"تمہاری خاموشی اس بات کا ثبوت نہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے؟"

مینا نے ڈرتے ڈرتے سر اوپر اُٹھایا اور فیصل بھائی کے تاثرات کا اندازہ...

فیصل بھائی نے پوچھا۔

"کون تھا وہ؟" ان کے لہجے میں ذرا سی بھی سختی نہیں تھی۔

مینا نے دل ہی دل میں ان کے سوال کو دہرایا اور سوچنے لگی۔ ۔۔

میں فیصل بھائی کو کیا بتاؤں کہ وہ کون تھا — ؟

اور کس طرح بتاؤں — ؟

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے مینا — ؟"

فیصل بھائی قریبی صوفے پر بیٹھ گئے۔

مینا کے دل و دماغ میں اس وقت بڑی شدید جنگ جاری تھی۔

دل کہتا تھا کہ ——

فیصل بھائی کو اپنا ہمراز بنا لو۔

اور دماغ کہتا تھا ——

نہیں —— ہرگز نہیں ——

یوں ہر ایک کو ہمراز بناتی رہیں تو راز، راز کب رہے گا؟

دل نے کہا ——

فیصل بھائی قابلِ اعتبار ہیں ——

وہ کسی سے نہیں کہیں گے۔

دماغ نے کہا ——



نہیں ۔۔ حماقت ہے۔

ہر ایک کو قابلِ اعتبار مت سمجھو!

دل و دماغ، ہاں اور نہیں کی... تکرار میں اُلجھے ہوئے تھے اور لمحے چپ چاپ گزر رہے تھے۔

فیصل بھائی مینا کا جواب سننے کے منتظر تھے ——

اور پھر ——

آخر کار ——

جیت دل کی ہی ہوئی۔

مینا نے فیصلہ کر لیا۔

وہ فیصل بھائی کو سب کچھ بتا دے گی۔

معلوم نہیں کیوں؟

اسے فیصل بھائی کے اوپر ایک اعتبار سا تھا ——

اس سے پہلے کہ مینا فیصل بھائی کو کچھ بتاتی فیصل بھائی نے درشت لہجے میں کہا ——

"میں نے کچھ پوچھا ہے مینا —— !"

مینا کی خاموشی نے ان کا موڈ خراب کر دیا تھا۔ فیصل بھائی کا لہجہ مینا کے دل کو مجروح کر گیا۔

اس کے دل کا سارا درد آنکھوں میں سمٹ آیا۔

آنکھوں کے کنارے بھیگے

اور آنسو رخساروں پر پھسلنے لگے۔

اس کے آنسوؤں نے فیصل بھائی کا دل پگھلا دیا۔

انھوں نے مینا کی طرف قدرے جھکتے ہوئے کہا۔

"مجھے بتانا نہیں چاہتیں؟"

اس نے شبنمی نگاہوں سے فیصل بھائی کی طرف دیکھا۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"اچھا اگر تمہاری مرضی نہیں ہے تو جانے دو۔"

مینا نے کہا۔

"ویسے تو شاید میں آپ کو کچھ بھی نہ بتاتی لیکن کیونکہ آپ دیکھ چکے ہیں اس لئے کچھ چھپانا میں مناسب نہیں سمجھتی۔"

پھر مینا کو وہ ساری داستان ایک دفعہ پھر دُہرانی پڑی جو وہ آپ کو بتا چکی تھی۔ فیصل بھائی بڑی توجہ سے مینا کی باتیں سنتے رہے۔ مینا خاموش ہوئی تو فیصل بھائی نے طویل سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند سیکنڈ تک وہ اسی انداز سے بیٹھے رہے۔ مینا منتظر تھی کہ فیصل بھائی کچھ کہیں، کچھ بولیں۔ لیکن فیصل بھائی گُم صُم سے ہو کر رہ گئے تھے۔

مینا نے پوچھا۔

"آپ کیا سوچنے لگے فیصل بھائی۔۔؟"

فیصل بھائی نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر مینا کی طرف دیکھا۔

مینا نے پوچھا۔

"میں نے غلط قدم اُٹھایا ہے؟"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے۔؟"

"میرا دل۔۔؟"

"ہاں۔"

"میں نے تو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے۔"

"تم نے جو کچھ کیا اس پر تمہارا ضمیر مطمئن ہے؟"

"معلوم نہیں۔"



مینا نے دبی ہوئی سانس لی۔

"یہ کیسے معلوم ہوگا۔۔؟"

"کیا بتاؤں۔۔؟ جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نے اپنے ابّو اور بھائیوں سے چھُپ کر ایک کام کیا ہے تو میرے دل کی کیفیت ناقابلِ بیان ہوتی ہے۔"

"اگر اُن لوگوں میں سے کسی کو اس بات کا علم ہوگیا تو۔۔۔۔۔"

"تو تمہیں نہیں معلوم فیصل بھائی۔۔! اس دن کیا ہوگا۔۔؟"

فیصل بھائی گہری سوچوں میں ڈوب کر بولے۔

"ہاں۔۔! اُن لوگوں میں سے کوئی بھی تمہاری امّی کا نام تک سُننا پسند نہیں کرتا۔"

مینا نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"آپ ابّو اور بڑے بھیا سے ذکر تو نہیں کریں گے۔۔؟"

"مینا!!" فیصل بھائی کی نگاہوں میں حیرانگی سمٹ آئی۔

"مجھ پر اتنا بھی بھروسہ نہیں تمہیں۔۔؟"

فیصل بھائی کی نگاہوں میں شکوہ تھا۔

"اعتماد تو ہے لیکن یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے۔"

مینا کے چہرے پر بے بسی تھی، فیصل بھائی اس کی پلکوں کی گرتی اُٹھتی چلمن پر نگاہیں جمائے سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

کچھ دیر بعد فیصل بھائی نے کہا۔

"تم بالکل فکر مت کرو مینا!"

مینا سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"میں ہر موقع پر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

مینا نے فیصل بھائی کی طرف دیکھا۔

فیصل بھائی کی نگاہوں کا انداز والہانہ تھا۔

پھر مینا بہت دنوں تک اپنی امی سے ملنے نہیں گئی۔ جب سے فیصل بھائی نے ساتھ دیکھا تھا۔ مینا کچھ محتاط ہوگئی تھی۔ اس نے سوچا — کہیں ایسا نہ ہو کہ ابّو اور بھائی کوئی اسے اس علاقے میں جاتا ہوا دیکھ لے جدھر اس کی امی رہتی تھیں۔ پھر وہ امی کی شکل سے بھی محروم رہ جائے گی۔

مینا کو کئی دفعہ اس بات کا خیال آیا کہ کیوں نہ وہ ابّو اور بھائیوں کے سامنے ذکر کر کے اپنی امی سے ملنے کی اجازت حاصل کر لے۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ ابّو اسے چاہتے ہیں۔ شاید وہ اس کی بات مان لیں۔ اسے امی سے ملنے کی اجازت دے دیں۔ لیکن ان کے دل کو ضرور پہنچے گی۔ اس سے بہتر ہے وہ انہیں اس بات کی خبر ہی نہ ہونے دے۔

دوسری طرف خالہ امی اور نجمہ آپا اُسے سمجھاتی رہتی تھیں کہ تم چوری چھپے اپنی امی سے ملا کرو۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تم اپنے ابّو کو سب کچھ بتا کر اُن سے اجازت لے لو لیکن آپ میں اتنی ہمت نہ پیدا کر سکی۔ اس نے خالہ امی کے گھر جانا بہت کم کر دیا تھا۔

اس روز وہ کافی دنوں کے بعد خالہ امی سے ملنے گئی تھی۔ نجمہ آپا نے اُسے یہ خوشخبری سنائی کہ اشعر بھائی واپس آنے والے ہیں۔ اشعر بھائی چھ سال بعد وطن واپس آرہے تھے۔ نجمہ آپا اور دوسرے لوگوں کو جتنی بھی خوشی ہوتی کم تھی۔

تقریباً ایک ہفتے بعد نجمہ آپا کا ٹیلیفون آیا کہ اشعر بھائی کل دوپہر پہنچنے والے ہیں۔ تم چلنا چاہو تو چلو۔ اگلے روز مینا کا ٹیسٹ تھا۔ وہ یونیورسٹی جانا ملتوی نہیں کر سکتی تھی۔ معذرت کرتے ہوئے شام کو آنے کا وعدہ کر لیا لیکن شام کو بھابھی کے میکے والے آئے ہوئے مہمانوں کو چھوڑ کر جانا اسے مناسب نہیں معلوم ہوا۔

دوسرے روز وہ یونیورسٹی جاتے ہوئے بھابھی سے کہہ گئی۔

"بھابھی — ! میں آج دیر سے آؤں گی۔"



بھابھی نے پوچھا۔

"کہیں جانے کا ارادہ ہے ؟"

"نجمہ آپا کے گھر جانا ہے۔"

"شام تک آجاؤ گی — ؟"

"کیوں ؟ آپ کو کہیں جانا ہے — ؟"

"نہیں، تمہارے بھیا کے دوست اپنی بہن اور بیوی کے ساتھ آنے والے ہیں۔"

"وہی دوست جو حال ہی میں لیبیا سے آئے ہیں —"

"ہاں"

"میں آجاؤں گی شام تک۔"

مینا خالہ امی کے گھر پہنچی تو نجمہ آپا کھانے کی میز صاف کر رہی تھیں — دوپہر کا کھانا ہو چکا تھا۔

نجمہ آپا نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"بڑی دیر کر دی مینا تم نے —"

"جی ! بسوں میں بہت رش تھا، رکشہ بھی کافی دیر میں ملا"

"تمہارا انتظار کر کے ہم لوگوں نے ابھی کھانا کھایا ہے"

"اچھا — ! کوئی بات نہیں —"

"تم منہ ہاتھ دھو کر آجاؤ، تمہارے لئے کھانا رکھتی ہوں —"

"نہیں نجمہ آپا — ! مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"دو بج رہے ہیں، تمہیں ابھی تک بھوک نہیں ہے —"

"ہاں —"

"کیوں ؟ کیا کھا لیا تھا — ؟"

«آج یہ سینڈوچز لائی تھی، اسی سے پیٹ بھر لیا میں نے—»

«اب امّی تمہاری خبر لیں گی—»

«کیوں—؟»

«تمہاری پسند کی چیزیں پکائی ہیں امّی نے—»

«اوہو—یہ تو گڑبڑ ہوگئی—»

مینا کو پریشان دیکھ کر نجمہ آپا کو ہنسی آگئی۔

مینا نے کہا۔

«آپ ہنس رہی ہیں—»

«پھر کیا کروں—؟»

«کوئی حل بتائیے میرے مسئلے کا—»

«حل صرف یہی ہے کہ چاہے تمہیں بھوک ہو یا نہ ہو، چُپ چاپ بیٹھ کر کھا

«اتنا ظلم تو نہ کیجئے میرے اوپر—»

«پھر تم خود ہی کوئی حل سوچو—»

«اچھا دیکھئے—»

«دکھاؤ—» نجمہ آپا مسکرائیں۔

«میں تو شام تک رہوں گی نا—!»

«اچھا—! پھر؟»

«اس دوران اگر مجھے بھوک لگی تو کھانا کھالوں گی—»

مینا ایک لمحے کے لئے رُکی پھر بولی۔

«اور اگر بھوک نہیں لگی تو اپنے حصّے کا کھانا ساتھ لے جاؤں گی—»

«چلو منظور—»



«دیکھا کتنا اچھا حل سوچا میں نے—»

«ہیں جی بڑے کمینے تمہارے—»

«جانتی ہیں نا مجھے—؟»

«ابھی نانی اماں—»

«اب بتائیے خالہ امّی کہاں ہیں—؟»

نجمہ آپا ہنس کر بولیں۔

«ان کے بارے میں کچھ نہ پوچھو—»

«کیوں—؟ خیریت؟»

«وہ بہت مصروف ہیں—»

مینا ان کی بات کا مطلب سمجھ کر زیرِ لب مسکرائی۔

نجمہ آپا نے کہا۔

«بھائی جان کیا آگئے ہیں۔ امّی کو کوئی دوسرا یاد ہی نہیں رہا—»

«میں بھی نہیں یاد رہی۔»

«اب تم خود ہی اندازہ کرلو، تمہیں آئے ہوئے اتنی دیر ہوگئی، ابھی تک تم سے ملنے بھی نہ آئیں—»

«اصل میں بات یہ ہے کہ میں تو ہر آٹھویں دن چکّر لگا جاتی ہوں اور اشعر بھائی کا دیدار پورے سال بعد نصیب ہوا ہے انہیں۔»

«ہاں لیکن اب تو خیر سے وہ آگئے ہیں اور یہیں رہنا ہے انہیں۔»

«ہوں» مینا مسکرا کر رہ گئی۔

نجمہ آپا نے کہا۔

«امّی تو کسی وقت چھوڑتیں ہی نہیں بھائی جان کو—»

مینا ہنس کر بولی۔

"کیا مطلب —؟"

"آپ اتنی حاسد تو کبھی بھی نہیں تھیں۔"

"کیا کروں بھئی! میرا بھی تو دل چاہتا ہے بھائی جان سے باتیں کرنے کو۔"

"آپ بھی کر لیجئے گا باتیں، ایسی جلدی کیا ہے؟"

"جاؤ— فی الحال تو تم کرو باتیں، کل سے کئی بار پوچھ چکے ہیں تمہیں۔"

"اچھا!" مینا نے کہا اور خالہ امی کے کمرے کی طرف چل دی۔

مینا کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی اور اشعر بھائی باہر نکل رہے تھے۔ دونوں ٹکرائے کہ اگر اشعر بھائی اُسے تھام نہ لیتے تو مینا یقیناً فرش پر پڑی نظر آتی۔ چند لمحے ایک عجیب سی کیفیت میں کھڑے رہے۔

مینا کے چہرے پر گھبراہٹ تھی۔

کچھ پشیمانی

اور کچھ حجاب سا۔

پلکوں کی چلمن کبھی گرتی تھی۔

کبھی اُٹھتی تھی۔

اس کے کندھوں پر اشعر بھائی کے ہاتھوں کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

ان کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

ہونٹوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ ——

وہ پلکیں جھپکائے بغیر مینا کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

مینا منتظر تھی کہ اشعر بھائی شانوں پر سے اپنے ہاتھ ہٹائیں گے۔

لیکن اشعر بھائی تو جیسے بھول ہی گئے تھے کہ وہ کس انداز سے کھڑے تھے۔



مینا نے خود ہی اپنے شانوں پر سے اُن کے ہاتھ ہٹائے اور آگے بڑھ گئی

خالہ امی کمرے میں نہیں تھیں۔ شاید دوسرے دروازے سے برابر والے کمرے میں چلی گئی تھیں

مینا پلٹنے ہی والی تھی کہ خالہ امی آگئیں۔

خالہ امی نے دیکھتے ہی حسبِ عادت گلے سے لگایا اور بولیں۔

"ارے تم کدھر سے آگئیں؟ میں تو تمہیں ہی دیکھنے گئی تھی۔"

پھر خالہ امی نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اشعر بھائی کو آواز دی۔

"اشعر بیٹے —!"

"جی امی!"

"ادھر تو آؤ۔"

اشعر بھائی واپس پلٹ آئے۔

خالہ امی نے پیار سے مینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسے پہچانا تم نے؟"

پھر اشعر بھائی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بولیں۔

"یہ مینا ہے۔"

اشعر بھائی مسکرا کر بولے۔

"میں نے پہچان لیا ہے امی! آپ تعارف کیوں کروا رہی ہیں۔"

"میں نے سوچا کہیں تم بھول ہی نہ گئے ہو۔"

"بھولنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"تم لڑکوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

خالہ امی کسی کام سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں گئیں تو اشعر بھائی نے کہا۔

"تمہیں میرے آنے کی اطلاع نہیں تھی —؟"

"اطلاع تو تھی —"

"پھر تم کل کیوں نہیں آئیں؟"

"کل میرا ٹیسٹ تھا —"

"ٹیسٹ صبح ہوا — ہوگا یا دن میں، شام کو کیوں نہیں آئیں۔"

"شام کو مہمان آ گئے تھے —"

"بہت اہم مہمان تھے؟"

"جی — یہی سمجھ لیجئے —"

اشعر بھائی کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

کچھ دیر بعد خالہ امی اور نجمہ آپا کچھ پیکٹ لے کر آ گئیں۔ اور مینا کے سامنے رکھ کر

بولیں۔

"اپنی امانت سنبھالو —"

نجمہ آپا اور خالہ امی نے پیکٹ کھول کر مینا کو دکھائے۔ مینا شرمندہ سی ہو گئی۔ فیصلہ اشعر نے فراخدلی کا ثبوت دیا تھا۔

مینا نے کہا۔

"نجمہ آپا — یہ اتنی ساری چیزیں میں نہیں لوں گی۔"

"کیوں نہیں لو گی؟"

خالہ امی نے بھی کہا۔

"اشعر یہ سب کچھ تمہارے لئے لایا ہے، کیوں نہیں لو گی تم —؟"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا — سر جھکا کر سوچوں میں ڈوب گئی۔

اشعر بھائی اٹھ کر چلے گئے۔ مینا کچھ دیر خالہ امی سے باتیں کرتی رہی۔ پھر نجمہ آپا کے ساتھ لے کر اشعر بھائی کے کمرے میں آ گئیں۔ اشعر بھائی اپنے بستر پہ نیم دراز کسی کتاب کو پڑھ رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے —

نجمہ آپا نے کہا۔

"شاید ہم نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے بھائی جان —"

"ارے نہیں بھئی — تم سے تو بات کرنے کا موقع نہیں ملا ابھی تک —"

"اور کیا، آپ کو تو امی سے ہی بات کرنے سے فرصت نہیں تھی۔"

اشعر بھائی مسکرا کر رہ گئے۔

"آخر کیا راز و نیاز ہو رہے تھے امی کے ساتھ؟"

"راز و نیاز؟"

"اور کیا —"

"تمہیں بھی جلدی ہی اس راز میں شریک کر لیا جائے گا —"

"اس کا مطلب ہے واقعی راز و نیاز ہو رہے تھے —"

"تم کہہ رہی ہو تو یہ بات درست ہی ہو گی —"

مینا اس دوران بالکل خاموش رہی صوفے کی پشت سے سر ٹکائے وہ کھلے ہوئے دریچے سے باہر دیکھ رہی تھی۔

اشعر بھائی نے کہا۔

"کیوں مینا —؟ تمہیں بولنا نہیں آتا —؟"

مینا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"جی! مجھ سے کچھ کہا آپ نے؟"

"کہاں کھوئی ہوئی تھیں —؟"

نجمہ آپا مسکرا کر بولیں —

"اس لڑکی کو بیٹھے بیٹھے کھو جانے کی عادت ہے —"

”کیوں؟ نجمہ درست کہہ رہی ہے؟“

”نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“

نجمہ آپا نے پوچھا۔

”اگر تمہیں بھوک لگی ہو تو کھانا رکھوں تمہارے لئے۔؟“

”نہیں، مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔“

”اچھا کافی پیو گی۔؟“

”میرے لئے خاص طور سے بنائیں گی آپ؟“

”نہیں، بھائی جان پئیں گے، میں بھی پیوں گی“

”ٹھیک ہے پھر میں بھی پی لوں گی۔“

نجمہ آپا کافی بنانے چلی گئیں — مینا نے میز پر رکھا ہوا میگزین اٹھا لیا۔

اشعر بھائی نے کہا۔

”تم یہاں مطالعہ کرنے آئی ہو۔!“

”جی! نہیں تو۔“

”پھر یہ میگزین کیوں اٹھا لیا ہے؟“

”تصویریں دیکھنے کے لئے۔“

مینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

اشعر بھائی اس کی طرف دیکھتے رہے۔

مینا نے میگزین کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

”ایک بات کہوں اشعر بھائی۔!“

”ہاں۔! ضرور کہو۔“

”آپ میرے لئے جو تحائف لائے ہیں وہ میں نہیں لوں گی“



”کیوں؟“

”مجھے کسی سے تحفے تحائف لینا پسند نہیں ہے۔“

اشعر بھائی برا مان کر بولے۔

”میرے تمہارے ساتھ کوئی رشتے داری نہیں؟“

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔“

”پھر اپنے الفاظ واپس لو۔“

”آپ کو میرے لئے یہ سب کچھ نہیں لانا چاہیئے تھا۔“

”کیوں؟“

”مناسب نہیں ہے“

”اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار تمہیں کس نے دے دیا ہے؟“

”کس بات کا؟“

”اس بات کا کہ مجھے تمہارے لئے کچھ لانا چاہیئے تھا یا نہیں؟“

”جی!!“

مینا حیران نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”اشعر بھائی نے کہا“

”تمہیں وہ ساری چیزیں لینی پڑیں گی“

”نہیں“

”تم اتنی ضدی کب سے ہو گئیں؟“

”جب سے آپ نے حکم دینا سیکھا ہے“

مینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

اشعر بھائی مسکرائے۔

شام کو گھر جاتے ہوئے مینا اشعر بھائی کو خدا حافظ کہنے آئی تو اشعر بھائی نے

"کل آؤ گی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں یہاں روزانہ نہیں آتی"

مینا کا سر جھکا ہوا تھا۔

"پھر کب آؤ گی؟"

"کچھ پتہ نہیں۔"

مینا کے چہرے پر افسردگی تھی۔

اشعر بھائی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم جانتی ہو مینا! میں تمہارے گھر نہیں آسکتا۔"

"جی مجھے معلوم ہے"

"پھر تم ہی آجانا۔"

"روز روز میرا یہاں آنا مشکل ہے"

"مجھے معلوم ہے لیکن پھر بھی میں انتظار کروں گا۔"

"میرا آنا بہت ضروری ہے؟"

"ہاں، اگر تم سمجھو تو"

مینا نے پلکیں اٹھا کر اشعر بھائی کی طرف دیکھا۔

ان کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

لیکن ——

اپنی آنکھوں سے جھانکتے ہوتے جذبات کو وہ کسی طرح بھی تو نہیں چھپا



مینا کا ذہن الجھ گیا۔

اور دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو گئیں

اس نے سوچا۔

مجھے کیا ہو گیا؟

اشعر بھائی کی نگاہوں میں جو ایک ڈھکا چھپا سا پیغام تھا۔ وہ مینا سے پوشیدہ نہیں تھا۔

اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اشعر بھائی اور ان کے گھر کے دوسرے افراد کی خواہش

کہ مینا ان کے گھر آنے میں اتنا طویل وقفہ نہ دیا کرے۔

لیکن خود اس کا انداز اب بھی وہی پرانا تھا۔

اسے ان سب لوگوں سے بہت محبت تھی۔

مگر —— اسے یہ بات ناپسند تھی کہ وہ اشعر بھائی کی وجہ سے ہر چار دن بعد ان کے

ہاں جانا شروع کر دے۔

اشعر بھائی اور نجمہ آپا کی ذومعنی باتیں اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔

ادھر کچھ دنوں سے اسے ان لوگوں کی خواہش کا اندازہ اچھی طرح ہو چکا تھا۔

کبھی کبھی سوچتے سوچتے اس کا ذہن الجھ کر رہ جاتا۔

وہ اپنے آپ سے سوال کرتی ——

یہ لوگ جو کچھ چاہتے ہیں وہ ممکن ہے؟

ان سب کو تو اس بات کا اندازہ اچھی طرح ہے کہ ابو اور بھائیوں کے ساتھ ان لوگوں کے

تعلقات کس قسم کے ہیں۔

ان حالات کے سدھرنے اور تعلقات کے بہتر ہونے کی صورت بھی نظر نہیں آتی۔

پھر وہ لوگ ایسی خواہش کیوں کر بیٹھے ہیں؟

میرے اپنے بس میں تو کچھ بھی نہیں۔

جانے کدھر سے ایک آواز سوال بن کر اُبھرتی۔

خود تمہاری خواہش کیا ہے ؟

وہ چونک پڑتی۔

میری خواہش۔۔ ؟

اس نے جب بھی سوچا۔۔۔

اس سوال کا جواب اسے کبھی نہیں ملا۔

وہ اُلجھ اُلجھ کر رہ گئی۔

اپنے اندر جو ایک تبدیلی اس نے محسوس کی تھی وہ بس اتنی سی تھی کہ۔

اشعر بھائی کی ذومعنی باتیں بے وقت اس کے دماغ کے پردوں سے ٹکرا

کبھی کبھی ایک سایہ سا اسے اپنے ساتھ ساتھ چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

دو نگاہیں تھیں۔

جو اسے اپنا تعاقب کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

کچھ کہتی ہوئی نگاہیں۔

کچھ پوچھتی ہوئی نگاہیں۔

ان دنوں پڑھائی کی مصروفیات کچھ زیادہ ہی تھیں۔ بہت دنوں سے وہ آ

سکی تھی۔ پھوپھی اماں کو بھی اس سے شکایت تھی اور چچی جان کو بھی گلہ تھا۔ وہ

شکوے سن کر مسکرائی بلنس کرنے کی ناکام کوشش کرتی اور جب کچھ نہ بن پڑتا تو

ہو جاتی۔

---



اس روز کلاسیں ختم ہونے کے بعد جب وہ چاہنے کے باوجود لائبریری میں پڑھنے کا موڈ نہ بنا

سکی تو گھر جانے کے بجائے وہ خالہ امی سے ملنے چلی گئی۔ وہ تنہا تھیں۔ اپنے کمرے میں بیٹھی خالو جان

کے کرتے میں بٹن ٹانک رہی تھیں۔ بینا کو دیکھ کر وہ ایک دم کھل اٹھیں۔ اُسے گلے سے لگا کر اتنے

دن تک نہ آنے پر پیار بھری ڈانٹ پلاتی رہیں۔ اس کے گھر والوں کی خیریت پوچھتے ہوئے انہوں

نے کہا۔

"تم اپنی امی کے پاس کب سے نہیں گئیں ؟"

بینا نے افسردگی سے کہا۔

"بہت دن ہو گئے۔"

پھر اس نے پوچھا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں ؟"

خالہ امی نے کہا۔

"تمہیں دیکھے بغیر اداس ہو گئی ہیں۔"

بینا نے پوچھا۔۔۔

"کب آئی تھیں آپ کے پاس ؟"

"پرسوں شام آئی تھیں۔"

بینا کا چہرہ کچھ اور اُداس ہو گیا۔ وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اپنی امی کے بارے میں

سوچنے لگی۔ خالہ امی نے اس سے کھانا کھانے کے لئے کہا تو وہ اپنے خیالوں سے

"باقی لوگوں کو بھی آجانے دیجئے۔"

"باقی لوگ کون؟"

"میرا مطلب ہے نجمہ آپا، اشعر بھائی اور نسا لو جان"

"نجمہ تو اپنی سہیلی سے ملنے گئی ہے، شام کو آئے گی، تمہارے خالو اب اپنا کھانا

منگوا لیتے ہیں، اشعر بھی آج شام کو آئیں گے"

پھر وہ کچھ سوچ کر بولیں۔

"اشعر تمہیں یونیورسٹی میں نظر نہیں آتا؟"

"وہ تو سائنس فیکلٹی میں ہیں، میرا اس طرف جانا ہی نہیں ہوتا۔"

"ہاں! ایک فیکلٹی دوسری فیکلٹی سے دور بھی تو بہت ہے۔"

"جی"

"اچھا! تو پھر کھانا رکھوں؟"

"بینا نے پوچھا"

"آپ تو کھانا کھائیں گی نا؟"

"ہاں! کیوں نہیں"

"اچھا تو پھر میں کھانا نکالتی ہوں آپ۔ جب تک کاج بٹن پورے کیجئے"

خالہ امی اسے منع کرتی رہ گئیں لیکن وہ باورچی خانے کی طرف چل دی۔

کھانے کے بعد جب خالہ امی ظہر کی نماز پڑھنے لگیں تو مینا نجمہ آپا کے کمرے میں

آ گئی۔ سینڈلیں اُتار کر وہ لیٹی ہی تھی کہ باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اس نے میز پر سے

میگزین اُٹھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

پھر دستک دے کر اندر آ گئے۔ مینا کے سلام کے جواب میں انہوں نے سر کے خفیف



سے جواب دیا اور قریبی دریچے میں کھڑے ہو گئے۔

اشعر نے پوچھا۔

"کیسی ہو مینا؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"بہت دنوں میں آئیں تم"

"جی۔"

"کیوں؟"

"فرصت نہیں ملی۔"

"کیا مصروفیت تھی؟"

"پڑھائی کی۔"

"دل بھی نہیں چاہا یہاں آنے کو؟"

مینا خاموش رہی۔

"کوئی جواب نہیں میری بات کا؟"

"کس بات کا؟"

"میں نے پوچھا ہے ہم لوگوں سے ملنے کو تمہارا دل بھی نہیں چاہا۔"

"یہی سوال آپ اپنے آپ سے کیجئے۔"

اشعر نے قدرے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

مینا نے کہا۔

"کیا سچ مچ میرا دل نہیں چاہا ہوگا آپ لوگوں سے ملنے کو؟"

اشعر مسکرا کر بولے۔

"تو پھر آئیں کیوں نہیں؟"

"محض دل کا چاہنا ہی تو کافی نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب؟"

"حالات کو بھی تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہوں۔"

اشعر طویل سانس لے کر گہری سوچوں میں ڈوب گئے۔

مینا نے پوچھا۔

"آپ کیا سوچنے لگے؟"

اشعر نے اپنی دونوں آنکھوں کو انگلیوں سے آہستہ آہستہ دباتے ہوئے

"میری سوچوں کی بات نہ کرو مینا؟"

"کیوں؟" مینا کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

"میری سوچوں کا حاصل شاید کچھ بھی نہیں"

"تو پھر ایسی سوچوں کو اپنے دماغ میں جگہ دینے سے فائدہ؟"

"اپنا اختیار بھی تو نہیں ان پر"

مینا نے کہا۔

"کیا بات ہے؟ بڑی ناامیدی کی باتیں کر رہے ہیں"

اشعر خاموش رہے۔

مینا نے بات کا رخ بدل دینا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے پوچھا

"خالہ امی تو کہہ رہی تھیں آج آپ دیر سے آئیں گے"

"ہاں، صبح تو یہی پروگرام تھا۔"

"پھر؟"



"پھر پروگرام بدل گیا۔"

"[illegible]"

"مجھے خود نہیں معلوم"

"[illegible] ہو سکتا ہے؟"

"ایسا ہی ہے۔"

"کھانا کھائیں گے"

"بھوک تو بہت زور کی لگی ہے"

"خالہ امی نماز پڑھ رہی ہیں، میں کھانا دے دوں؟"

"تم تو مہمان بن کے آتی ہو تم سے کام کروانا اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا۔"

"کسی نے نہیں"

"میں تو اپنے آپ کو مہمان نہیں سمجھتی۔"

"تو پھر اتنے دنوں میں کیوں آتی ہو؟"

مینا مسکرا کر بولی۔

"یہیں رہنا شروع کر دوں؟"

"ہم لوگوں کے لئے تو یقیناً بڑی خوشی کی بات ہو گی"

"مستقل یہیں رہنا شروع کر دیا تو آپ لوگ تنگ آ جائیں گے"

"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ تنگ آ جائیں گے یا....."

خالہ امی کے کمرے میں آ جانے سے اشعر کی بات ادھوری رہ گئی۔

اشعر نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"امی! آپ مینا کو یہیں کیوں نہیں رکھ لیتیں؟"

نالہ امی کچھ افسردہ ہو کر بولیں۔

" ایسی بات کیوں کہہ رہے ہو اشعر جو میرے اختیار میں نہیں ؟"

اشعر کچھ نہیں بولے۔ پلٹ کر دریچے سے باہر دیکھنے لگے۔ مینا بھی سوچوں میں...

پھر اس روز مینا موقع پاکر اپنی امی سے ملنے گئی تھی۔ جمیلہ بیگم نے بڑی...

سینے سے لگا لیا، اس کے سر اور پیشانی کو چومتے ہوئے بولیں۔

" بہت دن لگا دیئے مینا تم نے ؟"

مینا خاموش رہی۔

اس نے سوچا ——

کبھی کبھی آ جانا ہی میرے لئے بہت دشوار ہوتا ہے۔

اُسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر شاید جمیلہ بیگم کو خود ہی احساس ہوا کہ وہ...

کہ مینا ہر دوسرے تیسرے روز اُن سے ملنے آجایا کرے تو یہ بڑی ناممکن سی بات ہے...

میں کب ہے یہ بات۔

انہوں نے مینا کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بات کا رُخ بدل دیا۔ اپنی بہن کی...

پوچھتے ہوئے انہوں نے اچانک مینا سے پوچھا۔

" اشعر بھی تو واپس آگیا ہے"

" جی۔"

" تم ملیں اشعر سے ؟"

" جی ہاں"

" ماشاء اللہ بڑی اچھی صحت ہو گئی ہے، خدا نظر بد سے بچائے۔

مینا خاموش رہی۔

" آپا کے سب بچوں میں اشعر مجھے بے حد پسند ہے"



...نے پوچھا۔

"...پ سے ملنے آئے تھے اشعر بھائی ؟"

"...دو دفعہ آچکا ہے، میں خود بھی گئی تھی آپا کے گھر۔"

اشعر... دیتے ہوئے جمیلہ بیگم بڑی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

مینا جب جمیلہ بیگم سے مل کر گھر جانے کے ارادے سے اُٹھی تو اسی وقت عاصم اشعر کے

...گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر چونک سے گئے مینا نے دیکھا۔

اشعر کے چہرے پر جلتی ہوئی شمعوں کی سی جھلملاہٹ تھی۔

اور ہونٹوں پہ مدھم سی دلآویز مسکراہٹ۔

مینا کی طرف دیکھتے ہوئے وہ عاصم اور جمیلہ بیگم کی موجودگی کو نظر انداز کر گئے تھے۔

عاصم بھی مینا کو دیکھ کر ایک دم کھل اُٹھا تھا۔

لیکن اس کے خوش ہونے کا انداز دوسرا تھا۔

جمیلہ بیگم کا چہرہ بھی احساسِ مسرت سے چمک رہا تھا۔

مینا کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ جمیلہ بیگم اسے اور اشعر کو ایک جگہ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

اشعر ایک قدم آگے بڑھ آئے اور مینا سے پوچھنے لگے ——

" تم کب آئیں مینا ؟"

مینا نے کہا۔

"...ی دیر ہوگئی"

عاصم نے پوچھا۔

"آپ سمجھی کیوں ہیں مینا باجی ؟"

"...گھر جانے والی تھی۔"

اشعر نے پوچھا۔

"پھر؟ اب کیا ارادہ ہے؟"

"گھر ہی جانا ہے"

عاصم نے کہا۔

"نہیں باجی! ابھی نہیں جائیے۔"

"نہیں عاصم! بہت دیر ہو جائے گی"

"تھوڑی دیر ٹھہر جائیے۔"

"پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"تھوڑی دیر ٹھہر جائیے"، عاصم کا لہجہ التجا آمیز تھا۔

مینا کو اس پر ترس آ گیا۔

اس کا دل چاہا۔

وہ عاصم کی بات نہ ٹالے۔

تھوڑی دیر ٹھہر جائے۔

لیکن وہ پہلے ہی دیر ہو جانے کے خیال سے پریشان تھی۔

اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ جمیلہ بیگم سے ملنے آ جاتی تھی۔

مگر ——— یہاں پہنچنے کے بعد ہی اس کا دل پریشان خیالوں میں گھر کر رہ جا

عاصم کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مینا نے پیار سے کہا۔

"میں تین، چار روز بعد پھر آؤں گی۔"

عاصم نے بچوں کے سے انداز میں ضد کی۔

"نہیں باجی! آپ ابھی نہیں جائیے۔"

مینا سوچ میں پڑ گئی۔

اپنے پریشان دل کا خیال کرے۔



یا عاصم کی بات مانے۔

عاصم نے اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر اشعر سے کہا۔

"بھائی جان! آپ بھی تو کچھ کہیئے ——— شاید آپ ہی کی بات مان لیں"

اشعر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے یہ میری بات بھی نہیں مانیں گی"

"آپ کہہ کر تو دیکھئے"

"کیا فائدہ؟ اپنی بات بھی کھوؤں"

پھر وہ مینا کی طرف دیکھ کر بولے۔

"کیوں بھئی؟ میرے کہنے سے رُک جاؤ گی تم؟"

مینا نے کہا۔

"مجھے پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے"

جمیلہ بیگم بولیں۔

"اچھا مینا! میں ان دونوں کے لئے چائے بناتی ہوں، تم بھی ایک کپ چائے اور پی لو، پھر چلی جانا"

پھر مینا انکار نہ کر سکی۔ اپنا پرس اور فائل میز پر رکھ کر وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔

عاصم خوش ہو گیا اور مینا کو مخاطب کر کے بولا۔

"باجی! میں اپنا چوکھا دھو کر ابھی آیا۔"

مینا اس کی بات سن کر مسکرا دی۔

جمیلہ بیگم چائے بنانے چلی گئیں۔

اشعر مینا کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے۔

"تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

جیلہ نے کہا۔

"سب کچھ جانتے ہوئے آپ یہ سوال کر رہے ہیں؟"

"اپنے آپ میں تھوڑی سی ہمت پیدا کرو۔"

"ہمت پیدا کی ہے جبھی تو امی سے ملنے چلی آتی ہوں۔"

"تھوڑی سی ہمت اور پیدا کرو۔"

"تھوڑی سی ہمت اور....؟"

"ہاں۔"

مینا چپ چاپ اشعر کی طرف دیکھتی رہی۔

"تم خالو جان سے بات کرو۔"

"کیا بات کروں اُن سے؟"

"اُن سے کہو تم اپنی امی سے ملنا چاہتی ہو۔"

"پھر کیا ہوگا؟"

"مجھے یقین ہے وہ ناانصافی نہیں کریں گے۔"

"ہاں! ابو مجھے بہت چاہتے ہیں، وہ میری بات مان ضرور لیں گے لیکن ...."

"لیکن؟"

"ان کے دل کو تکلیف بھی بہت پہنچے گی۔"

"یقیناً ان کے دل کو تکلیف پہنچے گی لیکن اس کا اثر بہت زیادہ دن نہیں رہے گا۔"

"بات صرف ابو کی ہی نہیں ہے"

اشعر نے سوالیہ نگاہوں سے مینا کی طرف دیکھا۔

"بڑے بھیا کے اوپر بھی اس کا بہت اثر ہوگا۔"

"میں مانتا ہوں وہ بھی بہت اثر لیں گے۔"

"پھر آپ ہی بتلائیے میں کس طرح ان لوگوں سے اس موضوع پر بات کر سکتی ہوں؟"



"میں سمجھتا ہوں تمہاری خوشی ان لوگوں کو ہر حال میں عزیز ہوگی۔"

"دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانا مجھے نہیں آتا اشعر بھائی!"

اشعر نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

مینا نے کہا۔

"چھوڑیئے اس موضوع کو جب تک یہ گاڑی اس طرح چل سکے گی چلاتی رہوں گی۔"

مینا کے لہجے میں افسردگی تھی۔

اور آنکھوں میں اُداسیاں سی سمٹ آئی تھیں۔

چائے پینے کے بعد مینا گھر جانے کے لئے اٹھی تو اشعر بھی کھڑے ہو گئے۔

"چلو، میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔"

"نہیں آپ رہنے دیجئے، میں چلی جاؤں گی۔"

"کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے۔"

"کوئی حرج نہیں"

"پھر؟ یہ کوئی نامناسب بات ہے؟"

"معلوم نہیں"

مینا کو اپنے جواب پر خود حیرت تھی۔

لیکن وہ کیا کرتی؟

اس کا موڈ اس وقت بڑا عجیب سا ہو رہا تھا۔

دل لحہ بہ لحہ اداس تر ہوا جا رہا تھا۔

جی چاہتا تھا۔

پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے۔

آنکھوں میں بار بار شبنم سی اُتر آتی تھی۔

وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر شبنم کے قطروں کو حلق میں اُتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔
اُس نے اشعر کو ان کے ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔
لیکن وہ بضد تھے کہ وہ اُسے ڈراپ کریں گے۔
عاصم اور جمیلہ بیگم کا بھی اصرار تھا کہ وہ اشعر کے ساتھ چلی جائے۔ اگرا شعر نہ ہوتے تو
بات نہیں تھی لیکن ان کے ہوتے ہوئے مینا کا رکشہ سے جانا انہیں مناسب نہیں معلوم ہوا۔
پھر مینا کو اشعر کے ساتھ ہی جانا پڑا۔
وہ اشعر کے ساتھ بیٹھ گئی۔
اشعر کا چہرہ احساسِ قُرب سے مسُرور تھا۔
مینا کا چہرہ اُداس تھا۔
اور پریشان۔
اشعر کے ہونٹوں پر مدھم دلآویز سی مسکراہٹ تھی۔
اور مینا کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔
اشعر منتظر تھے کہ مینا کچھ بولے گی۔
کوئی بات کرے گی۔
لیکن مینا کے ہونٹوں پر خاموشی کی مُہر تھی۔
آدھا راستہ گزر گیا۔
دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں بولا۔
تنگ آکر اشعر نے کہا۔
"مینا!"
مینا ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔
"جی!"



"نہیں کچھ احساس ہے؟"
"کس بات کا؟"
"آدھا راستہ گزر گیا۔"
"جی! شاید۔"
"کیا باقی آدھا راستہ بھی اسی طرح گزر جائے گا؟"
"کس طرح؟"
"یونہی خاموش رہ کر۔"
مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"میرا ساتھ ناگوار گزر رہا ہے؟"
مینا کچھ رُدہانسی ہو کر بولی۔
"ایسی بات مت کہیئے اشعر بھائی!"
"تو پھر تم اتنی چپ کیوں ہو؟"
"آپ کو میرے دل و دماغ کی کیفیت کا اچھی طرح اندازہ ہے پھر بھی ...."
مینا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
اشعر کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔
وہ چند لمحوں تک ہونٹ دانتوں تلے دبائے گاڑی چلاتے رہے پھر بڑی سپاٹ سی آواز میں بولے۔
"تم کوئی گناہ کر رہی ہو؟"
مینا خاموش رہی۔
"یا میں کوئی گناہ کر رہا ہوں؟"
مینا پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

"میرے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ کوئی ناتا نہیں؟"

"میں نے کب انکار کیا؟"

"تو پھر تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟"

"اس لئے کہ میں بزدل ہوں" مینا کے لہجے میں قدرے تلخی تھی۔

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ اپنے آپ میں ہمت پیدا کرو۔"

مینا دو تین سیکنڈ خاموش رہ کر بولی۔

"اشعر بھائی! یہ جو تھوڑا سا تعلق آپ لوگوں سے باقی ہے میں اسے ختم نہیں کرنا چاہتی"

اشعر نے گاڑی چلاتے ہوئے بہت حیران ہو کر ایک ثانئے کے لیے مینا کی طرف دیکھا

"آپ آئندہ مجھ سے اصرار نہ کیجئے گا۔"

"کس بات پر؟"

"یہی کہ میں آپ کے ساتھ کہیں جاؤں؟"

"کہیں، میں تو تمہیں تمہارے گھر لے جا رہا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"پھر؟"

"بس! میں نہیں چاہتی کہ کسی وقت کوئی شخص اعتراض کر بیٹھے۔"

"میں کوئی غلط کام کر رہا ہوں"

"غلط اور صحیح کی بات نہیں ہے"

"مینا اگر تم اس طرح ڈر ڈر کر سہم سہم کر زندگی گزارتی رہیں تو جینا محال ہو جائے گا"

"مجھے کوئی خواہش بھی نہیں ہے جینے کی"

شبنمی قطرے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

مینا کے لہجے کی تلخی کو محسوس کر کے اشعر خاموش ہو گئے پھر انہوں نے مینا سے کچھ



گھر آیا تو مینا خدا حافظ کہہ کر اتر گئی۔

اس نے اشعر کے چہرے کی طرف دیکھا۔

تھوڑی دیر پہلے کی وہ خوشی، وہ مسرت جانے کہاں چلی گئی تھی۔

ان کا چہرہ اداس اداس تاریک تھا۔

اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ رکھے وہ قدرے جھکے ہوئے بیٹھے تھے۔

مینا کے خدا حافظ کا جواب انہوں نے اتنی مدھم آواز میں دیا تھا کہ اگر انہوں نے ساتھ ہی سر کو خفیف سی جنبش نہ دی ہوتی تو مینا یہی سمجھتی کہ انہوں نے جواب ہی نہیں دیا۔

گاڑی آگے بڑھ گئی تو مینا دھڑکتے دل سے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ گھر میں ہوا، کرن اور بھابھی کے سوا کوئی نہیں تھا۔ کرن کو تیز بخار تھا، بھابھی اس کا سر اپنی گود میں رکھے پریشان سی بیٹھی تھیں۔ مینا تھوڑی دیر بھابھی کے پاس بیٹھی انہیں تسلی دیتی رہی اور کرن کے نرم ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کے جلتے ہوئے رخساروں اور پیشانی کو چومتی رہی۔ اس کا دل بے اختیار بھر آ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں آکر وہ دیر تک دریچے میں جھکی اپنے آج کے رویے کے بارے میں سوچتی رہی۔

رات کو اسے دیر تک نیند نہیں آئی۔ اس نے پڑھنے کی بہت کوشش کی لیکن پڑھنے میں دل نہیں لگا۔ دوسرے روز بھی اس کے دل کی وہی کیفیت تھی۔ آسیہ کو فکر پڑ گئی۔ اس نے پوچھ پوچھ کر مینا کا ناک میں دم کر دیا۔ پھر اسے تنگ کرتے ہوئے بولی۔

"آخر چکر کیا ہے؟"

"کیا چکر؟"

"میرا تو خیال ہے تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے"

مینا چڑ کر بولی۔

"بیکار بات نہ کرو۔"

"یہ بیکار بات ہے؟"

"اور کیا؟"

"کیوں؟"

"مجھے کس سے محبت ہو گی؟"

"اب یہ تو تمہیں ہی معلوم ہو گا؟"

"میری اُلجھنیں ویسے ہی بہت ہیں ایک یہ روگ پال کر کیا کروں گی؟"

مینا کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"اتنے خوبصورت جذبے کو تم روگ کہتی ہو؟"

"پھر کیا کہوں؟"

آسیہ شوخ ہو کر بولی۔

"چاہت کہو، الفت کہو، محبت کہو مگر روگ نہ کہو؟"

"چھوڑو کوئی اور بات کرو؟"

"نہیں بھئی، آج تو اسی موضوع پر بات کرنی ہے؟"

"تو پھر کسی اور سے کرو؟"

"تم ہی سے کرنی ہے؟"

"آخر میرا پیچھا کیوں پکڑا ہے؟"

میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔

"کیا کروں، تعلق بھی تو تم ہی سے ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ جو ہے نا!"

"کون؟"

"ارے وہی اپنا جہانگیر؟"

"کیا ہو گیا اسے؟"



"اسے محبت ہو گئی ہے؟"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"بقول تمہارے اس نے روگ پال لیا ہے"

"پالنے دو، تمہارا کیا جاتا ہے"

"سُبحان اللہ! کیا مزے سے کہہ رہی ہو، پلنے دو؟"

"پھر کیا کہنا چاہیئے؟"

"کچھ معلوم بھی ہے کہ اس بے چارے کی نگاہوں میں کون سمایا ہے؟"

"کون سمایا ہے؟"

"تم اور کون؟"

"تم فضول باتوں سے باز نہیں آؤ گی؟"

"میری ہر بات تمہیں فضول معلوم ہوتی ہے؟"

"اگر ڈھنگ کی بات کرو تو تم پر یہ الزام کیوں آئے؟"

"اچھا ٹھیک ہے، میں اب کچھ نہیں کہوں گی"

"ناراض ہو گئیں؟"

"ناراض نہیں ہوئی؟"

"پھر؟"

"خاموش اس لئے رہوں گی کہ تھوڑے دنوں میں تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا؟"

مینا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے کہا۔

"آسیہ! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں، مجھے اور پریشان نہ کرو؟"

آسیہ کو بھی احساس ہوا کہ مینا اداس اور پریشان ہے، اس نے بات کا رُخ بدل دیا۔

دو، تین روز گزر گئے، مینا کے دل و دماغ کی وہی کیفیت رہی، ہر وقت اُلجھی اُلجھی سی رہتی۔

کرن کی بیماری کی وجہ سے شائستہ بھابھی بھی مینا کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہو سکیں۔ مینا کے
غیر معمولی خاموشی اور اُداسی کو محسوس کیا۔ بھائیوں نے بھی محسوس کیا۔ سب نے وجہ معلوم کر
کوشش کی، لیکن مینا نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے ٹال دیا۔ ابو نے مشورہ دیا کہ تین، چار
کر کے آرام کرو۔ آسیہ نے اپنے گھر لے جانے کی پیشکش کی۔ لیکن مینا نے سوچا کہ جب دل
ہی درست نہ ہو تو کہیں جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ دوسرے لوگ بھی خواہ مخواہ

راشد بھیا نے کہا۔

"مینا! شام کو تیار رہنا، فلم چلیں گے۔"

"اچھا! آسیہ اور عالیہ کو بھی فون کر دوں؟"

"کر دو۔"

جبھی فیصل آ گئے۔ وہ بہت دنوں بعد آئے تھے۔ راشد بھیا انہیں دیکھتے ہی بولے۔

"بھئی! آپ میری بہنوں کو کہیں سیر کروا لائیں نا شام کو۔"

"بہنوں کو؟" فیصل مسکرائے۔

"ہاں! میرا مطلب ہے نازیہ، شازیہ، آسیہ، عالیہ اور مینا کو۔"

فیصل نے کہا۔

"آپ خود یہ خدمت کیوں نہیں انجام دیتے؟"

"میں تو اکثر اپنی خدمات پیش کرتا رہتا ہوں میری خواہش ہے آج یہ اعزاز آپ کے حصے

"اچھا یونہی سہی"

پھر انہوں نے مینا سے پوچھا۔

"کیوں مینا! کیا پروگرام ہے؟"

"کوئی پروگرام نہیں"

راشد بھیا بولے۔



"یہ تو ایسے ہی کہے گی، آپ پروگرام بنائیں"

فیصل نے معنی خیز انداز سے مینا کی طرف دیکھا۔

"آخر بات کیا ہے؟"

راشد بھیا بولے۔

"معلوم نہیں کیوں آج کل اس کے اُوپر اُداسی کا دورہ پڑا ہوا ہے"

"وجہ"

"کچھ بتاتی ہی نہیں ہے"

مینا نے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے"

"تو پھر کوئی پروگرام بنائیں"

"بنائیے"

راشد بھیا کے جانے کے بعد فیصل نے مینا سے پوچھا۔

"تم واقعی اُداس ہو؟"

"آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"مجھے بھی راشد کی بات ٹھیک ہی معلوم ہو رہی ہے"

مینا خاموش رہی۔

"کیا بات ہے مینا؟"

"کوئی بات نہیں"

فیصل نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے پوچھا۔

"امی ابو سے ملنے گئی تھیں؟"

"گئی تھی"

"کب؟"

"چار، پانچ روز ہو گئے۔"

"کوئی خاص بات؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تمہارا موڈ ایسا کیوں ہے؟ اور کب سے ہے؟"

ینلا نے ایک لمحہ کو کچھ سوچا اور بولی۔

"جس دن سے اُن سے مل کر آئی ہوں اُسی دن سے دل و دماغ پہ ایک بوجھ سا محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں سوچتی ہوں کہ آخر کب تک میں گھر والوں سے چھپ چھپ کر ان سے ملتی رہوں گی؟"

"تم اس سلسلے میں ماموں جان سے بات کیوں نہیں کرتیں؟"

"ابو سے بات کروں؟"

"ہاں! کیا حرج ہے۔"

"ہمت نہیں پڑتی۔"

"تھوڑی سی ہمت پیدا کرو۔"

"ہمت پیدا کروں؟"

ینا کی نگاہوں کے سامنے اشعر کا چہرہ آگیا، انہوں نے بھی یہی بات کہی تھی وہ سوچوں میں ڈوب گئی۔

فیصل نے پوچھا۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

"سوچ رہی ہوں یہی جملہ اشعر بھائی نے بھی کہا تھا؟"



"اشعر واپس آگئے؟"

"جی!"

"کب؟"

"ہفتہ سے زیادہ ہو گئے۔"

"ہوں" فیصل کی نگاہوں میں بڑی گہری سوچیں اُتر آئیں۔ وہ اُٹھ کر دریچے میں کھڑے ہو گئے۔ ینا ان کے لمحہ بہ لمحہ سنجیدہ ہوتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

ایک طرف اشعر

دوسری طرف فیصل

یہ دو نام مینا کی سوچوں کو اُلجھا رہے تھے۔

یہ تو سچ تھا کہ ان دونوں میں سے کسی نے بھی صاف اور واضح الفاظ میں مینا سے کچھ نہ کہا تھا۔

اشعر تو پھر بھی ذو معنی باتیں کہہ جاتے تھے۔

لیکن فیصل۔

انہوں نے اس انداز کو بھی نہیں اپنایا تھا۔

اور شاید انہیں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

الفاظ اور ان کے سہارے۔

بعض اوقات کس قدر بے معنی ثابت ہوتے ہیں۔

اور کتنے کمزور۔

اور پھر۔

دل پر لکھی ہوئی تحریریں کبھی کبھی نگاہوں کی زبانی بڑی آسانی سے پڑھ لی جاتی ہیں۔

دل، نگاہ اور خوبصورت جذبات۔

ان تینوں کے درمیان کتنا اچھوتا سا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔



جب ہونٹوں پر چُپ کی مہر لگی ہو۔

جب لبوں پر خاموشی کے پہرے ہوں۔

فیصل چلے گئے۔

مینا...

وہ جب تک جاگتی رہی۔

اس کی نگاہوں کے سامنے فیصل کی آنکھوں میں چپ چاپ اُترتی ہوئی گہری گہری سوچیں دھند بن کر چھاتی رہیں۔

اشعر کا نام سُن کر ان کا چونک جانا۔

اور اشعر کے ذکر پر ایک دم سنجیدہ ہو جانا۔

مینا وقت کے ان لمحوں کے بھنور میں ڈوب ڈوب کر اُبھرتی رہی۔

جب یہ چھوٹا سا حادثہ اچانک ہوا۔

سچ مچ یہ بات بہت معمولی سی تھی۔

اور بظاہر وہ حادثہ بھی چھوٹا تھا۔

لیکن کبھی کبھی بہت معمولی سی بات۔

بہت چھوٹا سا حادثہ زندگی کی ساری تعبیر ہی بدل کر رکھ دیتا ہے۔

وہ حادثہ آنے والے وقت کے سارے لمحوں پر محیط ہو جاتا ہے۔

انسان کی سوچیں

اس کے خیالات سب اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔

مینا نے سوچا۔

میں، اشعر اور فیصل بھائی۔

یہ مثلث کہیں ہم تینوں کو اُلجھا کر نہ رکھ دے۔

سوچوں کی اُلجھی اُلجھی رہگذر پہ بھٹکتے ہوئے اسے نیند آ گئی۔

اگلی بار اشعر سے اس کی ملاقات لائبریری کی سیڑھیوں پر ہوئی۔ وہ گھر جانے کے لیے
رہی تھی۔

اور اشعر اوپر جا رہے تھے۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

اور ان کے بڑھتے قدم رُک گئے۔

مینا نے انہیں سلام کیا۔

اشعر نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

مگر اُن کے ہونٹوں پر ان کی مخصوص دلآویز مسکراہٹ نہیں تھی۔

وہ سنجیدہ تھے۔

اور اُن کے ہونٹ قدرے بھینچے ہوئے تھے۔

مینا نے پوچھا۔

آج آپ اس طرف کیسے آ گئے۔

"ظاہر ہے، کام سے ہی آ سکتا ہوں۔"

اُن کی سنجیدگی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

مینا خجل سی ہو گئی۔

اشعر نے پوچھا۔

"آپ گھر جا رہی ہیں؟"

مینا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے حیرت زدہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

یہ تکلف

یہ اجنبیت



...ے بجائے "آپ" کہہ کر مخاطب کرنا۔

...ے دل کو ٹھیس سی پہنچی۔

...پلکیں جھپکائے بغیر اشعر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

...ی طرف دیکھ رہے تھے۔

...نہوں نے انجان بن کر پوچھا۔

"خیریت تو ہے؟"

"جی"

مینا چونک گئی

"آپ کیا سوچنے لگیں؟"

مینا نے صاف گوئی سے کہا۔

"آپ کے انداز پر غور کر رہی تھی۔"

"میرا انداز"

"جی"

"ذرا وضاحت کریں گی"

مینا خاموش رہی۔

اشعر نے کہا۔

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کو ڈراپ کر دوں"

مینا سوچ میں پڑ گئی۔

"...کیا کہتی ہیں آپ"

مینا نے کہا

"...بس سے چلی جاؤں گی"

" اسی جواب کی توقع تھی مجھے" اشعر کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر

مینا نے بُرا مان کر کہا۔

" تو پھر پوچھا کیوں تھا؟"

" یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ آپ کے نزدیک میری اور میری بات کی

" ایسی باتیں مت کیا کیجئے اشعر بھائی،،

مینا کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی

"مجبور تو آپ خود کرتی ہیں،"

مینا نے کہا۔

" ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ چلوں گی،،

" خوشی کے ساتھ تو نہیں جائیں گی"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

" میرا خیال ہے آپ مجبوراً جا رہی ہیں میرے ساتھ"

مینا پھر بھی چپ رہی۔

اشعر نے کہا۔

" اچھا میں یہ کتابیں واپس کر کے آتا ہوں۔"

" ٹھیک ہے، میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

اشعر اوپر چلے گئے۔

مینا آہستہ قدموں سے سامنے کھڑی ہوئی اشعر کی گاڑی کے پاس آ گئی

وہ سر جھکاتے ہوئے اشعر کے طنزیہ جملوں پر غور کر رہی تھی۔ تبھی وہ واپس

دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے انھوں نے کہا۔

" آیئے"



نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بہت چڑ کر سوچا۔

بیٹھیے"

شعر کی زبان سے اس قدر پُرتکلف جملے اور الفاظ سن کر اُسے سخت تکلیف پہنچ رہی تھی۔

سے باہر نکلا تو اشعر نے پوچھا۔

کیا سوچ رہی ہو؟"

مینا نے شکایت آمیز نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھا۔

بات نہیں کرو گی؟"

نہیں"

ناراض ہو"

ہاں"

کیوں؟"

آپ آئندہ اس لہجے میں مجھ سے بات مت کیجئے گا۔"

کس لہجے میں؟"

آپ کی زبان سے آپ اور جناب کے الفاظ سُن کر مجھے بڑا محسوس ہوتا ہے،،

پھر کیا کہا کروں؟"

ہمیشہ آپ کس طرح بات کرتے ہیں؟"

ہمیشہ کی بات جانے دو"

کیوں"

اشعر خاموش رہے۔

پھر چند سیکنڈ بعد انہوں نے پوچھا۔

کہاں چلنا ہے؟"

مینا نے گردن گھما کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

" گھر چلنا ہے "

" کونسے گھر؟ "

" آپ کو نہیں معلوم میں کہاں رہتی ہوں؟ "

" معلوم تو ہے۔ "

" پھر "

" وہ گھر تمہارا مستقل ٹھکانہ تو نہیں ہے "

مینا ایک لمحہ کو چُپ رہی۔

پھر بولی۔

" فی الحال تو میرا ٹھکانہ وہی ہے "

" کب تک اس گھر کو ٹھکانہ بنائے رہو گی؟ "

" معلوم نہیں "

" آئندہ کے بارے میں کچھ نہیں سوچا؟ "

" نہیں "

" کیوں؟ "

" ابو سوچیں گے، بھائی بھابی سوچیں گے۔ "

" اور تم خود "

" میرے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ "

" کیوں؟ "

" ہوگا تو وہی جو ابو چاہیں گے اور بھائی چاہیں گے۔ "

" اس قسم کی کوئی پابندی لگائی گئی ہے تم پر؟ "



... سے ابو اور بھائیوں کو کوئی تکلیف پہنچانا نہیں چاہتی "

... بیٹھے ہو تم "

... تمہارے اس فیصلے کی زد میں آکر کوئی جان سے جاتے؟ "

... اختیار پوچھ بیٹھی

... گاڑی چلاتے ہوتے ایک لمحے کے لئے بڑی گہری نگاہوں سے مینا کی طرف دیکھا اور

... بولے۔

... ارزاں؟ "

... کے لئے مینا کا دماغ سُن ہو کر رہ گیا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ اشعر اتنی صاف گوئی سے

... گے۔

... اس سے بھی زیادہ صاف گوئی سے کہہ رہے تھے۔

... ہی ایسا نہیں ہوتا کہ ہم جو چاہیں وہ ہمیں مل جائے لیکن خواہش ــــ "

... کے لئے رُکے۔

... خواہشوں اور آرزوؤں کے سامنے کبھی کبھی انسان اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس

... ہوئے چُپ چاپ اشعر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

... خلاف ہمیشہ سے میرے سامنے ہیں لیکن پھر بھی میں تمہیں چاہنے سے باز

مینا پلٹ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

اشعر نے کہا۔

"میں جانتا ہوں مینا! میرے اور تمہارے درمیان فاصلے بہت طویل ہیں مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ میرے قدم جس راہ پر اُٹھ گئے ہیں وہ بہت سنگلاخ، بڑی تکلیف دہ ہے لیکن ... کو سمجھانا اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔"

مینا خاموش تھی۔

اشعر نے کہا۔

"تم کچھ نہیں کہو گی مینا؟"

"جی"

مینا نے سوچا۔

وہ کیا کہے

وہ تو اشعر کی زبان سے یہ سب کچھ سُن کر نروس ہوتی جا رہی تھی۔

اشعر نے کہا۔

"تمہیں پانے کی تمنا کر بیٹھا ہوں مگر معلوم نہیں تم ملو نہ ملو۔"

مینا نے بڑی ہمت کر کے پوچھا۔

"فرض کیجئے ایسا ہو گیا تو آپ کیا کریں گے؟"

اشعر ایک لمحے کو مسکرائے اور بولے۔

"میں کیا کروں گا؟ میں شاید واپس چلا جاؤں گا۔"

"واپس چلے جائیں گے!!"

"ہاں۔ جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں گا۔"

مینا سوچوں میں ڈوب گئی۔



...شعر نے پوچھا۔

"...رے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"...جی میں کیا بتاؤں؟"

"...میں خودکشی نہیں کروں گا مینا۔ تمہارے بغیر مروں گا نہیں، موت تو اپنے وقت پر ہی آئے گی۔"

...ینا نے سوچا۔

...ے اشعر بھائی! آپ مجھے اتنا چاہتے ہیں؟

...شعر نے کہا۔

"...جو لوگ ناکردہ گناہوں کی سزا بھی تو بھگتتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ وہ لغزش جو خالہ امی سے ...ی ہے اس کا خمیازہ میں بھگتوں گا۔"

...سر جھکائے اُن کی باتیں سنتی رہی۔ گھر آیا تو مینا اشعر سے نگاہیں ملائے بغیر خدا حافظ کہہ کر

...سرے روز یہ کہہ کر یونیورسٹی نہیں گئی تھی کہ آج امی کے ساتھ شاپنگ کے لئے جانا ہے۔ مینا ...چچی جان اور عالیہ کے ساتھ بھابھی کے کمرے میں موجود تھی۔ سپر ہائی وے سے کی ہوئی ...ی لائے تو ... اور بھابھی کو دکھا رہی تھی۔

...وہ لوگ گھر میں موجود رہے، مینا کو کچھ سوچنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن تنہائی ملتے ہی اشعر کا ...سامنے گھوم گیا۔ اشعر کے جملے کانوں میں گونجنے لگے۔

...میں اتنا آگے بڑھ چکے تھے۔

...چاہے جا رہے تھے۔

اپنے دل کی تنہائیوں میں انہوں نے اُسے آباد کر دیا تھا۔

کسی سے کہے بغیر

جس کو چاہا۔

اس سے بھی کچھ نہیں کہا۔

اس نے سوچا

ایسی چاہت کا کیا فائدہ اشعر بھائی؟

میں اور آپ ایک دوسرے کی سمت چاہے کتنی ہی تیزی سے بڑھیں

ان فاصلوں کو مٹا نہیں سکیں گے جو میرے اور آپ کے درمیان قائم ہیں۔

میں جانتی ہوں۔

امی بھی وہی چاہیں گی جو آپ چاہتے ہیں۔

مگر میں اور آپ پھر بھی ایک نہیں ہو سکیں گے۔

کیونکہ ابّو اور بھائیوں کی سوچیں آپ کی سوچوں سے مختلف ہوں گی۔

اپنی امی کا خیال آتے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ بہت دنوں سے ان سے ملنے نہیں گئی

وہ یقیناً مجھے دیکھنے کے لئے بے تاب ہوں گی۔

لیکن ان سے ملنا بھی کس قدر دشوار ہے۔

جب تک اس اطمینان کے ساتھ گھر واپس نہیں آجاتی کہ کسی نے مجھے دیکھا نہیں

جان سولی پہ لٹکی رہتی ہے۔

یہ بات بڑی عجیب تھی کہ مینا اتنی دفعہ امی سے ملنے گئی لیکن عاصم کے ابو سے ملاقات

نہیں ہوئی لیکن اس روز خلاف توقع اس کی ملاقات عاصم کے ابّو سے ہو گئی۔ بلکہ گیٹ

پہ دروازہ انہوں نے ہی کھولا۔

مینا اُن کے لئے اجنبی تھی۔



وہ اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔

مینا کی کیفیت بھی اُن سے مختلف نہیں تھی۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سجاد صاحب کی نگاہوں میں سوال تھا۔

تم کون ہو؟

مینا کی نگاہوں میں بھی ایک سوال تھا۔

آپ عاصم کے ابّو ہیں نا؟

چند لمحے گزر گئے۔

خاموشی کا دامن تھام کر

پھر سجّاد صاحب نے پوچھا۔

"کس سے ملنا ہے؟"

"جی، وہ"

مینا یہ کہتے کہتے رک گئی کہ امی سے ملنا ہے۔

پھر سجاد صاحب نے خود ہی اُس کی مشکل آسان کر دی۔

"عاصم کی امّی سے ملنا ہے؟"

"جی ..... جی۔ ہاں"

مینا نے جواب دینے کے ساتھ سر بھی ہلایا۔

سجاد صاحب نے ایک طرف ہٹ کر اُسے اندر جانے کا راستہ دیا۔ مینا اندر پہنچی ہی تھی۔

سامنے والے دروازے سے عاصم اندر داخل ہوا۔

مینا کو دیکھتے ہی اس نے کہا۔

"ارے باجی! آپ!!"

مینا جواباً مسکرا دی۔

" آیئے نا۔ کھڑی کیوں ہیں؟"

مینا آگے بڑھی تو عاصم نے نعرہ لگایا۔

" امی! مینا باجی آئی ہیں"

اسی لمحے مینا نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

سجاد صاحب معنی خیز انداز میں سر ہلا رہے تھے۔

عاصم کی آواز سن کر جمیلہ بیگم ادھر آگئیں۔

اور بڑی بے تابی سے مینا کو گلے لگاتے ہوئے بولیں۔

" بہت دنوں میں آئیں مینا"

مینا "جی" کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکی۔

" عاصم نے کہا۔

" بیٹھئے باجی"

مینا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ایک سرسری نگاہ سجاد صاحب پر ڈالی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

" مینا بیٹی! یہ سجاد ہیں۔ عاصم کے ابو۔"

پھر وہ سجاد صاحب سے مخاطب ہو کر بولیں۔

" آپ کو بہت اشتیاق تھا مینا سے ملنے کا کیسی ہے ہماری بیٹی۔"

سجاد صاحب مسکرا کر بولے۔

" ماشاء اللہ"

پھر وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے۔

" ہاں بھئی مینا! کیسی ہو تم؟"



"جی! ٹھیک ہوں"

"دراصل عاصم اور تمہاری امی نے تمہارا اس قدر تذکرہ کر رکھا تھا کہ میں بھی تم سے ملنے کا

[illegible] ہو گیا۔"

مینا مسکرا دی۔

"اکثر سننے میں آتا تھا کہ آج مینا آئی تھی لیکن ہم دیکھنے سے محروم ہی رہ جاتے تھے۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"بیٹے! آپ کی محرومی تو آج دور ہوئی"

"ہاں بھئی! بہت خوشی ہوئی مینا سے مل کر"

عاصم نے بچوں کے سے انداز میں پوچھا۔

"ابو! اچھی ہیں نا میری باجی!"

سجاد صاحب مسکرا کر بولے۔

"ہاں بہت اچھی ہیں"

پھر وہ جمیلہ بیگم سے بولے۔

"مینا کو بھوک لگی ہو گی کھانا کھلاؤ"

عاصم نے کہا۔

"ابو! ہم اور امی تو کھا چکے ہیں کھانا۔ آیئے ہم دونوں کھانا کھائیں"

مینا نے سجاد صاحب کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے کچھ تکلف سے کام لیا اور کھانے سے

[illegible]

سجاد صاحب نے کہا۔

"ارے! یہ تکلف کیسا! یہ بھی تو تمہارا ہی گھر ہے"

[illegible] نے کہا۔

"باجی! آپ کے انداز تو ایسے ہیں جیسے آج آپ پہلی دفعہ یہاں آئی ہیں۔"

میناکو ہنسی آگئی۔

کھانے کے دوران عاصم سے باتیں کرتے ہوئے مینا دل ہی دل میں اپنے ابو اور سجاد صاحب کا موازنہ کرنے لگی،

سجاد صاحب تھوڑی دیر بعد کسی کام سے چلے گئے۔

---



اسی شام۔ جب مینا۔ عاصم اور اپنی امی کے ساتھ رکشے کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔ بڑے بھیا سامنے سے گاڑی میں گزرے جمیلہ بیگم نے تو انہیں پہچانا بھی نہیں۔ مینا کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ وہ سرتاپا کانپ کر رہ گئی۔ بڑے بھیا کی گاڑی نگاہوں سے اوجھل ہوتی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے یہی ڈر تھا۔ کہیں بڑے بھیا گاڑی موڑ کر واپس نہ آجائیں۔

اس نے جمیلہ بیگم کو نہیں بتایا کہ ابھی سامنے سے بڑے بھیا گزرے تھے۔

خود ہی دل ہی دل میں خوف زدہ ہوتی رہی۔

محض اس ڈر کی وجہ سے وہ ہمیشہ جمیلہ بیگم کو منع کرتی تھی کہ وہ رکشہ دلانے کے لئے اس کے ساتھ نہ آیا کریں۔

بڑے بھیا اُسے اکیلے وہاں کھڑا ہوا دیکھتے اور کوئی سوال کرتے تو وہ اپنی سہیلی ناہید کے گھر کا بہانہ بنا سکتی تھی مگر انہوں نے اسے جمیلہ بیگم کے ساتھ دیکھا تھا۔

اب کوئی بہانہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے رکشہ ملا۔

وہ رکشہ میں سوار ہونے لگی تو جمیلہ نے پوچھا۔

"اب کب آؤ گی مینا؟"

"جلدی۔" اس نے کہا۔

" باجی جلدی آیئے گا۔ اب کے آپ بہت دنوں میں آئی تھیں۔"

مینا نے ان دونوں سے یہی کہا کہ وہ جلدی آئے گی۔

مگر جب رکشہ آگے بڑھا تو اس نے سوچا۔

اب یہ چوری چھپے کی ملاقات بھی ختم ہوتی۔

سارے راستے وہ پریشان اور سہمی ہوئی سی بیٹھی رہی۔

اور سوچتی رہی

اب کیا ہوگا؟

یہ کیا ہوگیا؟

یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

مگر ہونے والی بات ہو چکی تھی۔

یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔

یہ گاڑی اس طرح آخر کب تک چل سکتی تھی؟

اس اعتماد کی دیوار گر گئی تھی جو ابو اور بھائیوں کو اس کی ذات پر تھا۔

وہ لوگ کیا سوچیں گے؟

میں کس ڈھٹائی سے مسلسل ان لوگوں سے جھوٹ بولتی رہی۔

ناہید کے گھر جانے کا بہانہ کر کے انہیں فریب دیتی رہی۔

کتنے کمزور اور کچے سہارے کی آس پر میں آگے بڑھ رہی تھی۔

کتنی تکلیف پہنچے گی ابو اور بھائیوں کو۔

اگر میں نے اپنے آپ میں تھوڑی سی ہمت پیدا کر لی ہوتی تو میں اُن لوگوں کو

اس طرح مجرم تو نہ بنتی۔

میں ابو سے کہہ دیتی کہ میں اپنی امی سے ملنا چاہتی ہوں۔ وہ انکار کرتے تو



[illegible] بتا لیتی۔

انہیں تکلیف تو ضرور پہنچتی۔

لیکن اس کی شدت اتنی نہیں ہوتی، جتنی اب ہوگی۔

میں نے ان لوگوں کو تھوڑی سی تکلیف سے بچانے کی کوشش میں اتنی بڑی اذیت کا

[illegible] کر دیا۔

لیکن اب یہ ساری سوچیں لاحاصل تھیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

وہ گھر والوں کا سامنا کس طرح کرے گی؟

کبھی اس کا دل چاہتا۔

وہ گھر ہی نہ جائے۔

لیکن پھر وہ سوچتی

گھر نہ جائے تو کہاں جائے۔

کبھی وہ دعا کرتی اُس کے رکشے کا ایکسیڈنٹ ہو جائے۔

وہ مر جائے۔

لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

نہ ایکسیڈنٹ ہوا۔ نہ وہ ختم ہوتی۔

بس انہی سوچوں میں راستہ تمام ہو گیا۔

گھر قریب آ گیا۔

اس نے رکشہ والے کو گھر کا راستہ بتایا۔

[illegible] گیٹ کے سامنے رکا تو کمپاؤنڈ میں گاڑی کھڑی تھی۔ مینا نے رکشہ کا کرایہ ادا کیا اور سہمی

[illegible] اندر داخل ہوئی اپنے کمرے تک جاتے ہوئے اس کا سامنا کسی سے نہیں ہوا۔

لیکن

اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ ٹھٹک گئی۔

بڑے بھیا دریچے میں کھڑے یقیناً اس کے منتظر تھے۔

ان کی آنکھوں میں بڑی گہری سوچیں تھیں۔

اور پیشانی پر شکنیں

وہ بڑے بھیا کو سلام بھی نہ کر سکی۔

وہ تو ایک دفعہ کے بعد دوبارہ ان کی طرف دیکھ بھی نہ سکی۔

بڑی ہمت کر کے وہ آگے بڑھی۔ اپنا پرس اور فائل میز پر رکھتے ہوئے اس نے

سے بڑے بھیا کی طرف دیکھا۔

ان کا سر جھکا ہوا تھا۔

مینا نے سوچا۔

وہ بڑے بھیا سے معافی مانگ لے

مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے بڑے بھیا نے پوچھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو مینا؟"

ان کی آواز میں سختی نہیں تھی۔

لیکن مینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اُٹھا۔

اس کے ہونٹوں کے کنارے کانپ اُٹھے۔

وہ اُن کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔

بڑے بھیا نے پھر پوچھا۔

"کہاں گئی تھیں مینا؟"

"بڑے بھیا! وہ میں۔۔۔"



اس کی آواز اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی۔

اسی وقت ابو اس کے کمرے میں آ گئے۔

انہوں نے کہا۔

"کہاں رہ گئی تھیں مینا بیٹی"

بڑے بھیا مینا کچھ نہ بول سکی۔

اس کا سر کسی مجرم کی طرح جھکا ہوا تھا۔

بڑے بھیا نے کہا

"ابو! اس سے پوچھیے، یہ کہاں سے آ رہی ہے؟"

بڑے بھیا کی آواز مدھم تھی۔

مینا نے دیکھا۔

اس کے ابو کی نگاہوں میں حیرت تھی۔

بڑے بھیا کمرے سے باہر جانے لگے تو ابو نے کہا

"ٹھہرو عرفان"

بڑے بھیا رک گئے۔

"کیا بات ہے؟"

بڑے بھیا نے کہا۔

"مینا سے پوچھیے"

ابو نے مڑ کر مینا کی طرف دیکھا۔

"کیوں مینا بیٹی؟"

اور مینا

اس کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔

وہ بڑی دیر سے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کتنے احساسات تھے

جو اُس کی روح پر تازیانے لگا رہے تھے۔

ایک طرف احساسِ جرم۔

اعتماد کی دیوار پاش پاش ہو جانے کا خیال۔

دوسری طرف یہ احساس کہ اب شاید اپنی امی سے ملنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی۔

ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ سسک پڑی۔

ابو پریشان ہو گئے

وہ کبھی مینا سے پوچھتے تھے

کبھی عرفان بھائی سے کہتے تھے۔

"تم ہی کچھ بتاؤ عرفان، آخر کیا ہو گیا میری بیٹی کو؟"

نہ مینا کچھ کہتی تھی۔

نہ بڑے بھیا کچھ بولتے تھے۔

مینا کے آنسو بڑی مشکل سے تھمے تو اس نے ایک سہمی ہوئی نگاہ بڑے بھیا پر ڈالی اور

"ابو۔ مجھے معاف کر دیجئے۔"

ابو نے پوچھا۔

"کس بات پہ معاف کر دوں؟"

"میں آپ لوگوں سے چھپ کر امی سے ملتی رہی ہوں"

مینا نے دیکھا۔

اس کے ابو کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔

مینا کے دل کو بڑی ٹھیس پہنچی۔



نے اس سے کچھ نہیں کہا۔

اسی وقت ان کے کوئی دوست ان سے ملنے آ گئے۔

نے آکر اطلاع دی تو وہ ڈرائنگ روم کی طرف چلے گئے۔

بڑے بھیا نے پوچھا۔

"ان تک پہنچیں کس طرح؟"

مینا نے سوچا۔

وہ انہیں کیا بتائے کہ کس طرح پہنچی۔

بڑے بھیا نے کہا۔

"یقیناً یہ ملاقات خالہ امی کے گھر ہوئی ہوگی"

"نہیں"

"پھر"

مینا نے بڑے بھیا کو بلا کم و کاست اپنی اور جمیلہ بیگم کی پہلی ملاقات سے اس روز تک کی ملاقات

سب بتا دی۔

بڑے بھیا نے کہا۔

"دیکھو مینا! مجھے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ ان سے کیوں ملتی ہو۔ افسوس اس بات کا ہے

کہ تم نے ہم لوگوں سے یہ بات چھپائی۔"

مینا کا سر جھک گیا۔

"ذرا سوچو مینا! تمہارا یہ قدم غلط تھا یا نہیں۔"

"مجھے اس بات کا احساس تھا بڑے بھیا کہ میں جو کچھ کر رہی ہوں وہ غلط ہے لیکن....."

"لیکن؟"

"لیکن آپ لوگوں کے سامنے امی کا ذکر کرنے کی ہمت اپنے آپ میں نہیں پاتی تھی"

"ہوں۔" بڑے بھیا نے ایک گہری سانس لی۔

"میں نہیں چاہتی تھی کہ امی کا ذکر کر کے آپ لوگوں کے دلوں کو تکلیف پہنچاؤں۔"

"تم مجھ سے نہ سہی گھر میں کسی سے تو ذکر کر سکتی تھیں کہ تم نے اپنی امی کو دیکھا ہے ملنا چاہتی ہو۔"

"شاید آپ کو یاد ہو بڑے بھیا۔ آپ کی شادی کے موقع پر میں نے آپ سے کہا تھا ان کو بھی بلوائیں۔"

"ہاں مجھے یاد ہے لیکن مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں تھا"

مینا خاموش رہی۔

پھر گھر کے ہر فرد کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ مینا اپنی امی سے ملنے جاتی ہے۔ سبھی کے علم ہے وہ امی کے گھر جاتی ہے۔ ہر شخص حیرت زدہ تھا۔ یہ بات سبھی کے لئے چونکا دینے والی تھی گھر میں کسی کو اس بات کی خبر نہیں تھی مینا خوفزدہ رہتی تھی کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے۔

اور جب سب کو خبر ہو گئی تو۔

تو مینا مجرم سی بن گئی۔

رات کو کھانے کے وقت بھی وہ نہیں آئی۔

بوا بلانے آئیں

بھابی آئیں

لیکن اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر دیا۔

پھر بڑے بھیا اور ابو آئے۔

ابو نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

اور بڑے بھیا اُسے دیر تک سمجھاتے رہے۔

مینا کا دل چاہتا تھا کہ



سب لوگ اس کی اس حرکت پر اُسے ڈانٹیں۔ برا بھلا کہیں تو اس کے احساسِ جرم کی شدت

... بڑے بھیا اسے سسکیوں سے روتا دیکھ کر پگھل گئے تھے۔

رات کو بڑی دیر تک مینا سو نہ سکی۔ اس کی الجھی ہوئی سوچوں نے ذہن کو تھکا دیا۔ معلوم نہیں کب اس کی آنکھ لگی۔ صبح وہ دیر تک سوتی رہی۔ ناشتے کی میز پر اُسے نہ پاکر سب کو تشویش ہوئی۔ بھیا اسے جگانے کے لئے آئے۔ مینا گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ چھوٹے بھیا اس کے متورم پپوٹوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ آنکھ کھلتے ہی گزشتہ روز کے سارے واقعات مینا کی نگاہوں کے سامنے آگئے۔ اس کا سر جھک گیا۔ وہ سر جھٹک کر بستر سے نکل آئی۔

ناشتہ کرنے کو ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا پھر بھی وہ سب کی خاطر بیٹھ گئی۔

ابو نے کہا۔

"بیٹی آج یونیورسٹی نہ جانا۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔"

بڑے بھیا نے کہا۔

"بس آج آرام کرو۔"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے ناشتہ کرتی رہی۔ ویسے اس کا خود بھی یونیورسٹی جانے کا موڈ نہیں تھا۔ ابو اور بڑے بھیا نہ کہتے تب بھی وہ آج گھر پہ ہی رہتی۔

سب کے چلے جانے کے بعد شام کو بھابی اس کے کمرے میں آئیں۔ مینا منہ سر لپیٹے پڑی تھی۔ بھابی نے بڑے پیار سے اُسے پکارا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بھابی امی کی طرف آگئیں۔ امی کا ذکر سنتے ہی مینا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

بھابی نے کہا۔

"مجھے تمہارے جذبات کا اندازہ ہے"

مینا نے ایک گہری سانس لی۔

...نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا؛

"...اتنی بدتمیز تو کبھی بھی نہیں تھیں"

...پھر بھی چپ رہی۔

...مسکرا کر بولے۔

"...نہ سلام نہ دعا"

"...مجھے خیال نہیں رہا"

"...ایک بات پوچھی تو اس کا جواب بھی ندارد"

"...کونسی بات"

"...معلوم نہیں تم اس وقت ہو کہاں جو تم نے میری بات بھی نہیں سنی"

...مینا نے بستر پر بیٹھتے ہوئے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

فیصل نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے"

"جی"

"تو پھر اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں"

"کیا ہو گیا طبیعت کو"

"...سر میں درد ہے"

"...اتنی سی بات۔"

"جی"

"...نے تو کچھ اور بھی سُنا ہے"

...نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔



"تم رو رو کر اپنی صحت خراب نہ کرو"، بھابھی نے کہا۔

مینا نے بڑی تلخی سے کہا۔

"میری صحت کو کچھ نہیں ہو گا بھابھی"

بھابھی مسکرا کر بولیں۔

"میں عرفان کو سمجھاؤں گی"

"کیا سمجھائیں گی؟"

"یہی کہ وہ تمہیں تمہاری امی سے ملنے پہ نہ روکیں"

مینا خاموش رہی۔

شام کو فیصل آئے تو گھر کے ماحول میں انہیں کچھ تبدیلی سی محسوس ہوئی۔ بڑے بھیا... تھا۔ ابو بھی خاموش سے تھے۔ بات کرتے کرتے اچانک کہیں کھو جاتے۔ وہ کافی دیر تک... انہیں نظر نہیں آئی۔ چھوٹے بھیا سے انہیں اس خاموشی اور ماحول کی تبدیلی کا سبب معلوم ہوا لیکن... انہوں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ انہیں تو بہت پہلے سے یہ بات معلوم تھی۔ ابو مغرب کی نماز پڑھنے... گئے۔ بڑے بھیا اور شائستہ بھابھی کو کسی پارٹی میں جانا تھا۔ چھوٹے بھیا کے دوست... ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر اندر آ گئے۔

مینا کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی... دوبارہ اور پھر سہ بارہ دستک دینے پر مینا اُٹھ کر دروازے پر آئی۔ فیصل کو دیکھ کر... ہٹتے ہوئے بولی؛

"آیئے"

فیصل نے لائٹ جلاتے ہوئے کہا۔

"اندھیرا کیوں کر رکھا ہے کمرے میں؟"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جی! کیا سُنا ہے؟"

"یہی کہ تم رنگے ہاتھوں پکڑی گئیں۔"

فیصل کی بات سُن کر مینا سنجیدہ اور اداس ہونے کے باوجود مسکرا دی۔

فیصل نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے خدا کا"

مینا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

فیصل نے کہا۔

"میں نے تو تمہیں پہلے ہی مشورہ دیا تھا۔"

"کون سا مشورہ؟"

"یہی کہ تم ماموں جان کو بتا کر ان سے اجازت لے لو۔"

"ہوں"

"ہوں کیا؟"

"بس ہو گئی غلطی"

"چلو، جو کچھ ہوا سو ہوا مگر اب منہ سر لپیٹے کیوں پڑی ہو؟"

مینا خاموش رہی۔

فیصل نے محض اسے ہنسانے کی خاطر کہا۔

"دل ٹوٹ پڑی ہے تمہیں یا مار پڑی ہے؟"

مینا کو ہنسی آ گئی۔

"بتایا نہیں تم نے"

"کیا؟"

"کیا درگت بنائی گئی ہے تمہاری جو تمہارا یہ حال ہو رہا ہے؟"



...خیال ہے؟"

...ہے تمہارے بڑے بھیا نے تمہارا کھانا پینا اور گھر سے نکلنا بند کر دیا ہے۔ اور

...اچھی طرح جھاڑ پلائی ہے"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

...اپنا موڈ ٹھیک کرو۔"

...تو ہے۔"

فیصل چند سیکنڈ خاموش بیٹھے کچھ سوچتے رہے پھر بولے:

...فیصلہ کیا ہوا ہے تمہارے حق میں؟"

"کیسا فیصلہ؟"

...میرا مطلب ہے تمہیں اپنی امی سے ملنے کی اجازت دی گئی یا پابندی لگا دی گئی ہے کہ اب

...لیں تو تمہاری ٹانگ توڑ دی جائے گی۔"

...کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

...کو اس وقت مذاق سوجھ رہا ہے"

فیصل ایک دم سنجیدہ ہو کر بولے۔"

...تمہارا یہ موڈ دیکھ کر میں نے اپنا موڈ بدل دیا ورنہ ...."

...؟"

...میں تو بڑی سنجیدگی سے آج تم سے کچھ کہنے آیا تھا۔"

...کر بولی۔

...آئے تھے؟"

...اب موڈ نہیں رہا۔"

...بتانا پڑے گا۔"

فیصل مسکرا کر بولے۔

"اچھا بڑی زبردست بنی ہوئی ہو اس وقت۔"

"ٹھیک ہے، یہی سمجھ لیجئے"

فیصل نے بات ٹالنے کے لئے کہا۔

"ایسے نہیں بتاؤں گا۔"

"پھر کیسے بتائیں گے؟"

"پہلے چائے پلاؤ۔"

"چائے پی نہیں آپ نے؟"

"نہیں" فیصل صریحاً جھوٹ بول گئے۔

مینا اُن کے لئے چائے بنا کر لے آئی۔

لیکن فیصل کی چائے ختم ہونے تک چھوٹے بھیا ادھر آ گئے۔

فیصل کچھ دیر اُن سے باتیں کرتے رہے۔

پھر گھر چلے گئے۔

مینا اُلجھن میں پڑ گئی۔

فیصل بھائی کیا کہنے آتے تھے؟

وہ کیا کہنا چاہتے تھے؟

معلوم نہیں اب کب آئیں گے؟

فیصل تو کئی دن تک نہیں آئے۔

البتہ پھوپھی اماں، پھوپھا جان آئے۔ ابّو، بڑے بھیا اور بھابھی ان سے معلوم...

رہے، جب تک مینا ان لوگوں کے درمیان موجود رہی کوئی خاص بات نہیں ہوئی

اگلے روز شائستہ نے مینا سے کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد...



...فیصل کا رشتہ لے کر آئے تھے۔

مینا چپ چاپ بیٹھی بھابھی کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

بھابھی نے کہا۔

"سوچ سمجھ کر مجھے جواب دے دینا"

مینا پھر بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔

بھابھی نے پوچھا۔

"فیصل تمہیں کیسے لگتے ہیں؟"

مینا نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے پوچھا۔

فیصل مجھے کیسے لگتے ہیں؟

اپنے سوال کا جواب اُسے خود بھی نہیں ملا۔

وہ بھابھی کو کیا بتاتی۔

بھابی نے دوبارہ پوچھا۔

"فیصل تمہیں پسند ہیں نا؟"

"معلوم نہیں" مینا کی سانس اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی۔

بھابھی نے کہا۔

"میرا تو یہی اندازہ ہے کہ فیصل تمہیں پسند ہیں"

"آپ نے کیسے اندازہ لگا لیا؟"

"...لگا لیا۔"

"آپ کا اندازہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"...بھی ممکن ہے، بعض اوقات جو کچھ ہم سمجھتے ہیں حقیقت اس سے مختلف ہوتی ہے"

"...ٹھیک کہتی ہیں۔"

یناکی نگاہوں میں سوچیں اُتر آئیں۔
بھابھی نے کہا۔
" ویسے ایک بات ہے مینا۔"
" جی "
" فیصل تمہیں بہت چاہتے ہیں"
" اچھا"
" ہاں، انہی کی خواہش پہ پھوپھی اماں"
مینا نے کہا۔
" اس کا مطلب ہے پھوپھا جان کی خواہش نہیں ہے"
" نہیں بھئی۔ ان دونوں کی مرضی تو خیر ہے ہی لیکن فیصل کا بے پناہ اصرار ہے"
" ہوں" مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔
بھابھی اُٹھ کر چلی گئیں۔
مینا کا ذہن اُلجھ کر رہ گیا۔
وہ کچھ دیر صوفے کی پشت سے سر ٹکائے، آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔
پھر لوجھل قدموں سے دریچے میں آگئی۔
فیصل اور اشعر
اُس کی نگاہوں کے سامنے دو تصویریں تھیں۔
بہت واضح
بے حد صاف
وہ جانتی تھی۔
فیصل اس کے ابو اور بھائیوں کا انتخاب ہیں۔



یہ شعر
ر کی ان کا انتخاب ہوں گے۔
نے واضح اور صاف الفاظ میں کچھ نہیں کہا تھا۔
مینا کو ان کی خواہش کا اچھی طرح اندازہ تھا۔
مگر افسوس کن حالات کے باوجود اسے چاہے جا رہے تھے۔
ہے کب سے
چپ چاپ، کسی کو بتائے بغیر
اس کا اندازہ تو مینا کو اشعر کی اس روز والی گفتگو سے ہوا تھا۔
اشعر کے جملوں کی بازگشت سنائی دی۔
فیصلہ کئے بیٹھی ہو تم"
ہے تمہارے اس فیصلے کی زد میں آکر کوئی جان سے جائے"
اللہ تمہارے حالات ہمیشہ سے میرے سامنے ہیں لیکن پھر بھی میں تمہیں چاہنے سے باز نہ رہ سکا
تمہیں پانے کی تمنا کر بیٹھا ہوں مگر معلوم نہیں تم ملو نہ ملو۔"
نے سوچا
خود کیسے چاہتی ہوں؟
کو یا فیصل کو؟
کا جواب اُسے نہیں ملا۔
اپنی خواہش کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتی تب بھی اسے اشعر اور فیصل میں سے کسی ایک
بہت دشوار تھا۔
اس کے ابو تھے۔
نے اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا۔

اپنی بساط بھر اسے ناز و نعم میں پالا۔

وہ جو اس کو دیکھ کر جیتے تھے۔

جو اُسے ہنستا دیکھ کر خود بھی ہنستے تھے۔

دوسری طرف،

اس کی امّی تھیں۔

اس کی امّی

اس نے سوچا

مگر انہوں نے میرے لئے کیا کیا ہے؟

انہوں نے مجھے پیدا ضرور کیا۔

لیکن اس کے بعد۔

اپنی زندگی کے وہ تمام سال اس کی نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگے،

جو احساسِ محرومی کی ایک طویل داستان تھے۔

بس! اس ایک شخص — سجاد کی خاطر وہ مجھے اتنے اذیت ناک احساس سے دوچار کر

مجھے ان کی خواہش، ان کی تمنّا کا خیال کرنا چاہیئے۔

ابّو — امّی

فیصل — اشعر

خداوندا! یہ کیسی اُلجھن میں پڑ گئی ہوں میں؟

زندگی کے کسی دَور میں بھی میرے لئے سکون نہیں؟

میری سوچیں اسی طرح اُلجھتی رہیں گی۔

دو افراد کی خواہشات کے ٹکراؤ میں میرا انجام کیا ہوگا؟

دوسروں کو دُکھ اور تکلیف نہ دینے کا احساس مجھے کیا فیصلہ کرنے پر مجبور کر



محسوس ہوتا ہے جیسے

...ں کی آرزوؤں کو پامال نہ کرنے کی کوشش میں میری اپنی ذات پس کر رہ جائے گی۔

...وجود ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا۔

... فیصل

... اشعر

...ے دماغ میں انہی دو ناموں کی تکرار تھی

...تے سوچتے اس کا ذہن تھک سا گیا تھا۔

... اُداسی کے بھاری بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

... دوپہر کا سنّاٹا اُسے گونجتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

...ہتا تھا کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں کوئی آواز نہ ہو، کوئی اُلجھن نہ ہو۔

...سکون ہو اور خاموشی۔

دو، تین روز گزر گئے۔ مینا کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔

وہ پریشان ہو کر سوچتی

میری زندگی بھی کیا زندگی ہے۔

ایک الجھن کے بعد دوسری الجھن۔

چند قدم چلتی ہوں تو ایک نیا موڑ نظر آ جاتا ہے۔

ابھی زندگی میں اور کتنے موڑ آنے باقی ہیں۔

کیا میری زندگی کا سفر انہی الجھی الجھی راہوں پر چلتے چلتے تمام ہو جائے گا!

یہ میری پریشان سوچیں۔

یہ میرے منتشر خیالات۔

محرومی کا چبھتا ہوا سا احساس

زندگی بس اسی کو کہتے ہیں؟

امی!

میری امی!

یہ آپ کیا کر بیٹھی تھیں؟

لغزش آپ سے سرزد ہوئی تھی۔

لیکن اس کا خمیازہ کون بھگتے گا؟



اشعر — اول

ب —

جانے کون کون

سوچ سوچ کر تھک چکی ہوں۔

پھر بھی فیصلہ نہ کر سکی۔

نے نام کے ساتھ کس نام کو منتخب کروں؟

شعر — فیصل —؟

فیصل — اشعر —؟

بھابھی نے اس سے پوچھا۔

مینا! تم نے جواب نہیں دیا"

مینا نے انجان بن کر پوچھا

کس بات کا جواب؟"

کس بات کا جواب!!" بھابھی حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

مینا کا سر اس طرح جھک گیا جیسے اس نے کوئی جرم کیا ہو۔

بھابھی نے کہا۔

نے تم سے فیصل کے سلسلے میں بات کی تھی"

نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

پھر کیا فیصلہ کیا؟"

کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔"

"فیصل تمہیں ناپسند ہیں؟"

"ناپسند تو نہیں۔"

"پھر؟"

"بھابھی وہ ......"

مینا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں! کہو نا، رک کیوں گئیں؟"

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ فی الحال اس سلسلے کو یہیں ختم کر دیا جائے"

"آخر کیوں؟"

"ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں"

"پڑھنے سے کون منع کر رہا ہے تمہیں؟"

"لیکن ......"

"بھئی طے یہ ہوا ہے کہ فی الحال تمہاری منگنی کر دی جائے گی، شادی ایم اے کے بعد!"

"سبھی کام ایم اے کرنے کے بعد کیوں نہ ہوں۔"

"نہیں، ابھی منگنی ہو جانا ضروری ہے۔"

"اس میں کیا مصلحت ہے؟"

"مصلحت یہ ہے کہ فیصل کی پھوپھی اپنی بیٹی کے لئے زور دے رہی ہیں"

"تو کیا ہوا؟"

"پھوپھی اماں کو ڈر یہ ہے کہ کہیں پھوپھا جان اپنی بہن کی باتوں میں آگئے تو"

"اس میں حرج ہی کیا ہے اگر ایسا ہو جائے تو؟"

"فیصل اپنے چچا اور پھوپھی کی لڑکیوں میں سے کسی کو پسند نہیں کرتے"

"یہ تو فیصل بھائی کی زیادتی ہے۔"



...ی سی ہو گئی۔

...ی نے کہا۔

"...کیوں فیصل سے دامن بچانا چاہتی ہو؟"

...نے سوچا۔

...بھی اب میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میں کس مشکل مقام پر کھڑی ہوں ـــــ میرے سامنے ایک ...ایک راہ پر فیصل کھڑے ہیں اور دوسری پر اشعر ـــــ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس راہ ...قدم بڑھاؤں؟ اگر میں پہلی راہ کا انتخاب کرتی ہوں تو دوسری راہ پر کھڑا ہوا انسان میرے ...ہوئی دھول کے پیچھے چھپ کر رہ جائے گا۔

...ہے کہ اڑتی ہوئی دھول کے بگولوں میں بھٹک بھٹک کر اس کا وجود کہیں ہمیشہ کے لئے کھو بھی ...ہے۔

...دوسرے راستے کو منتخب کرتی ہوں تو پہلی راہ پر کھڑی ...دی ہستی پامال ہو جائے گی۔

...کی زندگی میں مسرتوں کی کلیاں بکھیر کر دوسرے کی زندگی میں کانٹے نہیں بھر سکتی۔

...اشعر کے دل کو زخموں سے چور چور کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔

...ہاتھ تھام کر فیصل کے دل کو مجروح کرنا ـــــ یہ بھی کس قدر دشوار ہے۔

...کیسے بتاؤں بھابھی؟

...؟

...گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

...ہیں جملے اس کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔

...سے تنگ آ کر بھابھی نے پوچھا۔

...؟"

...سر اٹھایا۔

"جی ہاں!"

"بتاؤ۔ میں عرفان اور سب لوگوں کو کیا جواب دوں؟"

مینا نے کہا

"بھابھی آپ ایسا کہیں کہ۔۔۔۔"

"ہوں۔"

"اُن سے کہہ دیں کہ میں ابھی نہ منگنی کرنا چاہتی ہوں نہ شادی"

"کہہ تو دوں مگر وہ تمہاری بات مانیں گے نہیں"

"آپ پہلے کہہ کر تو دیکھیں۔"

"اچھا کہہ دوں گی۔ لیکن اگر وہ لوگ اپنی بات پہ بضد رہے۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں اس مسئلے پر از سرِ نو غور کروں گی"

"اچھی بات ہے۔"

بھابھی اسے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں تو اس کا ذہن پھر بھٹک گیا۔

اگلے روز وہ آسیہ کے ساتھ اس کے گھر گئی تو عالیہ نے بتایا۔

"آسیہ باجی کی منگنی ہونے والی ہے"

عالیہ کے چہرے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

مینا نے پوچھا۔

"اچھا! کب؟"

"خالہ جان اور ظفر بھائی عنقریب ہی آنے والے ہیں"

مینا نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے اور آسیہ نے مجھ سے ذکر تک نہیں

اسی وقت آسیہ کمرے میں داخل ہوئی۔ عالیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی



شرم کے مارے نہیں بتایا ہوگا۔"

مینا نے کہا۔

"یوں آسیہ بیگم! چپکے چپکے منگنی کی تیاری کر لی اور مجھے بتایا بھی نہیں۔"

آسیہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

اس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

اور آنکھیں سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

مینا کی نگاہوں میں حیرت سمٹ آئی۔

عالیہ کمرے سے باہر گئی تو مینا اٹھ کر آسیہ کے قریب آگئی۔

"خیریت تو ہے، تم اس قدر سنجیدہ کیوں ہو؟"

آسیہ خاموش بیٹھی رہی۔

مینا نے کہا

"کیا بات ہے تمہیں اپنی منگنی کی خبر سن کر خوشی نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"یہ تو زبردستی کا سودا ہے مینا!"

"کیا مطلب؟"

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ ظفر تمہیں پسند کرتے ہیں۔"

مینا چونک کر بولی۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے"

"نہیں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں"

"کیا ٹھیک کہہ رہی ہو؟"

"خالہ امی اور دوسرے لوگوں کی خواہش ہے' اس لئے ظفر مجبور ہو کر......"

مینا جل کر بولی۔

"ہاں، ورنہ ظفر بھائی کی اپنی کوئی مرضی اور خوشی نہیں۔"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"تمہارا خیال سو فیصد غلط ہے۔ ظفر بھائی آئیں گے تو میں تمہارے سامنے ان سے

"نہیں، یہ حرکت مت کرنا۔"

"یہ حرکت تو میں ضرور کروں گی تاکہ تمہاری غلط فہمی دور ہو۔"

اور جب کچھ دنوں بعد آسیہ کی خالہ امی آئیں تو آسیہ اپنے دل کی بات زبان پر لا سکی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ظفر کی مرضی کے بغیر وہ ساری عمر کے لئے ان پر مسلط کر دی نے بڑے خلوص سے اس بات کی پیش کش کی کہ اگر ظفر مینا کو پسند کرتے ہیں تو وہ بڑ ساتھ اُن کے راستے سے ہٹ سکتی ہے۔ ظفر آسیہ کی اس سوچ پر حیران رہ گئے۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو آسیہ!"

"نہیں"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی بڑی غلط فہمی کو دل میں جگہ دیئے بیٹھی ہو۔"

"یہ غلط فہمی ہے۔؟"

"پھر اور کیا ہے؟"

"نہیں ظفر! میں اتنی......"

"بس! خاموش ہو جاؤ۔ میں کوئی فضول بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"لیکن ظفر ...."

"میں نے کہا نا! چپ ہو جاؤ۔"

آسیہ آگے کچھ نہ بول سکی۔



ظفر نے کہا

ہوش سنبھالنے کے بعد اگر کسی لڑکی کو دل و دماغ میں جگہ دی ہے تو وہ صرف تم ہو آسیہ اور تم—

مجھے تو اپنا سر پیٹ لینا چاہیئے۔"

مینا جو دروازے کے پیچھے چھپی کھڑی تھی، خواہ مخواہ ہی گلا صاف کرتی ہوئی سامنے آ گئی۔

ں کی موجودگی سے باخبر تھی لیکن ظفر اس بات سے قطعی لاعلم تھے۔

نوں نے چونک کر پیچھے دیکھا اور مینا کو دیکھ کر خجل سے ہو گئے۔

یہ کے دل کی خلش تو دور ہو گئی لیکن مینا کی ذہنی الجھن اب بھی نہ سلجھ سکی تھی۔ شائستہ بھابھی دو تین بار کہہ چکی تھیں کہ فیصل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر کے جواب دے تاکہ بات آگے بڑھائی جا سکے۔ یہ کہہ کر بات ٹال دی تھی کہ میں دس پندرہ روز بعد سوچ کر جواب دوں گی۔ ویسے وہ فکرمند ضرور کہیں ایسا نہ ہو فیصل خود کسی روز آ جائیں اور اس سے جواب طلب کرنے بیٹھ جائیں۔ لیکن فیصل شاید کچھ زیادہ ہی مصروف تھے یا پھر وہ قصداً نہیں آ رہے تھے۔ پھوپھی اماں اس دوران دو دفعہ چکی تھیں اور شائستہ بھابھی سے پوچھ چکی تھیں کہ آخر بات کیا ہے؟ مینا کس الجھن میں ہے جو اتنے بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ شائستہ بھابھی کیا بتاتیں، وہ بے چاری خود ہی اصل بات سے تھیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر پھوپھی اماں کی تسلی کر دی کہ مینا اس بات سے خوفزدہ ہے کہ کہیں پڑھائی ادھوری نہ رہ جائے۔

فیصل اور مینا کا مسئلہ توجوں کا توں رہا لیکن مینا کے ابو نے چھوٹے بھیا کی مرضی معلوم کرکے پھ
کی بڑی بیٹی کے لئے ان کا پیغام دے دیا۔ مینا اس خوشی میں اپنی پریشانی بھول گئی۔ اس کی کتنی خواہش
اس کے بھائیوں میں سے کسی کا رشتہ پھوپھی اماں کی کسی بیٹی کے ساتھ ہو جائے۔ بڑے بھیا کی ش
کے وقت پھوپھی اماں کے دلی جذبات کا احساس کر کے وہ نہ صرف شرمندہ تھی، بلکہ بہت ن
بھی ہو گئی تھی۔

اسے چھوٹے بھیا کے اوپر بے پناہ پیار آیا۔

پھوپھی اماں بھی خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔

نجمہ آپا سے ملے ہوئے مینا کو بہت دن ہو گئے تھے اور اپنی امی سے ملنے کی راہ تو بند
ہو چکی تھی۔

ایک روز صدر میں آسیہ کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے اسے عاصم نظر آیا۔ مینا نے
نکل جانا چاہا لیکن وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"سلام علیکم مینا باجی!"

عاصم کے چہرے پر مسرت تھی۔

مینا نے آہستہ سے سر ہلایا۔

آسیہ پر نظر پڑتے ہی عاصم نے اسے بھی سلام کیا۔

پھر اس نے مینا سے کہا۔



"باجی! آپ بہت دنوں سے نہیں آئیں"

"ہاں! بہت دن ہو گئے"

مینا کی آنکھوں میں بڑی گہری سوچیں تھیں۔

"امی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔"

"اچھا۔"

"کب آئیں گی آپ؟"

"میں کب آؤں گی؟"

"جی!"

"عاصم!"

"جی!"

"امی سے میرا سلام کہنا"

"اچھا"

"اور کہنا کہ....."

مینا نے ایک لمحے کے لئے رک کر بڑی گہری سانس لی۔

"کیا کہوں باجی؟"

"کہنا کہ اب میں کبھی نہیں آؤں گی"

"جی!!"

عاصم نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں عاصم!! اب میں کبھی نہیں آؤں گی"

"کیوں باجی؟"

عاصم نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"اصل میں بات یہ ہے عاصم! کہ اس روز جب تم اور امی مجھے رکشہ میں سوار کرا کر سڑک
کے کنارے کھڑے تھے تو بڑے بھیا نے مجھے تم دونوں کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔"

ایک لمحے کے لئے عاصم کے چہرے کا رنگ بدلا۔

اس نے پوچھا۔

"تو کیا ان لوگوں نے آپ کو ہمارے گھر آنے سے منع کر دیا ہے؟"

"منع تو نہیں کیا لیکن۔۔۔۔۔"

"لیکن؟"

"میں پھر بھی نہیں آسکتی، اب میں تم لوگوں سے نہیں مل سکتی۔"

مینا کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

عاصم چند سیکنڈ تک افسردہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بجھے بجھے سے لہجے میں
خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

مینا بازار سے واپس آئی تو منہ لپیٹ کر پڑ گئی۔ آسیہ واپسی میں اپنے گھر اتر گئی تھی۔
بوا کہ مینا کو بلانے آئیں تو مینا نے کہا۔

"میری چائے یہیں لا دیجئے۔"

"کیا بات ہے بیٹا؟ بہت تھک گئی ہو۔"

"ہاں! ایسی ہی سمجھ لیجئے۔"

"تو پھر تم چائے پی کر آرام کرو۔"

مینا سر جھکائے بیٹھی رہی۔

بوا اس کے لئے چائے لے کر آئیں تو شائستہ بھابھی بھی کرن کو گود میں لئے ہوئے
چلی آئیں۔

"کیا بات ہے مینا؟"



ہوں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"وئی بات نہیں ہے بھابی!"

مینا نے اپنی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کی۔

"کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے"

"کوئی بات نہیں"

"تو پھر اس قدر بجھی بجھی کیوں نظر آرہی ہو؟"

بوا چائے رکھ کر چلی گئیں۔

مینا بڑی بددلی سے چائے پیتی رہی۔ بھابھی اس کی چائے ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھی
مینا نے چائے ختم کر کے کرن کو اپنی گود میں لے لیا اور اسے پیار کرتے ہوئے اپنے آپ
بہلانے کی کوشش کی۔

بھابھی نے پھر پوچھا۔

"ہاں! بتایا نہیں تم نے کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں۔"

جب بھابھی کا اصرار بہت بڑھا تو مینا نے عاصم سے اپنی ملاقات کے بارے میں
بتا دیا۔

بھابھی کچھ دیر سر جھکائے سوچتی رہیں، پھر پوچھنے لگیں۔

"تم آپا امی سے ملنا چاہتی ہو؟"

مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔

"کیا بتاؤں بھابھی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

بھابھی کرن کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کی طرف دیکھتی رہیں۔

انہوں نے کہا۔

"ایک کا خیال کرتی ہوں تو دوسرے کے دُکھ کا خیال مجھے خود اپنی ہی نگاہوں میں

بنا دیتا ہے۔

بھابھی نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو میں عرفان اور ابو سے بات کروں گی"

مینا نے کہا۔

"مسئلہ تو پھر بھی حل نہیں ہو سکے گا"

"کیوں؟"

"مجھے یقین ہے کہ ابو اور بڑے بھیا دونوں ہی مجھے امی سے ملنے کی اجازت دے

"پھر کیا پریشانی ہے؟"

"میں تو ان کے جذبات و احساسات کی تکلیف کا خیال کر کے شرمندہ ہو جاتی ہوں"

بھابی نے کہا۔

"دیکھو مینا! ہم تمام لوگوں کو تو خوش نہیں رکھ سکتے نا!"

"یہ بہت مشکل کام ہے"

"تو پھر وہ کرو جس سے تمہارا ضمیر مطمئن ہوتا ہو۔"

"یہ دل اور ضمیر کتنے مسائل پیدا کر دیتے ہیں ہمارے لئے۔"

مینا نے اپنے آپ سے کہا۔

بھابھی نے کہا۔

"تم نے فیصل کے بارے میں بھی مجھے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"

"ہاں بھابھی! کیا کروں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"تم اپنے ذہن کو اس قدر الجھاتی کیوں ہو؟"

"بہت سی باتیں اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔"



"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بہر حال فیصلہ تو تمہیں کرنا ہے"

"ہوں، فیصلہ تو ایک نہ ایک دن کرنا ہے"

بھابھی نے کہا۔

"اب رہ گیا تمہارا وہ مسئلہ"

"کون سا مسئلہ؟"

"اپنی امی سے ملنے والا۔"

"جی ——"

"تو اگر تمہارا ضمیر اور دل اس بات پہ مطمئن ہیں کہ تم اپنی امی سے ملنے میں حق بجانب ہو تو تم
لو اور اس کے لئے تم کسی دوسرے کی پرواہ بالکل مت کرو۔"

مینا سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہ گئی اور بھابھی اُٹھ کر چلی گئیں۔

پھر اگلے روز وہ نجمہ آپا سے ملنے جا رہی تھی۔ تبھی فیصل آ گئے۔ مینا انہیں دیکھ کر نروس
ہو گئی۔

"کہاں کی تیاری ہے؟"

فیصل اس کے قریب رُک کر بولے۔

"نجمہ آپا سے ملنے جا رہی ہوں۔"

"کوئی خاص کام ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر کسی اور دن چلی جانا۔"

مینا سوچ میں پڑ گئی۔

"آج ہی جانا ضروری ہے؟"

"انہوں نے ٹیلیفون کیا تھا۔"

" تو تم بھی انہیں ٹیلیفون کر کے اطلاع کر دو کہ آج نہیں آسکتی۔"

" برا معلوم ہوتا ہے؟"

" کیوں؟"

" دو روز پہلے بھی میں انہیں اسی طرح ٹال چکی ہوں۔"

" آج اور ٹال دو"

" اچھا نہیں لگتا اور پھر ویسے بھی میں بہت دنوں سے ان لوگوں سے ملنے نہیں گئی"

" تو یوں کہو نا، کہ ملنے کے لئے بہت بے قرار ہو رہی ہو۔"

فیصل نے مسکرا کر کہا۔

" نہیں، یہ بات نہیں ہے"

مینا سنجیدہ ہو گئی۔

" ارے تم اس قدر سنجیدہ کیوں ہو گئیں؟ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

فیصل نے کہا۔

" اچھا! پھر میں بھی چلتا ہوں"

" کیوں؟ آپ بیٹھئے۔ گھر میں اور لوگ تو ہیں۔"

" میں تو تم سے ملنے آیا تھا۔"

" کوئی خاص کام ہے؟"

" ہاں۔"

" اچھا! تو پھر میں نہیں جاتی۔"

" نہیں، تم جاؤ۔ میں پھر کسی روز آ جاؤں گا۔"

مینا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اسے اندازہ تھا کہ فیصل اس سے کون سی



تے ہیں۔

فیصل نے کہا۔

" میں چھوڑ آؤں تمہیں"

" نہیں، میں چلی جاؤں گی"

" کیسے جاؤ گی؟"

" رکشے سے، گاڑی تو بڑے بھیا لے گئے ہیں۔"

" تو پھر میں چھوڑ آؤں گا تمہیں۔"

" نہیں، آپ رہنے دیجئے۔"

" کیوں؟"

" ابھی ابھی تو آئے ہیں آپ۔"

" تو کیا ہوا؟"

" تھکے ہوئے ہوں گے، مزید تھکن ہو جائے گی۔"

" گاڑی میں لے جاؤں گا تمہیں کندھوں پہ تو بٹھا کر نہیں لے جاؤں گا۔"

فیصل مسکرائے۔

وہ جھینپ کر رہ گئی۔

گاڑی جب خالہ امی کے گھر کے سامنے رکی تو فیصل اور مینا کی نگاہیں بیک وقت سامنے

کھلے ہوئے گیٹ کے اس پار برآمدے کی سیڑھیوں پر اشعر کھڑے تھے۔

مینا نے کنکھیوں سے فیصل کی طرف دیکھا۔

فیصل اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

مینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔

فیصل کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

بینا نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے خدا حافظ کہا تو فیصل نے زبان سے کچھ کہنے

بجائے آہستہ سے سر ہلایا۔

پھر وہ کچھ سوچ کر بولے۔

"لینے کے لئے آؤں؟"

"نہیں، میں آ جاؤں گی۔"

"واپسی کب تک ہوگی؟"

بینا نے مجرموں کی طرح سر جھکا کر کہا۔

"جی! معلوم نہیں۔"

بینا نے پلٹ کر دیکھا۔

اشعر برآمدے میں کھڑے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔

بینا نے قریب پہنچ کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے سر ہلاتے ہوئے

"آج کیسے راستہ بھول گئیں؟"

بینا کو ان کے جملے سے تکلیف تو بہت پہنچی۔ لیکن وہ برداشت کرتے ہوئے بولی۔

"میں آج پہلی دفعہ آئی ہوں یہاں۔؟"

"پہلی دفعہ تو نہیں آئیں۔"

"پھر؟"

"اصل میں تمہارے جانے اور دوبارہ آنے کے درمیان وقفہ بہت طویل ہوتا ہے۔"

"اچھا۔"

"ہاں، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم سے ملے ہوئے برسوں گزر گئے ہوں۔"

"اور جو آپ برسوں باہر رہے؟"

"ان برسوں کی بات نہ پوچھو۔"



"کیوں؟"

"بس، جو کچھ گزری اس کا احساس کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

اسی وقت خالہ امی کی آواز سنائی دی۔

"اشعر! کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

اس کے ساتھ ہی وہ برآمدے میں نکل آئیں۔

اشعر نے کہا۔

"ایک لڑکی راستہ بھول کر ادھر آ گئی امی۔"

بینا نے شکایت آمیز نگاہوں سے اشعر کی طرف دیکھا۔

اشعر سنجیدہ تھے۔

خالہ امی نے بینا کو دیکھ کر گلے سے لگا لیا۔

بینا نے کہا۔

"آداب خالہ امی!"

"جیتی رہو۔"

بینا کی پیشانی چوم کر بولیں

"بڑے دنوں میں آئیں بیٹی۔"

بینا کے جواب دینے سے پہلے اشعر بولے۔

"آپ ناحق ہی اتنا انتظار کرتی ہیں امی"

"کیوں؟ کیوں نہ کروں انتظار؟"

"کسی دن آپ راہ ہی دیکھتی رہ جائیں گی اور..."

اشعر نے ایک لمحے کے لئے رک کر بینا کی طرف دیکھا اور بولے۔

"یہ نہیں آئے گی، یہ نہیں آسکے گی امی!"

"کیسی باتیں کر رہے ہو اشعر؟"

"آپ دیکھ لیجئے گا، وہ دن بہت جلد آنے والا ہے۔"

"اچھا! تم بیکار باتیں مت کرو۔"

اشعر اندر چلے گئے۔

بینا بھی خالہ امی کے ساتھ اندر آگئی۔

نجمہ آپا اپنے کمرے میں تھیں۔ بینا دروازے تک ہی پہنچی تھی، نجمہ آپا اُٹھ کر

اس سے ملیں۔

بینا کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ تھی۔

اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔

اشعر اس کے دل و دماغ سے بے خبر کتنی تکلیف دہ باتیں کر گئے تھے۔

نجمہ آپا حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے بینا؟ اتنی چپ چپ کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں نجمہ آپا"

"میں نہیں مان سکتی، کوئی بات ضرور ہے"

بینا نے ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن نجمہ آپا کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔

جب خالہ امی اُٹھ کر چلی گئیں تو بینا نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں نجمہ آپا؟"

"ہاں، پوچھو"

"اشعر بھائی اتنی تکلیف دہ باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

نجمہ آپا ایک دم سنجیدہ ہوگئیں۔

بینا نے پوچھا۔



پوچھنے لگیں؟"

کیوں بینا؟"

نہیں مانو گی؟"

بات یہ ہے بینا کہ اشعر بھائی تمہیں بے پناہ چاہتے ہیں۔"

چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔

وہ اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

چاہنے کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ اس کے دل کو تکلیف پہنچائی جائے۔"

انسان کو اپنے مقصد میں کامیابی کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی تو اکثر اوقات اس کے لہجے

آجاتی ہے"

سر جھکائے بیٹھی رہی۔

نے کہا۔

خاندانی حالات جو کچھ بھی ہیں، ہم سب کے سامنے ہیں۔ اشعر بھائی سب کچھ جانتے

بھی اپنے آپ کو سمجھا نہیں سکے۔ جذبات کے آگے تو انسان بے بس ہو ہی جاتا ہے۔"

تمام باتوں میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔"

بھائی کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا نجمہ آپا! میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ میں ذہنی طور پر کس

سا

بات؟"

اپنے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے نجمہ آپا کو سب کچھ بتا دیا۔

نجمہ آپا نے کہا۔

"تو اب خالہ جان سے نہیں ملا کرو گی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا نجمہ آپا! ہمیں ابو اور اپنے بھائیوں کے احساسات کا خیال...
جذبات کا؟"

نجمہ آپا گہری سوچوں میں ڈوب گئیں۔

مینا نے کہا۔

"یا تو خدا نے میری جان کے ساتھ اتنے مسائل نہ رکھے ہوتے یا پھر مجھے اتنا...
کہ میں دوسروں کی پرواہ کرنے کے بجائے اپنے جذبات واحسات کا خیال رکھتی۔"

نجمہ آپا نے پوچھا۔

"فیصل تمہیں کیسے لگتے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم، مجھ سے کچھ مت پوچھئے۔"

مینا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے برس رہے...

نجمہ آپا جانے کس وقت اُٹھ کر چلی گئیں۔

مینا نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تو وہ تنہا تھی۔

وہ اُٹھ کر دریچے کے قریب آگئی۔

پھر معلوم نہیں اسے کھڑے ہوئے کتنی دیر ہوئی تھی۔

دروازے کے قریب قدموں کی آہٹ ہوئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔

اشعر اندر آرہے تھے۔

وہ سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی اور دریچے سے ٹیک لگائے اشعر کی طرف دیکھنے...

اشعر اس کے بالکل قریب آکر مسکرائے۔

وہی مخصوص دلآویز تبسم تھا ان کے ہونٹوں پر۔



...نے سوچا۔

...بڑی تکلیف دہ بات سننے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے مجھے۔

...نے کہا۔

"...بات ہے مینا؟"

"...نہیں"

"...شادی ہو مجھ سے؟"

...خاموش رہی۔

"...نالاں ہو نا؟"

...پھر بھی چپ رہی۔

"...تکلیف پہنچاتا ہوں تمہارے دل کو؟"

...نے کہا

"...حقیقت یہ نہیں ہے؟"

"...دانستہ ایسا کرتا ہوں؟"

"...نہیں معلوم"

"...سوچتا ہوں کہ میں ناحق یہاں واپس آگیا۔"

"...نہیں آ... چاہتے تھے؟"

...اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"...سے موت مار دو گی مینا۔"

"...بات۔"

بینا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"اچھا بھئی! اب میں کچھ نہیں کہوں گا، تم ناراض مت ہو۔"

اشعر اس قدر والہانہ انداز سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، وہ جھینپ گئی۔

"تم نے نجمہ سے میری شکایت کی تھی۔؟"

"کب؟" بینا انجان بن کر بولی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے"

"آپ اسے شکایت کہتے ہیں؟"

"پھر کیا کہوں؟"

بینا پلٹ کر دریچے سے باہر دیکھنے لگی۔

اشعر نے پوچھا۔

"کس کے ساتھ آئی تھیں؟"

"فیصل بھائی کے ساتھ"

"فیصل بھائی! یہ کون ہیں؟"

"پھوپھی اماں کے بیٹے ہیں، آپ نہیں جانتے انہیں۔"

اشعر قدرے تلخی سے بولے۔

"آپ کے گھر کے دروازے ہمارے لئے بند ہیں"

بینا نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"جی!!"

اشعر اپنی کہے گئے

"ظاہر ہے جب میں آپ کے گھر نہیں جاتا تو آپ کے رشتہ داروں کے

نام بھی نہیں سنا آپ نے؟"



اشعر اپنا ہی سے بولے

"غالباً واپسی بھی انہی کے ساتھ ہو گی۔"

بینا ایک دم سلگ اٹھی۔

"جی جی بھر کر طنز کیجئے۔"

"طنز نہ کروں تو کیا کروں؟"

بینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"غالباً تمہیں یاد ہو گا، اس روز یونیورسٹی سے میرے ساتھ واپس آنا تمہیں ناگوار گزرا تھا۔"

"اچھا! اور کچھ؟"

"اور آج فیصل کے ساتھ آنا غالباً باعثِ خوشی ہوا ہو گا۔"

بینا نے افسردگی سے ان کی طرف دیکھا

"اشعر بھائی!"

"جی فرمائیے"

"اس قسم کی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔"

اشعر کو بھی شاید احساس ہوا کہ وہ اتنے پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی ہو کر اتنی گھٹیا قسم کی باتیں

کر گئے۔

انہوں نے نادم ہو کر کہا۔

"سوری بینا! معلوم نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے"

یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

پھر بینا جب تک وہاں رہی اشعر سامنے نہیں آئے۔ گھر جانے سے پہلے بینا نے نجمہ آپا

سے پوچھا۔

"اشعر بھائی گھر میں نہیں ہیں؟"

"میں، اپنے کمرے میں ہوں گے"

"نظر نہیں آئے بڑی دیر سے"

"ملنا ہے اُن سے؟"

"ہاں! خدا حافظ کہہ دوں"

نجمہ آپا اسے اشعر کے کمرے کے باہر چھوڑ کر چلی گئیں۔

اشعر بستر پر لیٹے ہوئے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ دستک کی آواز سن کر اُٹھ بیٹھے۔

"آؤ مینا!"

وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولے۔

مینا ان کے قریب چلی آئی۔

"بیٹھو۔"

"میں گھر جا رہی ہوں"

"اچھا! اب کب آؤ گی؟"

"معلوم نہیں۔"

"اگر تمہارا دل نہیں چاہتا تو مت آیا کرو مینا!"

اور مینا جو بہت دیر سے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اشعر کے ...

ہمت ہار بیٹھی۔

اس نے بڑی کوشش کی۔

اس نے بہت چاہا

کہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ چمکنے پائیں۔

لیکن اتنی بہت ساری تکلیف دہ باتوں کے بعد اب یہ ممکن نہیں رہ تھا۔

اشعر جو کتاب پہ نگاہیں جمائے بیٹھے تھے، مینا کو خاموش پا کر نگاہیں اُٹھائیں۔



...مینا کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو دیکھ کر وہ بے قرار سے ہو گئے۔ کتاب تکیے پہ رکھ کر وہ اُٹھ

...ہوئے۔

"مینا!"

...انہوں نے آہستہ سے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے۔

...مینا نے اپنی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے ڈھیر سارے آنسوؤں کی نمی کو حلق میں اتارنے کی

...کوشش کی۔

...لیکن آنسوؤں کے آگے باندھا ہوا بند آہستگی سے ٹوٹ گیا۔

...آنسو چپ چاپ رخساروں پر پھسلنے لگے۔

...اشعر نے آہستہ سے اس کا سر اپنے شانے پر رکھ لیا۔

..."میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں مینا! تم مجھے اور پریشان مت کرو۔"

...مینا کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے گرم گرم آنسو اشعر کی قمیض میں جذب ہو رہے تھے۔

...انہوں نے مدھم آواز میں کہا۔

..."تم میری باتوں کا برا مت مانا کرو۔"

..."آپ کو ذرا بھی اندازہ نہیں میں خود آپ سے کہیں زیادہ پریشان ہوں۔"

..."شاید تم اس بات کا اندازہ نہ کر سکو کہ میں جب کبھی یہ سوچتا ہوں کہ میں جسے اپنے اس قدر قریب

...پاتا ہوں اسے اپنا نہیں سکتا تو میرا دماغ خراب ہونے لگتا ہے۔"

...مینا الجھی ہوئی سی ... کے سے انداز میں بولی۔

..."آپ کیوں چاہتے ہیں ... مجھے مت چاہا کریئے، مجھ سے نفرت کیجیے۔"

...اس نے ... والہانہ انداز سے کہا۔

..."کیسی باتیں کر رہی ہو مینا! یہ کوئی اپنے بس کی بات ہے؟"

...اور مینا ... بیٹھے سوچتی رہی۔

اشعر نے پیار سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"بس! تم اپنے آپ کو پریشان مت کرو۔ میں تم سے کچھ نہیں کہا کروں گا۔"

مینا نے پوچھا۔

"میں یہاں نہ آیا کروں؟"

"تمہاری مرضی ہے لیکن۔۔۔"

"لیکن؟"

"تم آتی ہو چلی جاتی ہو اور میرے لئے کیا چھوڑ جاتی ہو۔ یہ کبھی سوچا تم نے؟"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اشعر نے پوچھا

"کیسے جاؤ گی؟ کس کے ساتھ جاؤ گی؟"

"گھر سے کوئی لینے آئے گا۔"

"میں چھوڑ آؤں؟"

"نہیں۔ کوئی نہ کوئی آتا ہی ہوگا۔"

مینا اشعر کے کمرے سے نکلی تو نجمہ آپا سے سامنا ہو گیا۔ نجمہ آپا اس کی بھیگی پلکوں کی طرف دیکھیں لیکن بولیں کچھ نہیں۔

اس رات مینا بڑی دیر تک فیصل اور اشعر کے بارے میں سوچتی رہی، بھابھی نے شام ہی کہہ دیا تھا کہ پھوپھی اماں کل پھر جواب لینے آئیں گی۔ تم کل صبح تک مجھے ضرور اپنے فیصلے سے۔۔۔

صبح یونیورسٹی جانے سے پہلے اس نے بھابھی سے کہا۔

"بھابھی! ابو سے کہئے مجھے فیصل کا رشتہ منظور ہے"

اس نے دیکھا بھابھی کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ وہ بڑی بددلی سے یونیورسٹی۔۔۔

دوپہر کو واپسی پر نجمہ آپا کا ٹیلیفون آیا۔



نجمہ آپا نے کہا۔

"مینا! اشعر بھائی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

مینا کا دل دھک سے ہو گیا۔

اگلے ہی لمحے اشعر کی آواز سنائی دی۔

"مینا! تم نے کل کیوں نہیں بتایا؟"

"کیا؟"

"وہی سب کچھ جو تم نے نجمہ کو بتایا تھا۔"

"دل و دماغ پر ایک بوجھ تھا، ان سے کہہ کر اس بوجھ کو ہلکا کر لیا۔"

"مجھ سے کہہ کر اس بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتی تھیں؟"

"آپ سے کہہ کر کیا حاصل ہوتا مجھے؟"

اشعر نے کہا

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں مینا!"

"کیا کریں گے مل کر؟"

مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن۔۔۔۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"ایک بات کہوں مینا؟"

"کہئے۔"

اپنے کمرے میں آکر مینا بڑی دیر تک سوچتی رہی کیا میں نے فیصل کے حق میں فیصلہ کر کے ٹھیک کیا؟

یہ ایک جملہ۔

ایک سوال

اس کے ذہن کے پردوں سے ٹکرا ٹکرا کر اس کے دل کو جھنجھوڑتا رہا۔

مگر دل جیسے ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔

اس ایک سوال کا جواب اسے نہیں ملتا تھا۔

نہ "ہاں"، کی آواز آتی تھی۔

نہ "نہیں"، کی

جانے کس طرف سے آواز آتی:

"مینا! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں"،

اشعر بھائی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

مگر وہ مجھ سے مل کر کیا کہیں گے؟

سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوگا کہ ہم دونوں کے احساسِ درد کی شدت میں کچھ اور اضافہ ہو جائے گا۔

وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔



ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

میں بھی کچھ نہیں کر سکتی۔

ہم دونوں اپنی اپنی جگہ کتنے مجبور ہیں۔

اور کتنے بے بس۔

وقت کی ڈور ہم دونوں میں سے کسی کے ہاتھ میں نہیں۔

اور حالات بھی ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔

انہی مایوس سوچوں میں ڈوبے ہوئے جانے کتنے لمحے گزر گئے۔

اس کی آنکھ لگ گئی۔

سہ پہر کے وقت بھابی کے جگانے پر اس کی آنکھ کھلی۔

چائے پی کر وہ باہر آگئی۔

برآمدے کی لائٹ آن کر کے وہ لان میں آگئی۔

سنبلکھ کے درخت کے نیچے کرسی گھسیٹ کر اس نے قریبی میز پر پڑی کتاب اٹھالی جسے شاید ابو پڑھتے پڑھتے چھوڑ گئے تھے۔ کتاب کے چند اوراق الٹ پلٹ کر اس نے بے دلی سے میز پر رکھ دی۔ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔

تاریکی دبے پاؤں آگے بڑھ رہی تھی۔

آسمان پہ اوائل تاریخوں کا باریک مدھم سا چاند اپنی سمت بڑھتے ہوئے بادل کے ٹکڑے سے گہنا جانے کے خوف سے کچھ اور زرد ہو گیا تھا۔

اس کے قریب ہی شام کا ستارہ چپ چاپ جھلمل جھلمل کئے جا رہا تھا۔

آسمان پر جگہ جگہ ابر سنبلی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تیرتے پھر رہے تھے۔

سورج کو ڈوبے ہوئے بہت زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔

شفق کا خوبصورت رنگ سفید و سرمئی بادلوں میں سما گیا تھا۔

خنک ہواؤں کی رفتار دھیمی تھی۔

جھومتے ہوئے درختوں کا شور۔

دھیرے دھیرے سرسراتے ہوئے پتوں کا شور۔

زمین پر بکھرے ہوئے زرد سوکھے پتوں کی مدہم مدہم سسکیوں کا شور۔

ہر طرف کتنا شور تھا۔

مگر مینا کو پھر بھی اپنے اردگرد گھرے سناٹوں کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو انگلیوں سے سمیٹ کر پیچھے کیا اور اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔

اپنے کپڑوں پر نظر پڑتے ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے کپڑے نہ صرف ملگجے ہیں بلکہ یہ

بھی ہیں۔

ادھر کچھ دنوں سے وہ اپنی طرف سے کچھ زیادہ ہی لاپرواہ ہو گئی تھی۔

اس نے سوچا۔

اگر اس وقت کوئی آ جائے تو میرا حلیہ دیکھ کر کیا سوچے گا۔

مگر اس وقت اس میں کپڑے بدلنے کی ہمت نہ تھی نہ اس کا موڈ تھا۔

وہ لان میں جھومتے درختوں کے نیچے ٹہلتی رہی اور اندھیرے چپ چاپ آسمان سے ز

کی طرف اُترتے رہے تبھی فیصل آ گئے۔

گاڑی کی آواز سن کر وہ چلتے چلتے رُک گئی۔

چمپا کی پھیلی ہوئی شاخوں کے نیچے کھڑی وہ فیصل کی طرف دیکھتی رہی۔

فیصل نے گاڑی لاک کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

ان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

مینا ہونٹ دانتوں تلے دبائے کھڑی رہی۔



فیصل اس کے قریب آئے تو چمپا کی شاخوں سے کئی زرد پھول ٹوٹ کر مینا کے قدموں میں

یہ پھول

کچھ مرجھایا ہوا سا۔

کچھ کھلا ہوا سا۔

اس کے بالوں میں اٹک کر نیچے بکھرے ہوئے پھولوں کو تکنے لگا۔

فیصل نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر پھول کو نیچے گرا دیا۔

مینا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

پھول پر نگاہ پڑتے ہی وہ جانے کس سوچ میں ڈوب گئی۔

فیصل نے کہا۔

"مینا!"

"جی۔" مینا نے ان سے نگاہیں نہیں ملائیں۔

"اس وقت تنہا یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"کچھ نہیں"

"گھر میں کوئی نہیں ہے؟"

"بھابی ہیں، ابو ہیں، کرن ہے"

فیصل چند سیکنڈ اس کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔

"بھابی کا پھر کیا ارادہ ہے"

"کیسا ارادہ؟"

مینا نے کچھ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"اندر چلنے کا ارادہ ہے یا یہیں بیٹھو گی"

"جیسے آپ کی مرضی"

"اچھا اتنی تابعداری" فیصل مسکرا ئے۔

بینا ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔

پھر فیصل ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

بینا نے کنکھیوں سے ان کی طرف دیکھا۔

وہ جانے کس سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

بینا نے کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھیے۔"

"تم بیٹھو، میں دوسری کرسی لے لیتا ہوں۔"

وہ قدرے فاصلے پر پڑی ہوئی کرسی اٹھا کر لے آئے۔

"ہوں اب بتاؤ کیا بات ہے؟" کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں"

"پھر تم اتنی اُلجھی اُلجھی سی کیوں لگ رہی ہو"

"نہیں، ایسی تو بات کوئی نہیں"

"کچھ چُپ چُپ بھی ہو"

بینا کے جواب دینے سے پہلے ہی فیصل نے کہا۔

"کہہ دو، یہ بھی غلط ہے"

"ہاں، یہ بھی غلط ہے"

"پھر صحیح کیا ہے۔؟"

بینا خاموش رہی۔



...نے کہا۔

...بات پوچھوں"

...پوچھیے۔"

...نے جواب دینے میں اتنے دن کیوں لگا دیئے"

...نے ایک لمحے کے لیئے فیصل کی طرف دیکھا اور بڑی متانت سے بولی۔

...اہم فیصلہ کرنا تھا"

...اچھا" فیصل مسکرائے۔

...زندگی کا اتنا اہم فیصلہ آسانی سے تو نہیں کیا جا سکتا"

...اتنے سالوں سے مجھے دیکھ رہی ہو، پھر بھی فیصلہ کرنا اس قدر دشوار لگا"

...نے اس انداز سے تو کبھی نہیں سوچا تھا۔ آپ کے لیئے اور نہ کبھی اس نظر سے دیکھا تھا

...اب جب کہ فیصلہ کر ہی چکی ہو تو یہ بھی بتا دو کہ خوش بھی ہو اپنے اس فیصلے پر؟"

...نے الٹا انہی سے سوال کر دیا۔

...بتائیے، آپ کو خوش نظر نہیں آتی؟"

...بتا دوں"؟

...ئیے"

...ہے کہ تم خوش نظر نہیں آتیں"

...کران کی طرف دیکھا۔

...چہرے کا رنگ بدل گیا۔

...دھڑکتے ہوئے دل کو سنبھالا اور بولی۔

"خوشی نظر نہ آنے کی کوئی وجہ تو نظر نہیں آتی"

"ہاں بظاہر نظر نہیں آتی لیکن ....."

فیصل نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

مینا نے کہا۔

"لیکن ....."

"لیکن خوش نہ ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں... میں بہت خوش ہوں"

"خوشی کے اظہار کے لئے الفاظ کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے موقعوں پر
آئینہ ثابت ہوتا ہے۔"

مینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

اس نے سر جھکا لیا۔

اور سوچنے لگی۔

فیصل بھائی غلط نہیں کہتے۔

فیصل نے پوچھا۔

"کیوں؟ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

مینا نے ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میرے چہرے سے خوشی کا اظہار نہیں ہو رہا؟"

"اس سوال کا جواب مجھ سے پوچھنے کے بجائے اپنے دل سے پوچھو"

"میرے دل کی بات نہ کیجئے"

"کیوں؟"

"میرا دل میری بہت سی باتوں کا جواب نہیں دیتا۔"



"ایسا نہیں.... کچھ تو کہتا ہوگا۔"

"نہیں، کچھ بھی نہیں، بس خاموشی ہوتی ہے اور سناٹا۔"

"مثلاً کس کس بات کا جواب نہیں دیا تمہارے دل نے۔"

"چھوڑیئے کیا رکھا ہے ان باتوں میں"

مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

فیصل گھاس پر بکھرے ہوئے سوکھے پتوں پر نگاہیں جمائے سوچوں میں ڈوب گئے۔

تاریکی کی بانہیں لمحہ بہ لمحہ ان کی سمت بڑھ رہی تھیں۔

ہواؤں میں تیزی اور خنکی آگئی تھی۔

مینا کو سردی کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے فیصل سے کہا۔

"آیئے اندر چل کر بیٹھیں"

"ہوں" فیصل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کیا سوچ رہے تھے؟"

"بتاؤں؟"

"ہاں"

"بتایئے"

"سنو"

"برا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں"

"میں سوچ رہا تھا کہ شاید تم نے کسی دباؤ میں آکر یہ فیصلہ کیا ہے"

"کس کے دباؤ میں؟"

"یہ تو تم ہی بہتر جانتی ہو گی؟"

"نہیں مجھ پر کسی فرد کا دباؤ نہیں"

"تو پھر اقرار میں جواب دینے کے بعد تمہارے اوپر اتنی بیزاری کیوں طاری ہے؟"

"ہاں۔ اپنی اس کیفیت کو محسوس تو میں بھی کرتی ہوں۔ لیکن وجہ شاید مجھے خود بھی نہیں معلوم"

فیصل کھڑے ہو گئے۔

مینا نے پوچھا۔

"اندر چلیں گے"

"نہیں، میں اب گھر جاؤں گا۔"

مینا نے دیکھا۔

ان کا سنجیدہ چہرہ جھکا ہوا تھا۔

برآمدے میں جلتے ہوئے بلب کی روشنی بادام کے گھنے پتوں سے چھن چھن کر ان کے چہرے پر پڑ رہی تھی، دھیرے دھیرے سرسراتے ہوئے پتوں کا عکس ان کے کپڑوں پہ پڑ رہا تھا۔

مینا نے پوچھا۔

"ناراض ہو کر جا رہے ہیں؟"

"ارے نہیں مینا بیگم!!" وہ ایک دم مسکرا دیئے۔

مینا کو محسوس ہوا۔

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے۔

لیکن جانے کیا سوچ کر رک گئے تھے۔

وہ دو قدم آگے بڑھ کر ان کے قریب کھڑی ہو گئی۔



وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا کہنا چاہتے تھے آپ؟"

"کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں"

"آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ مجھے اچھی طرح سمجھتے ہیں؟"

"ہاں! میرا یہ دعویٰ کچھ غلط بھی نہیں"

"تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ میں بھی اگر بہت زیادہ نہیں تو کافی حد تک آپ کو سمجھتی ہوں"

"اچھا!" وہ مسکرائے۔

لیکن مینا نے محسوس کیا کہ ان کی مسکراہٹ پھیکی تھی۔

مینا نے کہا۔

"اچھا تو پھر بتلا دیجئے کیا کہنے والے تھے"

"تمہیں اس قدر اصرار کیوں ہے۔"

"اور آپ کو بتانے سے انکار کیوں ہے؟"

"مجھے انکار تو نہیں"

"تو پھر بتایئے"

فیصل نے کرسی کی پشت پہ دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"مینا!"

"جی"

"دراصل بات یہ ہے کہ میں کسی بھی معاملے میں زبردستی کا قائل نہیں"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی" مینا انجان بن گئی۔

"میرا مطلب! کسی کو پسند کرنے اور چاہنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم اس کی مرضی اور خواہش پر مسلط ہو جائیں"

بینا کچھ نہ بول سکی۔

فیصل نے کہا۔

"کم از کم میرے نزدیک یہ بہت گری ہوئی حرکت ہے۔"

بینا چاندنی کے اُجلے سفید پھولوں پہ نگاہیں جمائے خاموش کھڑی رہی۔

فیصل نے کہا۔

"میں اگر تمہارے لئے قابلِ قبول نہیں ہوں تو تم انکار کر دو بینا"

لیکن اپنے اوپر جبر مت کرو۔"

بینا نے ایک لمحے کے لئے فیصل کی طرف دیکھا۔

فیصل اس کے چہرے کی بدلتی رنگت سے بے خبر کہتے رہے۔

"لڑکیوں میں اتنی ہمت ہونی ہی چاہیئے کہ جسے وہ پسند کریں اسی سے شادی کریں"

"ہر لڑکی اتنی باہمت نہیں ہو سکتی"

"کیوں نہیں ہو سکتی، یہ کوئی جرم نہیں ہے"

بینا نے سوچا

بہت سی باتیں زبان سے کہہ دینا کس قدر آسان ہوتا ہے۔

فیصل نے اس کی سوچوں سے انجان ہو کر کہا۔

"تم اب بھی آزاد ہو بینا! تم وہی فیصلہ کرو جس پہ تمہارا دل اور دماغ مطمئن ہو"

بینا نے سوچا....

آپ نہیں سمجھ سکیں گے فیصل بھائی! اپنے دل و دماغ کو مطمئن کرنے کے لئے بس

لوگوں کے سینوں پہ دُکھ کی صلیبیں لٹکانی پڑیں گی۔

فیصل اندر نہیں آئے۔



پھر سے ہی رخصت ہو گئے۔

بینا لان کے نیم تاریک حصے میں کھڑی انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

دوسرے روز اشعر نے پھر سے ٹیلیفون کیا۔

"بینا! تم نہیں آؤ گی؟"

بینا ان کی آواز سن کر ریسیور تھامے خاموش کھڑی رہی۔

اشعر نے کہا۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں بینا!"

ان کی بے تابی

ان کی بیقراری۔

اور ان کی بے چینی ان کی آواز سے نمایاں تھی۔

مگر بینا جانتی تھی۔

ملاقاتوں کے یہ عارضی سہارے اشعر کو ان کی منزل تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔

وہ ان سے ملے گی تو ان کی بے تابیاں، ان کی بیقراریاں اور ان کی بے چینیاں کچھ اور بڑھ جائیں گی۔

شعلوں کو ہوا دینے سے کیا فائدہ؟

جلتے صحراؤں میں انگارے بچھانے سے کیا حاصل؟

اس نے ریسیور رکھنا چاہا تو اشعر کی آواز پھر سنائی دی۔

"خاموش کیوں ہو بینا؟ اگر نہیں ملنا چاہتیں تو منع کر دو، انکار کر دو"

بینا نے کہا۔

"میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے"

پھر اشعر نے کچھ نہیں کہا۔

بینا کو بڑی زور سے ریسیور کریڈل پہ رکھنے کی آواز آئی۔ شاید اشعر اس کی بات …
گئے تھے۔

وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

دریچے میں جھکی دیر تک وہ سوچتی رہی۔

بڑی بے ربط سی باتیں تھیں۔

اور بڑی مایوس سوچیں تھیں۔

لیکن بہت سی مایوس سوچوں کے بعد بھی اس نے اشعر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

کپڑے بدل کر وہ ابو کے کمرے میں آئی۔ وہ سو رہے تھے۔ پھر وہ بڑے بھیا کے کمرے … بڑھ گئی اندر سے بھیا اور بھابی کی باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی اس نے دروازے پر دستک … جواب دینے کے بجائے بڑے بھیا اُٹھ کر دروازے پر آ گئے۔ بینا پر نظر پڑتے ہی انہوں نے پوچھا۔

"بینا تم؟ کیا بات ہے۔"

"جی بھیا: سوری، آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا"

"ارے نہیں بھئی، ہم لوگ تو جاگ ہی رہے تھے"

"ابو تو سو رہے ہیں اس لئے میں نے سوچا کہ آپ لوگوں سے پوچھ لوں"

"خیریت، کہاں جانے کی تیاری ہے"

"جی، وہ میں خالہ امی کے گھر جا رہی ہوں"

"اس وقت!" بڑے بھیا نے کچھ حیران ہو کر گھڑی پہ نگاہ ڈالی۔

"بس دل گھبرا رہا تھا، اب یہ کو ٹیلیفون کیا وہ گھر میں نہیں ہے اس لئے میں نے … مل آتی ہوں"

اندر سے بھابی نے کہا۔



"… دیجئے نا! اکیلی بور ہو رہی ہو گی"

بڑے بھیا نے کہا۔

"… جانے سے روکا تو نہیں، میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت عام طور پہ سب آرام کرتے ہیں"

… نے کہا۔

"… کی بات ہے کسی غیر کے یہاں تو نہیں جا رہی جو وقت کا خیال رکھا جائے"

بڑے بھیا نے کہا۔

"اچھا جاؤ"

بینا نے محسوس کیا۔ بڑے بھیا جانے کیوں بڑی گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کا جائزہ … رہے تھے۔

بینا نے کال بیل بجائی تو دروازے پہ اشعر آئے۔

بینا کی آمد خلافِ توقع تھی۔

وہ حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

خوشی اور بے یقینی کا ایک عجیب امتزاج تھا ان کی نگاہوں میں۔

کئی لمحے گزر گئے۔

وہ کچھ بول ہی نہ سکے۔

پلکیں جھپکائے بغیر بینا کی طرف دیکھتے رہے۔

پھر ان کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی۔

"… تم!"

بینا نے کہا۔

"… لیکن آپ مجھے اندر بھی آنے دیں گے یا پھر میں واپس چلی جاؤں؟"

… کو احساس ہوا۔

وہ کس طرح مینا کا راستہ روکے کھڑے تھے۔

انہوں نے ایک طرف ہٹ کر مینا کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

مینا نے پوچھا۔

"سب لوگ سو رہے ہیں؟"

"ہاں اٹھا دوں نجمہ کو؟"

"نہیں سونے دیجئے"

"پھر امی کو اٹھا دوں؟"

مینا نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور بڑی متانت سے بولی۔

"آپ مجھ سے ملنا چاہتے تھے نا! میں آپ سے ملنے آئی ہوں"

اشعر کے بڑھتے قدم رک گئے۔

وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتے رہے۔

مینا نے کہا۔

"کہئے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"

اشعر نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہاں بیچ راستے میں"

"موزوں جگہ کا انتخاب آپ کر لیجئے۔"

اشعر نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو مینا؟"

"آپ اگر بلا کسی بات کے غصے میں آ کر ریسیور پٹخ سکتے ہیں تو مجھے کم از کم

کرنے کا حق تو دے دیجئے"



لہجے میں بات کرنے کا فیصلہ کر کے آئی ہو تو بے شک اسی وقت واپس چلی جاؤ" اشعر

نیں پڑ گئیں۔

نے تیکھے انداز سے ان کی طرف دیکھا۔

"سب کچھ سنے بغیر جو آپ مجھ سے کہنا چاہتے تھے؟"

اشعر نے کچھ نہیں کہا... چپ چاپ اپنے کمرے میں چلے گئے مینا کچھ دیر قریبی صوفے

ٹیک لگائے سوچوں میں ڈوبی کھڑی رہی۔ پھر اشعر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کے پردے دونوں اطراف میں سمٹے ہوئے تھے اور لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں

اشعر اسے کوریڈور کے آخری سرے سے ہی نظر آ گئے۔

مینا نے دروازے کے باہر ہی رک کر پوچھا۔

"میں اندر آ جاؤں؟"

اشعر نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ؤ"

مینا اندر آ گئی تو اشعر کو خیال نہ رہا کہ اس سے بیٹھنے کے لئے کہہ دیتے۔ وہ کمرے کے وسط میں

کھڑی تھی اور اشعر کھڑکی کی پشت سے سر ٹکائے مجسم شوق بنے اسے دیکھ رہے تھے۔

نگاہوں کی گرمی مینا کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

کے بعد ایک بڑی خاموشی سے گزر رہے تھے۔

کی سے باہر ہواؤں کی زد میں آ کر بکھرتے ہوئے سوکھے زرد پتوں کا شور کبھی مدھم ہو جاتا

دھوپ کھڑکی کی راہ سے کمرے میں آ رہی تھی۔

نے سر اٹھا کر دیکھا۔

کے بال دھوپ میں چمک رہے تھے اور کانوں کی لویں سرخ ہو رہی تھیں۔ ان کا سفید

مزاق کرتا دھوپ میں کچھ اور زیادہ سفید نظر آرہا تھا۔

مینا نے سوچا۔

میں نے اشعر بھائی کو بارہا دیکھا ہے لیکن آج جیسے تو یہ مجھے کبھی بھی نہیں لگے۔

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

ارے اشعر بھائی! آپ میں کس بات کی کمی ہے۔ جانے کتنی لڑکیاں آپ کی راہوں میں بچھاتی ہوں گی۔ اور آپ کی نگاہ انتخاب پڑی بھی تو کس پر۔۔۔۔ اس پہ جسے چاہ کر آپ پچھتاووں کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

یہ آپ کیا کر بیٹھے ہیں اشعر بھائی؟

یہ کیسی حماقت کر بیٹھے ہیں؟

زندگی اتنی بے وقعت۔

اور اتنی ارزاں شے تو نہیں جسے ایک سائے کا تعاقب کرتے ہوئے گزار دیا جائے۔

جسے ایک سراب کے پیچھے بھاگتے ہوئے گنوا دیا جائے۔

اشعر کے چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے مینا گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اشعر نے اسے چونکا دیا۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مینا؟"

مینا چونک گئی۔

"جی کچھ نہیں۔"

"کیا سوچ رہی تھیں؟"

"میں سوچ رہی تھی کہ اتنی بڑی دنیا میں آپ کو کوئی اور لڑکی نظر نہیں آئی"

"مجھے تو جو لڑکی نظر آئی تھی آ چکی تم اپنی بات کرو۔"



...ت"

...ں"

...؟"

...نے اس دن فون پر کہا تھا کہ تم نے بھابی کو اثبات میں جواب دے دیا ہے،،

...؟

...ے فیصلے میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں؟"

...ہیں"

...اپنے فیصلے پر مطمئن اور خوش ہو؟"

...ں"

...ب! تو گویا تم فیصل کو پسند کرتی ہو۔"

...مینا خاموش رہی۔

...اب نہیں دیا میری بات کا،، اشعر نے کہا۔

...ہے آپ ہی سچ کہتے ہوں،،

...تمہاری زبان سے حقیقت کا اعتراف کروانا چاہتا ہوں۔،،

...حقیقت کا اعتراف،،

...ں"

...حاصل ہوگا آپ کو؟،،

...خاموش رہے۔

...گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

...

...نہیں تو پھر تمہارے چہرے پر کوئی خوشی، کوئی مسرت کیوں نہیں نظر آتی"

بینا نے کہا

"آپ کس چکر میں پڑ گئے ہیں؟"

"کسی چکر میں نہیں"

"تو پھر بتایئے، آپ نے کیا کہنے کے لئے مجھے بلایا ہے؟"

اشعر نے کہا۔

"حالات کے سامنے اس طرح ہتھیار تو نہیں ڈال دیئے جاتے"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا؟"

"وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ تمہیں آنے والے وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔"

"آپ کے کہنے پر میں وقت کا انتظار تو کر لوں لیکن میں جانتی ہوں میری سرخروں کا ا
یہی رہے گا"

"کیوں"

"میں اپنے ابو اور بھائیوں کو اب مزید کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی"

"اس سے پہلے تم نے ان لوگوں کو کونسا دکھ دیا ہے؟"

"ان لوگوں سے چھپ کر امی سے ملتی رہی"

"اپنی امی سے ملنا تمہارا حق ہے ان سے مل کر تم نے نہ کوئی جرم کیا ہے نہ

بینا نے سوچا۔

اس موضوع پر بات کر کے سوائے تکرار کے اور کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

اشعر نے کہا۔

"دیکھو بینا! اگر تم فیصل کو پسند کرتی ہو تو پھر یقیناً تمہارا فیصلہ مناسب
دل میں فیصل کے لئے اس قسم کے جذبات نہیں ہیں تو پھر نہ صرف تم اپنے
فیصل کے ساتھ بھی ظلم کرو گی"



بنا خاموش رہی۔

س طرح بد دیانتی سے زندگی بسر کرنے کا کیا فائدہ؟"

بینا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک شخص زندگی بھر یہ فریب کھاتا رہے کہ تم اسے

و جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہو"

بینا نے کہا۔

"آپ یہ کیسے سمجھ بیٹھے کہ حقیقت اس کے برعکس ہو گی؟"

"تو پھر میری اس بات کا جواب اثبات میں کیوں نہیں دیتیں کہ تم فیصل کو پسند کرتی ہو"

الفاظ کا سہارا لینا ضروری نہیں لیکن خوشی اور مسرت کی کوئی کرن ۔۔۔ کوئی چھوٹی سی

نظر آنی چاہیئے تمہارے چہرے پر۔"

بنا ان کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔

اشعر نے کہا۔

لڑکیاں اگر کسی کو پسند کرتی ہیں تو اس کے ذکر پر ان کا چہرہ اس طرح سپاٹ نظر

آیا کرتا"

بینا نے ایک نگاہ اشعر پر ڈالی اور اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔

چند لمحے گزر گئے۔

باہر بکھرے سوکھے پتوں اور مرجھاتے ہوئے پھولوں پر نگاہیں جمائے

مگن رہی۔

کے جملے کی بازگشت اسے مسلسل سنائی دیتی رہی۔

کر اس کے قریب آ گئے۔

"مینا" انہوں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔

مینا نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

اشعر نے کہا۔

"میں مرد ہوں، بہت کچھ سہہ جاؤں گا لیکن شاید تم یہ سب کچھ برداشت نہ کر پاؤ۔ ظلم مت کرو اپنے اوپر۔"

"کیسا ظلم؟" مینا نے انجان بن کر پوچھا۔

"میں جانتا ہوں تم خوش نہیں رہ سکو گی۔"

"خوشی اور غم قسمت سے ملتے ہیں۔"

"اپنی قسمت کو بنانے اور بگاڑنے میں ہم لوگوں کا بھی ہاتھ ہوتا ہے۔"

مینا بے حد جھنجھلا کر بولی۔

"آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟"

"ادھر دیکھو۔"

مینا کی پلکیں جھکی رہیں۔

"میری طرف دیکھو مینا!"

"جی، کہیئے" مینا کی جھکی پلکیں اٹھیں۔

"فیصل تمہیں بہت عزیز سہی لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہیں فیصل سے محبت نہیں ہے۔"

مینا کی پلکیں کانپ گئیں۔

اشعر نے کہا۔

"سچ کہو مینا! حقیقت یہ نہیں ہے؟"

مینا انہی سے سوال کر بیٹھی۔

"میں فیصل کو نہیں چاہتی تو پھر کسے چاہتی ہوں؟"



اشعر نے کہا۔

"مجھے کرنے کے بجائے تم خود اپنے دل سے کرو۔"

مینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔

مینا نے بڑی بے بسی سے اشعر کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں ایک فیصلہ کر چکی ہوں، آپ اب مجھے الجھائیے مت۔"

اشعر نے شکست خوردہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پلٹ کر اپنے بستر کے قریب

تکیے کے نیچے سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھاتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک ہے مینا! تم جا سکتی ہو۔"

مینا نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

اشعر نے کہا۔

اب مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا۔

مینا چپ چاپ نجمہ آپا کے کمرے میں چلی آئی۔

---

شام کو جب وہ گھر واپس جانے کے ارادے سے اُٹھی ہی تھی کہ اس کی امی آگئیں۔ ان کے
ساتھ عاصم بھی تھا۔ بینا تو اب ان سے ملنے کا خیال ہی دل سے نکال بیٹھی تھی۔
جمیلہ بیگم سے یوں اچانک ملاقات ہو جائے گی یہ خیال تو اسے آیا ہی نہیں تھا۔
وہ اپنی نگاہوں میں خوشی اور حیرت کا امتزاج لئے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔
جمیلہ بیگم کی نگاہ اس پر پڑی۔ وہ بے تابانہ اس کی طرف بڑھیں اور سینے سے لگا لیا۔
انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"بینا! اتنے دنوں میں تمہیں ایک دفعہ بھی اپنی ماں کی یاد نہیں آئی؟"

بینا نے سوچا ـــ

ہر شخص کو اپنے جذبات کی شدت کا احساس ہے۔
دوسرے کے دل کی گہرائیوں میں درد کے کتنے گہرے سمندر ہیں یہ جاننے کی کوشش
نہیں کرتا۔

اس نے جمیلہ بیگم سے کچھ نہیں کہا، ان کے شانے پر سر رکھے خاموش کھڑی رہی۔
پھر جمیلہ بیگم نے اسے اپنے قریب ہی صوفے پر بٹھا لیا۔ اشعر اس کے سامنے
کوئی میگزین دیکھ رہے تھے لیکن بینا کو اندازہ تھا کہ ان کے دل کی کیا کیفیت ہے۔

جمیلہ بیگم نے کہا ـــ

"عاصم نے بتایا تھا کہ اب تم مجھ سے ملنے نہیں آیا کرو گی۔"



بینا خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے پھر کہا۔

"فرقان نے تمہیں میرے ساتھ کھڑے دیکھ لیا تھا۔"

بینا نے کہا

"جی۔"

"کیا ان لوگوں نے تمہیں مجھ سے ملنے سے منع کر دیا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

بینا خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے پھر کہا۔

"منع نہیں کیا تھا تو پھر کیوں نہیں آئیں؟"

"میں نے مناسب نہیں سمجھا۔"

"مجھ سے ملنے میں نامناسب بات کون سی ہے؟ میں تمہاری ماں ہوں۔"

بینا کا دل چاہا ان سے کہہ دے ـــ

"ماں تو اس وقت بھی تھیں۔ جب آپ نے ایک مرد کی خاطر مجھے چھوڑ دیا تھا۔
اس وقت آپ کا احساس کہاں جا سویا تھا۔"
لیکن بینا یہ سب صرف سوچ ہی سکی تھی۔
ان سے کچھ نہ کہہ سکی۔
دیر تک ان لوگوں کے ساتھ بیٹھی رہی لیکن باتیں زیادہ تر عاصم سے ہی کرتی رہی۔
جب وہ جانے کے لئے اُٹھی تو جمیلہ بیگم نے کہا ـــ

"تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ مینا! مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی امّی"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"کوئی دیر نہیں ہوگی۔ عاصم تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

مینا نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

جمیلہ بیگم نے اس کی حیرت زدہ نگاہوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب جب کہ سب کو پتہ چل ہی چکا ہے کہ تم مجھ سے ملتی رہی ہو تو نہ تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت ہے نہ مجھے"

مینا نے پریشان ہو کر قریب ہی بیٹھی اپنی خالہ کی طرف دیکھا۔

انہوں نے مینا کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو جمیلہ! میں تمہیں کوئی ایسا قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گی جس کی وجہ سے مینا کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"مینا میری بیٹی ہے آپا! اس پر میرا بھی حق ہے"

"حق کی بات تو تم جانے ہی دو۔" خالہ امّی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"تم نجمہ کے کمرے میں چلو مینا! میں ابھی آتی ہوں۔"

مینا نے دیکھا۔

اشعر صوفے کی پشت سے سر ٹکائے بڑی خاموشی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہے تھے۔ پھر ایک سرسری نگاہ ڈال کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی۔ نجمہ آپا کے کمرے میں جانے سے پہلے... میں چلی آئی۔ نجمہ آپا چائے کا پانی چولہے پر چڑھائے پیالیاں صاف کر کے ٹرالی میں رکھ ...

...قدموں کی آہٹ پر انہوں نے پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگیں۔

"...مینا! تم"

...چاپ ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ نجمہ آپا نے قریب رکھی کرسی اس کے قریب کھسکا...

...کرسی کھسکا کر بیٹھی ہی تھی کہ جمیلہ بیگم آ گئیں۔ مینا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

نجمہ آپا نے سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"...بیٹھو مینا! میں دوسری کرسی لے لوں گی۔"

نجمہ آپا نے دوسری کرسی جمیلہ بیگم کے قریب کر دی۔

جمیلہ بیگم نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ فیصل کا رشتہ آیا ہے تمہارے لئے"

...مینا نے ان کی طرف دیکھے بغیر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"...پھر تم نے کیا سوچا؟"

...مینا نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"...مطلب ہے تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟"

...خاموش رہی۔

"...بتایا نہیں تم نے تمہاری کیا مرضی ہے؟" جمیلہ بیگم نے کہا۔

"...بھائیوں کی جو مرضی ہوگی وہی...."

...بیگم نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"...تعلیم یافتہ اور سمجھدار لڑکی ہو مینا! اپنا اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے تم میں۔"

مینا خاموش رہی۔

نجمہ آپا اس دوران چائے کی ٹرالی لے کر باورچی خانے سے جا چکی تھیں۔

جمیلہ بیگم نے کہا ——

"اگر فیصل تمہارے لئے قابلِ قبول نہیں تو تم انکار کر دو۔"

مینا نے کہا ——

"آپ نے تو خیر بہت عرصے سے فیصل بھائی کو نہیں دیکھا لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ ان میں کوئی [illegible] نہیں ہے۔"

جمیلہ بیگم نے فوراً کہا۔

"اشعر میں کیا بُرائی ہے؟"

مینا نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ——

جمیلہ بیگم نے پھر کہا۔

"اشعر فیصل سے کس بات میں کم ہے؟ صورت شکل میں؟ تعلیم میں؟ روپے پیسے میں؟"

مینا نے کہا ——

"امی! آپ ایک دوسرے کا موازنہ نہ کریں۔ میں تو بس ایک بات جانتی ہوں۔"

جمیلہ بیگم نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مینا نے بڑی نرمی سے کہا

"میں اپنے ابو اور بھائیوں کے لئے کسی قسم کی پریشانی اور اُلجھن نہیں پیدا کرنا چاہتی۔"

"اس میں پریشانی پیدا کرنے والی کون سی بات ہے؟"

"ان سب لوگوں کی خواہش ہے کہ میں فیصل بھائی سے شادی کر لوں۔"

"ٹھیک ہے، یہ ان لوگوں کی خواہش ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ تم اشعر سے شادی کر لو [illegible]"

"امی!" مینا نے پریشان نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں مینا! تم چاہے مجھے خود غرض ہی کہو لیکن ....."



[illegible] ملنے کے لئے رکیں۔

[illegible] نے تمہیں اپنے آپ سے جدا کر کے برسوں ذہنی اذیت برداشت کی ہے اب ... اب میں [illegible] تو پھر مجھ سے جدا ہو جاؤ۔"

[illegible] چہرہ لئے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ جمیلہ بیگم نے کہا۔

[illegible] سے تمہاری شادی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے بالکل نہیں مل سکوں گی، تمہیں [illegible] سکوں گی۔"

[illegible] نے کہا۔

[illegible] کو علم نہیں امی! فیصل کا ظرف بہت وسیع ہے۔ وہ مجھے آپ سے ملنے سے کبھی نہیں [illegible]ے۔"

[illegible] بیگم نے کہا ——

"شادی ہو جانے کے بعد فیصل اپنی ماں کے دماغ سے سوچے گا اپنے دماغ سے نہیں۔"

"نہیں امی! آپ نہیں جانتیں جب میں پہلے پہل آپ سے ملنے آئی تھی، واپسی میں فیصل بھائی [illegible] کے ساتھ دیکھ لیا تھا، لیکن انہوں نے کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے تو مجھ سے [illegible] ابو اور بڑے بھیا سے بات کر کے مجھے آپ سے ملنے کی اجازت دلوا دیں گے۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"تمہاری یہ سب باتیں بالکل درست سہی لیکن تم یہ بات بھی سمجھ لو کہ شادی ہو جانے کے بعد [illegible] کی مرضی کی بھی تابع ہو گی۔ اس وقت فیصل بھی کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"[illegible] نہیں ہے کہ آپ کا یہ سوچنا درست ہو۔"

"[illegible] مینا! میں تو یہ جانتی ہوں کہ اشعر سے شادی ہونے کی صورت میں مجھے اس قسم کے خدشات [illegible] پڑے گا۔"

[illegible] خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"اشعر میں اگر کسی بات کی کمی ہوتی تو میں تمہیں مجبور نہ کرتی لیکن اشعر ہر لحاظ سے بہتر ہے اور پھر ..."

انہوں نے ایک سیکنڈ کے لئے رک کر مینا کی طرف دیکھا۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ اشعر تمہیں بے پناہ چاہتا ہے۔"

مینا کا دل چاہا — کہہ دے —

فیصل بھائی بھی مجھے بہت چاہتے ہیں۔

لیکن وہ خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"بولو، پھر تم کیا کہتی ہو؟"

مینا نے کہا۔

"امی! یہ سب کچھ بعد از وقت ہے، میں اثبات میں جواب دے چکی ہوں۔"

"ابھی منگنی تو نہیں ہوئی۔ تم انکار کر دو۔"

"اپنے ابو کا دل توڑ دوں؟"

مینا بے ساختہ کہہ بیٹھی۔

"تمہاری اپنی کوئی خواہش، کوئی جذبات نہیں؟"

"میں اپنے بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی۔"

"تو پھر اشعر کے جذبات کا ہی پاس کر و۔"

مینا نے سوچا —

اگر وہ اپنے ابو اور بھائیوں کی ذات سے ہٹ کر بھی سوچے تب بھی فیصل بھائی ...



... وہ بھی تو اسے کچھ کم نہیں چاہتے۔

... بیگم نے کہا —

"... سوچنے لگیں؟"

... نے بے بسی سے کہا —

"... آپ مجھے کسی الجھن، کسی آزمائش میں نہ ڈالیے۔ جو کچھ میں کہہ چکی ہوں بس وہی ٹھیک ہے۔"

... بیگم نے کہا —

"... چاہیں تمہارے اوپر اپنی مرضی مسلط نہیں کرتی لیکن تم خود فیصلہ کر و کہ تم اشعر اور فیصل میں ... زیادہ پسند کرتی ہو"

... نے کہا —

"... اپنی پسند کو درمیان میں ہرگز نہیں لاؤں گی۔ جسے ابو پسند کرتے ہیں وہی میرے لئے ... ہے۔"

"... کا مطلب ہے کہ تم اپنے ابو کی خاطر اشعر کو ٹھکرا رہی ہو۔"

"... کسی کو ٹھکرانے والی کون ہوتی ہوں۔"

... بیگم نے کہا —

"... مجھے یہ بتاؤ تم اشعر کو زیادہ پسند کرتی ہو یا فیصل کو؟"

... نے کہا —

"... لئے دونوں برابر ہیں۔"

... بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"... ہوگا تم اپنے ابو کی محبت کے حصار سے نکل کر اس موضوع پر ٹھنڈے دل و دماغ سے ..."

... خاموش رہی —

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"بلکہ میں سوچ رہی ہوں کہ میں خود کسی دن آکر اس موضوع پر ان لوگوں سے بات کروں۔"

مینا نے پوچھا۔

"کس سے؟ ابّو سے؟"

"ہاں۔" جمیلہ بیگم نے اطمینان سے کہا۔

مینا کچھ حیران کچھ پریشان سی ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

---



جمیلہ بیگم سے یہ اچانک ملاقات مینا کے لئے اگرچہ ایک طرف خوشی کا باعث تھی تو دوسری طرف ان کی وجہ سے وہ پریشان بھی ہوگئی تھی۔ وہ اشعر سے ملنے گئی تھی تب بھی اس کے دل و دماغ پر بوجھ تھا واپس آئی تو اس بوجھ میں کچھ اور اضافہ ہوگیا تھا۔ جمیلہ بیگم نے تو بڑے سکون اور اطمینان سے کہا تھا میں خود کسی دن آکر اس موضوع پر تمہارے ابّو سے بات کروں گی۔ لیکن اس کے آگے ہونے والا تھا اسے سوچ سوچ کر مینا پریشان ہوئی جارہی تھی۔

رات کے کھانے پر جب اسے بلایا گیا تو پہلے تو اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کرکے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب بڑے بھیا اور بھابی خود آکر اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تو بد دلی سے تھوڑے سے چاول اپنی پلیٹ میں نکال کر بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت اتنی پریشان تھی کہ دیر تک یہی فیصلہ نہ کر سکی کہ چاولوں پر دال ڈالے یا کوئی سالن ڈالے۔ بھابی نے سالن کا ڈونگا اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونک گئی۔ بھابی بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

بولیں۔

"کیا بات ہے مینا؟ کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے سالن کا ڈونگا ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔"

بھابی نے پوچھا

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟"

"جی! بالکل ٹھیک ہے"

"پھر کیا بات ہے مجھے بھی تم کچھ چُپ چُپ نظر آ رہی ہو"

"نہیں تو بڑے بھیا۔" مینا نے ہنس کر ٹال دیا۔

اپنی پلیٹ میں نکالے ہوئے چاول اس نے بمشکل تمام ختم کیے اور اُٹھ کر بستر
آ گئی۔ نہ اس کا ذہن ٹھیک تھا نہ ہی اس کا دل چاہ رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے کورس
بیٹھی رہی اور کافی دیر تک پڑھتی رہی۔ ایک لفظ بھی پلّے نہ پڑا۔ اس نے سوچا چلو
نوٹس ہی بنا لیتی ہوں۔ وقت کا زیاں ہونے سے تو بچے گا۔ نوٹس بنانا اسے نسبتاً آسان
معلوم نہیں کب تک وہ اپنے کام میں مصروف رہی جب اس نے سر اٹھایا تو کافی رات ہو
وہ راہداری میں نکل آئی سب کے کمروں کی بتیاں بجھ چکی تھیں۔ اس نے سوچا... کمرے
گزر گیا احساس ہی نہیں ہوا۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ سوچتی رہی اب کیا کروں؟ نیند
تک پتہ نہیں تھا۔ فرصت کے لمحات ملے، ذہن خالی ہوا تو پھر ایک بار پریشان خیالات
نے اسے گھیر لیا کمرے میں دو تین بار اِدھر سے اُدھر چکر لگانے کے بعد وہ دریچے میں
ہو گئی۔

گزرتی ہوئی رات کے قدموں کی آہٹیں بڑی مدھم تھیں۔

ستاروں کا روپہلا سنہری غبار زمین پر برستا ہوا معلوم ہو رہا تھا، آسمان پر
ہوئے بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے عقب سے جھانکتا ہوا چاند اپنی
بکھیر رہا تھا۔

ہواؤں میں بڑی تُندی تھی اور درختوں میں بڑی گہری سرگوشیاں

سامنے باؤنڈری وال پہ درختوں کے جھومتے ہوئے سائے عجیب سا تاثر
پھولوں کی البیلی سے مہک ہوا کے نازک شانوں کا سہارا لیے اِدھر سے
تھی اشعر کا خیال ہوا کے نرم و نازک جھونکے کی مانند اس کے ذہن میں آیا، اشعر



کے ذہن کو تھکائے دے رہی تھی۔ وہ اشعر کے خیالوں سے اپنے ذہن کو آزاد
کرتی تو فیصل دبے پاؤں وہاں آ کر کھڑے ہو جاتے اس نے بہت سوچ بچار کر کے
اور جب اس نے اپنے فیصلے سے گھر والوں کو بھی آگاہ کر دیا تو جمیلہ بیگم نے
کو الجھا دیا اس بات کا اندازہ تو اسے بہت پہلے ہو چکا تھا کہ جمیلہ بیگم اس کے
کی خواہشمند ہیں لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں کبھی نہیں آئی تھی کہ وہ
پر اُتر آئیں گی۔ معلوم نہیں، اب حالات کونسی صورت اختیار کریں گے۔ یہ
وہ بستر پہ آ گئی اور آنکھیں بند کر کے سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔
روز اسی پریشانی میں گزر گئے مینا یونیورسٹی جاتی تو وہاں اس کا دل نہ لگتا لیکچر
اس کے پلّے نہ پڑتا گھر آتی تب بھی پریشان خیالات اس کا پیچھا نہ چھوڑتے
کا ذکر کسی سے بھی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن آسیہ یہ کیسے ممکن تھا۔ اسے
اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیتی وہ اس بُری طرح مینا کے پیچھے پڑی کہ اسے
پڑی، آسیہ نے سب کچھ سُنا تو بڑی سنجیدگی سے، لیکن جب مینا کی بات ختم
لگا کر ہنس پڑی۔

حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی دیکھا اور بولی۔

کی کون سی بات ہے؟"

بتاؤ کہ اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کونسی بات ہے؟"

کوئی بات نہیں"

بغیر اس کی طرف دیکھتی رہی۔

نے ٹھیک ہی تو مشورہ دیا ہے۔"

"کون سا مشورہ"

"یہی کہ تم اپنے ابو کی محبت کے حصار سے نکل کر ٹھنڈے دل و دماغ سے

بینا خاموش رہی۔

آسیہ نے کہا۔

"زندگی تمہیں گزارنی ہے تمہارے ابو اور بھائیوں کو نہیں، اس لئے اس بات پر

ہی کرو کہ تم کس کے ساتھ زیادہ بہتر زندگی گزار سکو گی۔"

"ہوں" بینا نے ایک طویل سانس لی۔

آسیہ نے مسکرا کر کہا۔

"یہ طویل طویل سانسیں بھرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔"

بینا اس کی بات سن کر مسکرا دی۔

آسیہ نے کہا۔

"اصل بات تو یہ ہے بینا! کہ تمہاری آدھی سے زیادہ پریشانیاں اور الجھنیں تو

بینا نے کہا۔

"ہاں! تم تو یہی کہو گی۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں تم تو ہر وقت یہی سوچتی رہتی ہو کہ اس شخص کو میری ذات

کوئی تکلیف نہ پہنچے، وہ آدمی میرے کسی فعل سے ناخوش نہ ہو جائے،" تم بیک وقت

کو تو خوش نہیں کر سکتیں۔"

بینا سر جھکائے آسیہ کی باتیں سنتی رہی۔

آسیہ نے کہا۔

"تم تو بس اپنے دل سے پوچھو کہ وہ کس کو پسند کرتا ہے۔ فیصل بھائی کو یا

بینا نے بڑی سادگی سے کہا۔



دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے اور پھر دونوں ہی مجھے بہت چاہتے ہیں۔"

نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔

یہ مشورہ تو دینے سے رہی کہ تم ان دونوں حضرات سے شادی کر لو۔"

بزی ہے" بینا نے اس کے ایک دھپ لگائی۔

نے بات ہی ایسی کہی تھی اب میں اور کیا جواب دیتی؟" آسیہ نے اپنی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔

ھلیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ آسیہ نے جہانگیر کا شوشہ پھر چھوڑا اور مسکرا

میری طرف بے چارہ جہانگیر ہے وہ بے بس ہوا جاتا ہے تمہارے لئے۔"

نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا۔

باتیں مت کرو۔"

الو تم، تھوڑے سے دنوں میں بات پوری طرح کھل کر تمہارے سامنے آجائے گی۔"

بز کر بولی۔

آسیہ مجھے پریشان مت کرو۔"

ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہوتی ہی کیوں ہو؟"

دیکھ یہ ذرا سی بات ہے۔"

سیدھی سی بات ہے جسے آپ پسند کرتی ہیں اس سے شادی کیجئے اور عیش کیجئے۔"

اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ے کہا۔

ناول پڑھی تھی نا! ایک عورت ہزار دیوانے، بس تمہارے اوپر تو وہی۔۔۔۔"

اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

یہ ایسا چپ ہو جاؤ، اگر میری پریشانی دور نہیں کر سکتیں تو اس قدر بے تکی

باتیں بھی نہ کرو۔"

آسیہ نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

"اچھا! میں تمہیں سنجیدگی سے ایک مشورہ دے رہی ہوں مانو گی؟"

"پہلے بتاؤ مگر کوئی عقل کی بات بتانا۔"

"ہاں! عقل کی بات ہی بتاؤں گی۔"

"اچھا!" مینا نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں، بہت زبردست عقل کی بات ہے۔"

"اب کہہ بھی چکو۔"

"تم ایسا کرو، نہ فیصل بھائی سے شادی کرو نہ اشعر سے کسی تیسرے ہی آدمی کو

"تیسرے آدمی سے!" مینا نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں! میرا اندازہ ہے کہ جہانگیر تمہارے لئے بے حد سیریس ہے اگر اس کے گھر والوں سے تمہارے لئے کوئی پرپوزل آئے تو تم فیصل بھائی اور اشعر دونوں کو چھوڑ کر اس حامی بھر لینا۔"

مینا نے کہا۔

"یہاں پہ لڑکے صرف فلرٹ کرتے ہیں، پرپوزل بھیجنے والی بات ان کے ذہن میں

"لیکن جہانگیر ان لڑکوں میں سے نہیں ہے۔"

آسیہ نے بڑے وثوق سے کہا۔

"اس یقین کی وجہ۔"

"ارے بابا! اس کے انداز بتاتے ہیں کہ وہ اس مسئلے کو اپنی زندگی اور موت کا

"اچھا! تمہیں کیسے پتہ؟"

"تم تو اس بے چارے کو گھاس ہی نہیں ڈالتیں۔"



بھی بات کرتو لیتی ہوں"

بھی میرے کہنے سے، جیہ"، فوراً، سچ۔ بڑا احسان کرتی ہو اس غریب کی جان پر"

مسکرائی۔

نہیں تو سہی'

نہیں اس بات کا اندازہ کیسے ہوا کہ وہ اس بات کو اپنی زندگی اور موت

بلکہ اگر وہ بھی دوسرے لڑکوں کی طرح ہوتا تو وقت بے وقت تمہارا راستہ روک کر خوش گپیاں کرتا، تمہارے حسن کی شان میں قصیدے خوانی کرتا لیکن یہ کبھی نہ کہتا کہ اگر تمہارے انگیج نہیں ہیں اور تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنی بہنوں اور امی کو ان بھیجوں"

نے حیران ہو کر پوچھا۔

جہانگیر نے یہ کہا۔"

کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں"

نے کہا۔"

نے کہا اور کس سے کہتا۔"

نے کیا جواب دیا۔"

بات ہے میں نے اسے بتا دی"

تمہارے پھوپھی زاد بھائی سے عنقریب تمہاری منگنی ہونے والی ہے"

نے کہا۔ ہاں، تو کیا نہیں بتانا چاہیے تھا۔"

کیا۔"

بے چارے کو پھر بھی معلوم نہیں کون سی آس ہے۔"

" مینا نے سنجیدگی سے کہا"

" تم اس کی آس توڑ دو۔ کیوں کسی کی زندگی خراب کر رہی ہو۔"

آسیہ نے مسکرا کر کہا۔

" بس! ہو گئی نا ہمدردی پیدا، چاہے میں نے سب کچھ جھوٹ ہی کہا ہو۔"

مینا نے چونک کر کہا۔

" تو تم جھوٹ بول رہی تھیں؟"

آسیہ نے کہا۔

" نہیں، نہیں، ایک ایک حرف سچ کہا ہے میں نے"

مینا سوچوں میں ڈوب گئی۔

آسیہ نے کہا۔

" اور اس کی شرافت دیکھو کہ اس نے کسی اور کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی کہ کہیں

پھیل نہ جائے اور نہ تمہاری بدنامی نہ ہو۔"

مینا پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

آسیہ نے کہا۔

" پھر کیا خیال ہے؟ میں نے صحیح مشورہ دیا ہے نا تمہیں؟"

" کون سا مشورہ؟"

" یہی کہ تم کسی تیسرے آدمی کا انتخاب کرو۔"

" ابھی تو میں نے سوچا ہی نہیں"

آسیہ نے کہا۔

" یہ تیسرا راستہ اختیار کرنے سے ہوتا یہ کہ نہ تمہارے ابو کو اس بات [illegible]

اپنی امی کی بات مان کر ان کی خواہش کا احترام نہیں کیا اور نہ تمہاری امی کو یہ گلہ ہو [illegible]



[illegible] پشت ڈال کر اپنے ابو کو ترجیح دی۔"

[illegible] وہیں پشت ڈال کر [illegible]

[illegible] گھٹنوں پہ سر رکھے خاموش بیٹھی رہی۔

[illegible] نے اس کی سنجیدگی کو دور کرنے کی خاطر کہا۔

[illegible] پھر اس طرح ہوتا یہ کہ تمہارے ضمیر الدین احمد بھی مطمئن رہیں گے۔"

[illegible] نے چونک کر پوچھا۔

" کون مطمئن رہیں گے۔"

آسیہ مسکرا کر بولی۔

" میرا مطلب تمہارے ضمیر سے ہے جس کی وجہ سے تم نے ذرا سی بات کو اپنے جی کا جنجال

[illegible] ہے۔"

مینا مسکرا دی۔

آسیہ نے پوچھا۔

" پھر کیا خیال ہے۔"

" کیسا خیال؟"

" [illegible] جہانگیر سے کہہ دوں کہ فیصل بھائی کے ساتھ منگنی والی بات ختم ہو گئی ہے"

" پاگل ہو گئی ہو۔"

" اس میں پاگل پن کی کونسی بات ہے"

" [illegible] سوچے سمجھے کسی سے کچھ کہہ دینا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔"

آسیہ الجھ کر بولی۔

" [illegible] تو سوچنے کے لئے ہی پیدا ہوئی ہو۔"

" سوچے جاؤ اور اپنا دماغ خراب کئے جاؤ۔"

[illegible] اسی طرح سنجیدہ بنی بیٹھی رہی۔

آسیہ نے کہا۔

"اب تمہاری اس پریشانی کو دیکھ کر بار بار یہ خیال آتا ہے کہ۔۔۔۔۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کنکھیوں سے مینا کی طرف دیکھا مینا نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہوں! ناراض تو نہیں ہو گی۔"

"کہو"

"مردوں کو تو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے" آسیہ پھر خاموش ہو گئی۔

مینا نے پوچھا۔

"ہاں تو؟"

آسیہ نے منہ دوسری طرف کر کے کہا۔

"اب اگر ایسی ہی اجازت عورتوں کو بھی ہوتی تو اس وقت تمہاری مشکل آسان ہو جاتی"

مینا نے کہا۔

"کیا بکواس لگائی ہے تم نے"

آسیہ نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"میں اسی لئے تو پوچھ رہی تھی کہ ناراض تو نہیں ہو جاؤ گی"

"مجھے کیا معلوم تھا تم ایسی واہیات بات کہو گی۔ ایسی بری سوچیں ہیں تمہارے دماغ میں"

آسیہ نے اپنے رخساروں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"توبہ، توبہ، میں تو تمہیں ہنسانے کے لئے اس قسم کی باتیں کر جایا کرتی ہوں"

مینا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اٹھو، اب گھر بھی جانا ہے کہ نہیں۔"

"کیا بج گیا"، آسیہ نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔



بجا ہے۔"

بھاگو، ورنہ اگلی بس کے لئے تو بہت دیر انتظار کرنا پڑے گا"

دونوں تیز تیز قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف چل دیں۔

یہ باتیں کہنے کے بعد مینا کو اپنے دل و دماغ کا بوجھ کچھ اترتا ہوا محسوس ہوا گھر آ کر رات کا کھانا کھایا اور نوٹس کی کاپی لے کر بستر پہ لیٹ گئی پڑھتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں کاپی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سینے پر گر پڑی اور اس کی آنکھیں گہری نیند کے بوجھ تلے بند ہو گئیں۔ تین چار روز بعد اسے گہری اور پرسکون نیند آئی۔ شام تک وہ بے خبر سوتی رہی۔ عصر کی نماز پڑھنے کے لئے تو اسے اٹھانے آئی تھیں اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن تواکے کمرے سے جاتے ہی کروٹ بدل کر پھر سو گئی۔ مغرب کے وقت تو ا پھر اسے اٹھانے آئیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ وضو کر کے نماز پڑھی، جا نماز تہہ کر رہی تھی جبھی بھابی نے آ کر بتایا پھوپھی اماں آئی ہیں چائے کی ٹرے بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھ کر جاتے ہوئے بولیں۔

"چائے پی کر ڈرائنگ روم میں آ جانا"

چھوٹے بھیا کی شادی کی تاریخ کا مسئلہ تھا۔ بڑے بھیا اور بھابی کے اتو چاہتے تھے کہ اب چھوٹے بھیا بھی جلدی ہی بیوی والے بن جائیں۔ پھوپھی اماں کے ساتھ صرف پھوپھا جان آئے تھے دونوں کے رخصت ہونے کے بعد بھابی نے اسے بتایا کہ چھوٹے بھیا کی شادی سے پہلے وہ مینا کی منگنی کرنا چاہتی ہیں ان کی خواہش تو یہ تھی کہ چھوٹے بھیا کے ساتھ ہی ساتھ مینا کی شادی بھی ہو جاتی لیکن فیصل نے ہی یہ کہہ کر اس بات کو ٹال دیا تھا کہ مینا کی تعلیم پوری ہونے سے پہلے ان کا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو اب منگنی کے حق میں بھی نہیں تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ مینا ایم اے کر لے تو منگنی شادی سب کچھ اسی وقت ہو جائے گا لیکن پھوپھی مصر تھیں کہ منگنی تو ضرور ہو گی۔

یہ ساری روداد سن کر مینا گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔

بھابی نے پوچھا۔

"مینر تمہارا کیا خیال ہے"

بینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بھابی نے کہا۔

"مینا! میں محسوس کر رہی ہوں کہ پچھلے تین چار روز سے تم بہت پریشان ہو۔"

"نہیں تو۔" مینا نے چونک کر کہا اور زبردستی مسکرانے لگی۔

"اس جھوٹ موٹ کی مسکراہٹ سے تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں" بھابی نے بڑی گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

مینا خاموش رہی۔

"بتاؤ نا کیا بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں بھابی! آپ کو وہم ہو گیا ہے۔"

"اونہہ، میں نہیں مان سکتی"

"نہیں مانتیں تو آپ کی مرضی" مینا نے بیزاری سے کہا۔

بھابی نے حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ارے! یہ آج مینا نے مجھے کس طرح جواب دیا ہے، شادی کے بعد پہلا موقع ہے کہ اس نے مجھے بیزاری سے جواب دیا اس لہجے میں مجھ سے بات کی ہے۔

انہوں نے مینا سے پوچھا۔

"کیا بات ہے مینا"

"کچھ نہیں۔" مینا کا انداز اب بھی بیزاری لئے ہوتے تھا۔"

"میری کوئی بات بری لگی تمہیں۔"

"نہیں، نہیں تو بھابی!" مینا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔۔۔" اس نے سوچا



ارے مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کس انداز سے بھابی سے بات کی ہے؟ میری پریشانیوں میں بھابی بے چاری کا کیا قصور ہے۔ مارے ندامت کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

بھابی نے پریشان ہو کر کہا۔

"ارے رونے لگیں، کسی نے کچھ کہہ دیا،"

بھابی نے اسے گلے لگایا تو مینا کا دل کچھ اور بھر آیا اور بھابی کے کندھے پر سر رکھے روتی رہی تین چار دنوں کی بھڑاس نکالتی رہی پھر بھابی نے اپنی قسم دے کر کہا۔

"مینا! تمہیں بتانا پڑے گا تمہیں کیا پریشانی ہے۔"

مینا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو کیا بتاؤں بھابی، اور آپ کو بتانے سے ہو گا بھی کیا۔ میری قسمت میں یہی کچھ

"

"دیکھو نا! دوسرے کو اپنے دل کی بات بتانے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔"

مینا سوچنے لگی۔ بھابی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں؟

بھابی نے کہا۔

"میں نے تمہیں اپنی قسم دی ہے مینا۔ اگر تمہارے دل میں میری ذرا سی بھی محبت ہے تو تم مجھ سے نہیں چھپاؤ گی"

مینا نے کہا۔

"مجھے آپ سے جتنی محبت ہے اس کا اندازہ آپ کو اچھی طرح ہو گا۔"

"تو پھر بتاؤ کیا بات ہے"

پھر مینا بھابی سے کچھ نہ چھپا سکی۔ اس نے اشعر کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا دیا۔ جمیلہ بیگم کا بھی ذکر کر دیا انہیں اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ جمیلہ بیگم اس موضوع پر بات کرنے ان دنوں یہاں آنے والی ہیں۔

بینا سے یہ سب کچھ سن کر بھابی بڑی گہری سوچوں میں ڈوب گئیں۔

بینا نے کہا۔

"آپ خود ہی بتائیے، ایسی باتوں سے میرا ذہن پریشان ہوگا کہ نہیں۔"

"ہوں،" بھابی نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

کئی سیکنڈ گزر گئے۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھی رہیں۔

بینا نے پوچھا۔

"آپ کیا سوچنے لگیں؟"

"میں... ؟ کچھ نہیں۔" بھابی چونک گئیں۔

بینا نے کہا۔

"آپ ہی مشورہ دیجئے۔ میں کیا کروں؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

بھابی نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں بینا۔؟"

"پوچھئے؟"

"سچ سچ بتاؤ گی؟"

"جی سچ ہی بولوں گی۔"

"فیصل اور اشعر میں سے تم کسے پسند کرتی ہو؟"

"بھابی! اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔"

"کیوں۔؟"

"میں خود ہی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ دونوں میں سے میں کسے پسند کرتی ہوں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"مگر حقیقت یہی ہے۔"



"...یں نہیں مان سکتی۔"

...نے کہا۔

"دونوں ہی اپنی اپنی جگہ بہت اچھے ہیں، نہ فیصل میں کوئی کمی ہے نہ اشعر میں اور پھر...."

...نے جانے کیا سوچ کر اپنی بات اُدھوری چھوڑ دی۔ اس کا چہرہ ایک دم سُرخ ہو گیا۔

بھابی نے پوچھا۔

"اور پھر۔؟"

"کچھ نہیں۔"

"نہیں تم کچھ کہنے والی تھیں۔"

بینا نے بات ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن بھابی پیچھے ہی پڑ گئیں تو اسے کہنا پڑا۔

اُس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ دونوں ہی کے دل میں میرا بہت خیال ہے۔"

بھابی ایک دم ہنس پڑیں اور اسے چھیڑتے ہوئے بولیں۔

"یوں کہو نا کہ دونوں کو ہی تم سے بہت محبت ہے۔"

بینا جھینپ کر رہ گئی۔

بھابی نے اُسے کچھ اور زچ کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی تم بہت خوش قسمت ہو محبت کے معاملے میں۔"

"اوہو بھابی آپ تو...."

...سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ اپنے ناخنوں پہ لگی ہوئی پالش کھرچنے لگی۔

بھابی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"مشکل تو یہ ہے کہ تم خود ہی یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی ہو کہ اشعر اور فیصل میں سے تم کسے پسند

...ورنہ میں تو تمہیں سیدھا سا حساب بتا دیتی۔"

مینا نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"بھئی میں تو تم سے یہی کہتی کہ تم جسے پسند کرتی ہو۔ اس سے شادی کر لو۔ باقی سارے بکھیڑوں کو ایک طرف ہٹاؤ۔"

بھابی نے اُٹھتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

"بہرحال، تم تنہائی میں سوچنا، ذرا اپنے دل کو ٹٹول کر تو دیکھو کہ اس میں کس کے… جگہ ہے۔"

پھر وہ دروازے کے قریب رُک کر بولیں۔

"لیکن شرط یہی ہے کہ تم صرف اپنی ذات کو مدِنظر رکھ کر سوچنا، یہ مت سوچنے بیٹھ… فیصلے سے ابو کو تکلیف ہوگی اور کس فیصلے سے امی کو دُکھ ہوگا۔"

مینا نے کہا۔

"یہی تو مشکل ہے بھابی۔"

" اگر تم دوسروں کے لئے سوچنے بیٹھ گئیں تب تو تم زندگی بھر کوئی فیصلہ نہیں…"

بھابی کے جانے کے بعد اُس نے سوچا۔

"کس قدر دشوار ہے بھابی کے مشورے پر عمل کرنا۔"

پھر اسے آسیہ کی باتیں یاد آ گئیں۔ آسیہ کی باتیں یاد آتے ہی اُسے جہانگیر کا خیال… آتے جاتے اس نے جہانگیر کو بارہا دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان چند سی جملوں… تبادلے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ جہانگیر نہ حسین تھا نہ خوبصورت تھا۔ بس اد دیکھنے میں… نفاست سے کپڑے پہنتا تھا۔ بڑے رکھ رکھاؤ سے ملتا تھا اور بڑے اخلاق… تھا۔ خصوصاً لڑکیوں میں اس کی شائستگی کی بڑی دھوم تھی۔ اساتذہ میں اس کی ذہانت… تذکرے ہوتے تھے۔ بقول آسیہ کے وہ کھاتے پیتے اور شریف گھرانے کا لڑکا تھا… خوبیاں کسی ایک لڑکے میں جمع ہو جائیں تو دماغ تو عرشِ معلیٰ پر پہنچ جانا چاہئے…



…اس کی ایک اور خوبی اُس کی منکسر المزاجی تھی۔

…باتوں اور خوبیوں کو کون نہیں سراہتا۔ مینا کو بھی اس کی خوبیوں کا اعتراف تھا لیکن… اس انداز سے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ جہانگیر کو پسند کرتی ہے۔ …پسند کرتا ہے اس طرف تو اُس کے خیالوں کا گذر کبھی نہیں ہوا تھا لیکن آج آسیہ …کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اُسے سُن کر مینا حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

…نے سوچا۔

…میری عزت کا اتنا پاس ہے۔

…نے کبھی اشارتاً بھی اس موضوع پر مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔

…کہتی ہے ۔۔۔ فلرٹ کرنے والے لڑکے اس طرح پرپوزل بھجوانے کی …کیا کرتے۔

…بھابی کہہ رہی تھیں کہ میں محبت کے بارے میں بہت خوش قسمت ہوں۔

…کی چاہت کا ندرانہ،

…اشعر کا والہانہ پن،

…جہانگیر کا چھپا ہوا جذبۂ دل ۔۔۔ جہانگیر کے بارے میں تو میں نے بھابی کو بتایا ہی …یہ مناسب تھا۔

…مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اتنے افراد کی چاہتوں کے باوجود میرا دامن خالی کا خالی

…کہ میں اپنے ابو کی محبت کے حصار سے نکل کر سوچوں۔

…کہتی ہیں کہ میں صرف اپنی ذات کو مدِنظر رکھ کر اشعر اور فیصل میں سے کسی ایک کے …

…ہے مجھے کوئی تیسرا ہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میں ان تینوں میں سے کس کی بات مانوں کس کے مشورے پر عمل کروں؟ شاید مجھ میں قوتِ فیصلہ کی کمی ہے۔

فیصل بھی محسوس کرتے ہیں کہ میں ان کے حق میں فیصلہ کر کے ناخوش ہوں۔

اشعر کو بھی یقین ہے کہ میں اپنے فیصلے پر خوش نہیں ہوں۔

میں کسے چاہتی ہوں؟

میں کسے پسند کرتی ہوں۔؟

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اس نے ایک بار پھر اشعر اور فیصل کا موازنہ کیا۔

وہ کس قدر حیرت زدہ تھی جب اُس نے فیصل کی تصویر کو نگاہوں میں بسانے کی کوشش کی جب اُس نے فیصل کے سراپے کو اپنے خیالوں میں جگہ دینے کی کوشش کی۔

لیکن۔

ہُوا یوں کہ فیصل کی تصویر کے نقوش مدھم پڑتے چلے گئے اور اشعر کے نقوش واضح ہوتے چلے گئے۔

اُس نے سر جھٹک کر ان نقوش کو مٹانے کی کوشش کی۔

اُس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اس تصور سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔

لیکن آج تو جیسے دل و دماغ تہیہ کئے بیٹھے تھے کہ وہ اس کی ایک نہیں مانیں گے۔

اس کی کوئی بات نہیں سُنیں گے، اس کی کسی پکار پر کان نہ دھریں گے۔

وہ کہتی رہی، سمجھاتی رہی، اپنے آپ کو، اپنے دل کو،

نہیں،

اشعر نہیں فیصل — اشعر نہیں فیصل۔

لیکن اس کے کہنے اور اس کے سمجھانے کا دل پر ذرا بھی تو اثر نہیں ہو رہا تھا۔



...احساس ہوا۔

...دل کی گہرائی، پر جن قدموں کی چاپ اُبھرتی ہے وہ قدم فیصل کے نہیں اشعر کے ہیں۔

...سانس کے تار زور زور سے بج اُٹھتے ہیں وہ نام فیصل کا نہیں اشعر کا ہے۔

...تصور کو دماغ میں بسا کر ایک بے خودی کا عالم طاری ہوتا ہے وہ فیصل کا نہیں

...خیال آتے ہی دل کی دھڑکنیں بے بس و بے قابو ہو جاتی ہیں وہ فیصل کا نہیں

...نے اپنی ذات کو مدِّ نظر رکھ کر سوچا تو اس کے اردگرد سوائے اشعر کے کسی اور کا گزر

...نے صرف اپنی خوشی اور اپنے ذہنی سکون کے بارے میں سوچا تو سوائے اشعر کے

...خیال نہیں آیا۔

...سوچتے سوچتے وہ سو گئی۔

...دوسرے روز — جب وہ یونیورسٹی سے گھر پہنچی ہی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ وہ

...کمرے کے سامنے والے کوریڈور سے گزر رہی تھی۔ گھنٹی کی آواز سُن کر وہ ٹیلیفون

...دوسری طرف سے جو آواز تھی اسے سُن کر ایک لمحے کے لئے ریسیور اس کے

...گرتے گرتے بچا۔

"...مینا۔؟"

"...مینا بول رہی ہوں۔"

...نے بمشکل تمام اپنی آواز کو قابو میں کیا۔ ٹیلیفون پر اچانک جمیلہ بیگم کی آواز سُن

...رہ گئی تھی۔

"...بول رہی ہوں مینا! تمہاری امّی۔"

"جی! السلام علیکم۔" اس نے ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیسی ہو۔؟" انہوں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" مینا نے زبردستی اپنی آواز میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"تم بہت یاد آ رہی تھیں۔" جمیلہ بیگم نے کہا۔

"اچھا۔"

مینا اس کے سوا اور کیا کہتی۔

"آج یونیورسٹی نہیں گئیں۔"

"گئی تھی، ابھی ابھی واپس آئی ہوں۔"

"اچھا۔"

جمیلہ بیگم اچھا کہہ کر کچھ دیر خاموش رہیں پھر پوچھنے لگیں۔

"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا مینا؟"

مینا نے انجان بن کر پوچھا۔

"کیسا فیصلہ؟"

"ارے تم بھول گئیں؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم صرف فیصل کو ہی مدِ نظر رکھ کے بارے میں بھی سوچنا۔"

مینا نے مریل سا جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"میں پڑھائی میں بہت مصروف تھی۔"

"تم نے گھر میں ذکر کیا تھا اس بات کا۔؟"

"نہیں۔"

"کسی سے بھی نہیں۔"

"جی نہیں۔"



…تم نے اتنی اہم بات کا تذکرہ ابھی تک نہیں کیا گھر میں۔" جمیلہ بیگم کے لہجے میں

…کو بتایا نا کہ میں آج کل پڑھائی میں بہت مصروف ہوں۔

…لیکن میں ایک بات تم سے ضرور کہنا چاہتی ہوں۔"

…"

…اشعر بہت اچھا لڑکا ہے، میں یہ نہیں کہتی کہ فیصل میں کوئی برائی ہے فیصل

…لیکن اشعر سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔"

…کہا۔

…نے تو فیصل بھائی کو ایک مدت سے نہیں دیکھا، ایک شخص کو دیکھے بغیر آپ دوسرے

…موازنہ کیسے کر سکتی ہیں؟"

…بیگم لاجواب ہو کر رہ گئیں، بولیں تو کچھ نہیں مگر اس بات کو ٹال گئیں۔

…چند سیکنڈ بعد بولیں۔

…کبھی تم مجھ سے ملو گی تو اس موضوع پر تم سے تفصیل سے بات ہو گی۔"

…خاموش رہی۔

…بیگم نے کہا۔

…دیکھو، تم اس بات کا ذکر جلدی سے گھر میں کر دو ایسا نہ ہو کہ تمہاری پھوپھو بھی

…جائیں۔"

…پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

…بیگم نے پوچھا۔

…اگر آپ میں اتنی ہمت نہیں پاتی ہو تو میں آ کر بات کر لیتی ہوں۔"

…ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سہم کر کہا۔

"نہیں امی! آپ نہیں آیئے گا۔"

"کیوں؟"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات سے ڈر لگتا ہے۔"

"کہیں کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے گھر میں۔"

جمیلہ بیگم مطمئن لہجے میں بولیں۔

"ارے نہیں، ہنگامہ کیوں ہوگا؟"

مینا نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت، اس کے ابو وہاں آگئے۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے
بند کر دیا۔

انہوں نے پوچھا۔

"ابھی آئی ہو بیٹی۔"

"جی! یہی کوئی پانچ دس منٹ ہوتے ہوں گے۔"

وہ پرس اور کتابیں اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی اور بے جان سی ہو کر کرسی پر گر
وقت، بھابی اس کے قریب آگئیں اور بڑی رازداری سے پوچھنے لگیں۔

"کس کا فون تھا مینا۔"

مینا کو احساس ہوا کہ بھابی کو کچھ کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ اور بھابی ایک
ریسیو کرنے کمرے میں پہنچی تھیں۔ مینا آگے بڑھ گئی تو بھابی دروازے پر ہی رک گئیں
مینا نے سوچا۔

بھابی کو تو میں سب کچھ بتا ہی چکی ہوں۔ پھر ان کو یہ بتانے میں کیا عرج ہے
ٹیلیفون تھا۔

اس نے مدہم آواز میں کہا۔



ٹیلیفون تھا۔"

کیا کہہ رہی تھیں۔" "یہاں آنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔"

رہنے دو۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہو۔"

ڈر لگتا ہے بھابی کہیں کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے۔"

فکر نہ کرو کچھ نہیں ہوگا۔" بھابی نے اسے تسلی دی۔

سوچ میں پڑ گئی۔

تم کچھ سوچو نہیں، اٹھ کر کپڑے بدلو اور منہ ہاتھ دھو کر کھانے کے لئے آجاؤ۔" بھابی
سے باہر جاتے ہوئے کہا اور مینا کو انجانے اندیشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا۔

اس روز مینا کا آخری پرچہ تھا وہ ایگزامینیشن ہال سے باہر نکلی تو اس نے دیکھا
ایک سرے پہ آسیہ کھڑی جہانگیر ہی سے باتیں کر رہی تھی۔ آسیہ کی نگاہ مینا پر پڑی
اشارے سے اسے بلایا۔ مینا نے انکار میں گردن ہلا دی اور زینے کے قریب کھڑی ہو
اس کا انتظار کرنے لگی آسیہ کی گفتگو کچھ زیادہ ہی طویل تھی۔ مینا بور ہو کر سیڑھیاں اترنے
لگی اسے سیڑھیاں اترتے دیکھ کر آسیہ اپنی گفتگو ادھوری چھوڑ کر اس کے پاس آگئی اور
ہی ناراض ہونے لگی۔

"تم بھی عجیب لڑکی ہو۔"

مینا نے پوچھا۔

"کیوں میں نے کیا کیا؟"

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں؟"

"ہاں پتہ تو چلے۔"

"نہ تم خود بات کرتی ہو نہ مجھے کرنے دیتی ہو۔"

"میں نے کب منع کیا ہے تمہیں کسی سے بات کرنے کو"

"تم سیڑھیاں اترنے لگیں تو مجھے خیال ہوا کہ کہیں تم گھر ہی نہ چلی جاؤ۔ اسی لیے
بھاگی آئی ہوں"

"اس سے پہلے بھی کبھی تمہیں چھوڑ کر گئی ہوں۔"



...نے قدرے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھا۔

...نے مسکرا کر کہا۔

"...ناراض مت ہو۔ پتہ بھی ہے کس قدر اہم گفتگو کر رہی تھی میں جہانگیر سے۔"

"...ہمیشہ ہی اہم گفتگو کرتی ہو۔"

...مینا کو خیال آیا کہ آج فائنل کا پرچہ تو نہیں تھا پھر جہانگیر کیسے آگیا۔

...نے آسیہ سے پوچھا۔

"...جہانگیر کا پرچہ نہیں تھا۔"

"...اس کا پرچہ نہیں تھا۔"

"...کیسے آگیا۔"

"...ضروری کام سے آیا تھا۔"

...نے آسیہ سے یہ نہیں پوچھا کہ جہانگیر کو کون سا ضروری کام تھا واپسی پہ آسیہ اسے
...گئی کھانا کھانے کے بعد جب وہ دونوں آرام کرنے کے لئے لیٹیں تو آسیہ

"...کے بارے میں تم نے کچھ سوچا۔"

...نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"...مطلب"

"...یہ کہ میں نے تمہیں ایک مشورہ دیا تھا۔"

...خاموش رہی۔

...نے کہا۔

"...میں نے کہا تھا نا کہ تم کوئی تیسرا راستہ اختیار کرو۔"

...تھا۔" مینا کی آواز مدھم تھی۔

"پھر؟ کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

"کیوں؟"

"بھئی کوئی فیصلہ کرنا اس قدر آسان تو نہیں ہوتا۔"

"ہاں! خیر چلو، اب تو تمہارے پاس سوچنے کے لئے وقت ہی وقت ہے۔"

مینا آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔

آسیہ نے کہا۔

"میں پھر تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ فیصل اور اشعر بھائی کا جھگڑا ختم کرو، بس یہ ٹھیک رہے گا۔"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا اور سوتی بن گئی آسیہ بھی یہی سمجھی کہ وہ سو گئی ہے اپنا خود بھی کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

اگلے روز دوپہر کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ریکارڈ سن رہی تھی تبھی فیصل آ گئے گھر کے باقی لوگ آرام کر رہے تھے بوا نے آکر اسے بتایا کہ فیصل آئے ہیں۔

مینا نے کہا۔

"اچھا انہیں یہیں بھیج دیجئے۔"

اور صوفے پر پڑا ہوا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلا لیا۔

فیصل دروازے تک آکر رک گئے تو مینا نے کہا۔

"آیئے فیصل بھائی۔"

فیصل اس کے قریب آکر رک گئے اور بولے۔

"گانے سنے جا رہے ہیں۔"

"جی، بس اب تو بیکار کے کام ہوا کریں گے۔"

"ہاں امتحان جو ختم ہو گئے ہیں۔"



...ی" مینا مسکرائی۔

...پرچے کیسے ہوتے۔"

...اچھے خاصے ہی ہو گئے۔"

...بہت اچھے نہیں ہوئے۔"

...یہی سمجھ لیجئے۔"

"اس کی وجہ"

...تیاری نہیں ہو سکی ٹھیک سے۔"

...کیوں؟ تمہارے پاس تو وقت ہی وقت ہوتا ہے تیاری کے لئے۔"

...تیاری کے لئے صرف وقت ہی تو کافی نہیں ہوتا۔"

"اور پھر"

...ذہنی سکون کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔"

...ذہنی سکون،" فیصل نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

...جی"

...تمہارے پاس ذہنی سکون کا فقدان ہے۔"

...سر جھکائے بیٹھی رہی۔

...کیا پریشانی ہے تمہیں؟"

...معلوم تو ہے۔"

...کے علاوہ بھی کوئی اور بات ہے۔"

...مینا صریحاً جھوٹ بول گئی۔

...میری طرف دیکھ کر کہو یہ بات"

...ایک بات ہے۔"

مینا بمشکل تمام ان کی طرف دیکھ سکی۔

فیصل نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولے۔

"تم بے شک مجھ سے چھپاؤ مینا! لیکن میں جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہیں"، مینا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کوئی اور بھی پریشانی ہے۔"

"اگر ہے تو آپ بتا دیجئے"، مینا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

فیصل نے پوچھا۔

"بتا دوں؟"

"بتا دیجئے"، مینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔

"امی نے یہ جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے یہ تمہیں کچھ پسند نہیں۔"

مینا اس اچانک حادثے کے لئے تیار نہیں تھی۔ دو ایک منٹ تک وہ کچھ بول ہی نہ

نگاہوں سے فیصل کی طرف دیکھتی رہی۔

ابھی وہ پہلے ہی حادثے سے سنبھل نہ پائی تھی کہ فیصل دوسرا حملہ کر بیٹھے۔

انہوں نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"تم کسی کو پسند کرتی ہو مینا۔"

مینا ہڑبڑا کر بولی۔

"نن نہیں تو۔"

فیصل اپنی کہہ گئے۔

"کیا نام ہے ان کا؟ اشعر نام ہے نا!"

"جی!"، مینا کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"وہی جو حال ہی میں ڈاکٹریٹ کر کے آئے ہیں۔"



مینا چور سی بن گئی۔

نے کہا۔

غلط نہیں سمجھ رہا ہوں تو شاید تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔"

ایسا عالم تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

نے سوچا۔

فیصل بھائی کو کیا ہو گیا ہے؟"

ایک دم ہی کمرے میں سناٹے کا احساس ہوا۔

اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا سناٹا تھا۔

ریکارڈ مدھم آواز میں بجے جا رہا تھا۔

کون گا رہا تھا، کیا گا رہا تھا۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

دل و دماغ کے سناٹوں کو چیرتی ہوئی بس ایک ہی آواز تھی۔

گونج تھی۔

آواز کی بازگشت۔

تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔"

تم دونوں......"

دھیرے دھیرے پلکیں اوپر اٹھائیں تو فیصل کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ اور نروس

نے پوچھا۔

ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

دوران مینا نے اپنے آپ کو قدرے سنبھال لیا تھا۔

اس نے فیصل کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔"

فیصل ایک دم ہنس پڑے اور بولے۔

"تمہیں تو جھوٹ بولنے کا بھی سلیقہ نہیں بینا۔"

"میں نے جھوٹ تو نہیں بولا۔"

"تمہارے چہرے کی رنگت بتا رہی ہے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے یا نہیں۔"

بینا نے کہا۔

"آج آتے کے ساتھ ہی آپ نے یہ کس قسم کی باتیں شروع کر دی ہیں۔"

فیصل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کچھ نہ کچھ فیصلہ تو ہو ہی جانا چاہیئے آج اِدھر یا اُدھر۔"

"میں اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں بھابھی کو۔"

اور یقیناً آپ تک بھی یہ بات پہنچ چکی ہوگی کہ میں نے اثبات میں ہی جواب دیا ہے انکار میں نہیں۔"

"لیکن یہ جبری فیصلہ مجھے منظور نہیں ہے۔"

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ یہ جبری فیصلہ ہے۔"

"میں بچہ تو نہیں ہوں۔ عقل اور سمجھ رکھتا ہوں۔"

بینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

فیصل نے کہا۔

"دیکھو بینا یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے دوسروں کی خوشیوں کی خاطر کوئی ایسے کہ وکہ آئندہ تمام عمر تمہیں گھٹ گھٹ کے رہنا پڑے۔"

بینا خاموش بیٹھی رہی۔



فیصل نے کہا۔

"بینا! ہم اور تم اچھے دوست بھی ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے تو تم بتا سکتی ہے۔ میں تمہیں کوئی بہتر مشورہ دے سکوں۔"

"مجھے کوئی پریشانی نہیں میں نے جو فیصلہ کیا ہے میں اس پر مطمئن ہوں۔"

فیصل کی ہر کوشش رائیگاں گئی۔ بینا نے انہیں کچھ بھی بتا کر نہ دیا۔ فیصل کچھ ناراض سے ہو گئے تھے۔

دو تین روز بعد بھابی نے بینا کو بتایا کہ فیصل فی الحال منگنی کرنے کے حق میں بھی نہیں ہیں۔ انہوں نے پھوپھی اماں کو سختی سے منع کر دیا ہے کہ اس قسم کی کوئی تقریب نہ کریں۔

البتہ چھوٹے بھیا کی شادی کی تیاریاں پورے زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ بینا بھی ان دنوں پریشانیوں کو بھول کر چھوٹے بھیا کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ پھوپھی اماں کے یہاں پہلی شادی تھی وہ اپنا ہر ارمان پورا کرنا چاہتی تھیں۔ شادی کے کارڈ چھپ گئے تو بینا سب کے گھر کارڈ لے کر گئی۔ نجمہ آپا، خالہ امی خالو جان اور احمر سبھی نے خوشی کا اظہار کیا اشعر گھر پر نہیں تھے۔ بعد میں جب وہ نجمہ آپا کے کمرے میں بیٹھی ان کی تازہ ترین پینٹنگ دیکھ رہی تھی۔ اشعر آ گئے بینا کی پشت دروازے کی طرف تھی اشعر اتنی خاموشی سے آئے کہ اسے پتہ نہ چلا۔

جب اشعر نے اس کے قریب رک کر کہا۔

"... ہو رہا ہے۔"

بینا ایک دم چونک گئی اس نے پلٹ کر دیکھا۔

اشعر نے پوچھا۔

"... بینا۔"

"... دیر ہو گئی۔"

اشعر مسکرا کر بولے۔

"سُنا ہے دوسری بھابی لانے والی ہو۔"

"جی ٹھیک ہی سنا ہے۔"

"پھر تو آج کل تم بہت مصروف ہو گی۔"

"جی"

"آج کیسے وقت مل گیا؟"

"بس نکال ہی لیا وقت"

پھر مینا نے پوچھا۔

"آپ آئیں گے شادی میں"

"نہیں"

اشعر کا صاف انکار سن کر مینا کا چہرہ بجھ کر رہ گیا۔

اشعر چند سیکنڈ تک گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے پھر خود ہی بولے

"تم چاہتی ہو کہ میں شادی میں شریک ہوں۔"

مینا نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اشعر نے کہا۔

"مگر میں کیا کروں گا وہاں جا کر"

"باقی لوگ کیا کریں گے"

"باقی لوگوں کا ذکر کیوں کرتی ہو، میں باقی لوگوں کی وجہ سے نہیں ہوں"

اشعر کے لہجے کی افسردگی چھپی نہ رہ سکی۔

چند سیکنڈ تک وہ سر جھکائے کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔

"میں وہاں کسی کو نہیں جانتا مجھے بھی کوئی نہیں جانتا جن چند لوگوں سے شناسائی ہے



مجھے مخاطب کرنا بھی پسند نہیں کریں گے"

مینا کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ان کی طرف دیکھتی رہی۔

اشعر نے کہا۔

"اور مینا بیگم! اپنی انسلٹ برداشت کرنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔"

مینا چُپ چاپ کھڑی رہی۔

اشعر نے پوچھا۔

"تم خود ہی بتاؤ ایسی صورت میں مجھے وہاں جانا چاہیئے۔"

مینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی"

"تم ناراض ہو گئیں۔"

"نہیں ناراض تو نہیں ہوں۔"

کچھ دیر دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم کھڑے رہے پھر اشعر نے پوچھا۔

"تمہاری منگنی کب ہو رہی ہے۔"

"فی الحال تو نہیں ہو رہی۔"

"کیوں"

"فیصل بھائی نے منع کر دیا۔"

"کیا مطلب"

"میرے امتحانوں تک کے لئے انہوں نے یہ پروگرام ملتوی کر دیا ہے؟"

"امتحان تو ختم ہو گئے ہیں تمہارے۔"

"یہ امتحان نہیں فائنل کے امتحان"

"اچھا پھر تو منگنی، شادی سب ساتھ ہی ہو جائے گی۔"

"جی شاید"

"شاید کیوں؟ یقیناً کہو"

"قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا"

"کیوں"

"ایک سال میں معلوم نہیں حالات کیا صورت اختیار کریں۔"

"ہوں" اشعر نے ایک طویل سانس لی پھر اچانک پوچھ بیٹھے۔

"اپنی امی کو بھی بُلایا ہے تم نے شادی میں"

"امی کو بلانا اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو میں ضرور بلاتی۔"

اشعر نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر! ہاں، یہ بتاؤ اب کتنے دنوں میں صورت نظر آئے گی تمہاری۔"

"معلوم نہیں۔"

"پھر کسے معلوم ہے۔"

"یہ بھی معلوم نہیں مجھے" مینا یہ کہتے ہوئے ایک دم ہنس پڑی۔

اشعر اس کی طرف والہانہ انداز سے دیکھ رہے تھے۔

مینا کی نگاہیں اوپر اٹھیں تو اشعر کی نگاہوں کے والہانہ انداز پر وہ جھینپ کر رہ گئی۔

اشعر نے پوچھا۔

"پرچے کیسے ہوئے ہیں۔"

"بہت اچھے نہیں ہوئے"

"پاس تو ہو جاؤ گی نا"

"امید تو ہے"

"اور وہ تمہاری کزن آسیہ ہے نا!"



"جی"

"...س کے پرچے کیسے ہوئے ہیں"

"...مجھ سے تو بہتر ہی ہوئے ہیں اس کے پرچے"

"...کیسے معلوم"

"...وہی کہہ رہی تھی"

"اچھا" اشعر دریچے میں جھک کر باہر دیکھنے لگے۔

...دو تین روز گزر گئے اس شام وہ کزن کو گود میں لئے لان میں بیٹھی تھی۔ تبھی ابو نے آکر کہا۔

"بیٹا! تمہارا فون ہے۔"

"اچھا ابو" وہ کزن کو بھابی کی گود میں بٹھا کر برآمدے میں آگئی۔

"کس کا فون ہے ابو؟" اس نے پوچھا۔

"شاید تمہاری امی کا ہے" ظفر صاحب کا لہجہ بڑا اسپاٹ سا تھا۔ مینا نے ایک لمحے کے لئے
...ان دیکھا کیسی عجیب سی کیفیت تھی ان کے چہرے پر مینا کا دل دکھ کر رہ گیا۔ وہ
...ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

...اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"ہیلو"

...دوسری طرف سے آواز آئی۔

"...بیٹی! میں جمیلہ بول رہی ہوں۔"

...اس نے انہیں سلام کیا۔

"...کیسی ہو مینا بیٹی"

"...ٹھیک ہوں"

"...زمانہ ہو گئے ہیں تمہیں دیکھے ہوئے۔"

بینا خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"تمہارا دل نہیں چاہتا میرے پاس آنے کو"

بینا نے کہا۔

"میرے امتحان ہو رہے تھے۔"

"امتحان ختم ہوئے تو اب کافی دن ہو چکے ہیں۔"

"جی، اس کے بعد سے پھر شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی"

جمیلہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔

"کس کی شادی ہو رہی ہے"

"چھوٹے بھیا کی"

"اچھا کب ہو رہی ہے"

"ایک ہفتے بعد ہے۔"

"کہاں ہو رہی ہے"

"پھوپھی جان کی بیٹی شازیہ سے ہو رہی ہے۔"

"اچھا، شازیہ سے ہو رہی ہے۔"

"جی"

"تم نے میری باتوں کا ذکر کیا تھا گھر میں"

"نہیں"

"کیوں"

"کوئی مناسب موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"آخر کب ذکر کرو گی تم؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے



نا خاموش رہی۔

میلہ بیگم نے کہا۔

عرفان کی بیوی سے تو بات کر سکتی ہو"

جی"

تو پھر اس سے ذکر کر دو، وہ خود ہی باقی لوگوں کو بتا دے گی۔"

چھا

یں تو کل یہاں خود ہی آنے کو سوچ رہی تھی، لیکن تمہارے گھر میں تو شادی کے ہنگامے نے والے ہیں، اس لئے سوچتی ہوں کہ شادی کے بعد ہی آؤں گی"

نے کہا۔

یسا آپ کی مرضی"

م خود بھی کسی دن آؤ نا"

جی"

ب کسی نے تمہیں منع بھی نہیں کیا تو پھر تم نے اپنے اوپر یہ پابندی کیوں لگا رکھی ہے؟"

چھا کسی روز آؤں گی"

عاصم تمہیں بہت یاد کرتا ہے۔"

یسا ہے عاصم؟"

ہ ٹھیک ہے، پچھلے دنوں فلو ہو گیا تھا اسے۔"

آؤں گی کسی دن"

ات ہے میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

عائشہ نے کہہ کر ٹیلیفون بند کر دیا تو اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

سے ٹیک لگائے وہ سوچ رہی تھی۔

امی نے ٹیلیفون کر کے اچھا نہیں کیا۔

انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

جب میں ٹیلیفون پہ نہیں تھی تو انہیں ٹیلیفون بند کر دینا چاہیئے تھا۔

بے چارے ابو۔

ان کے دل و دماغ کی کیفیت کیا ہو تی ہو گی اس وقت۔

اور اس وقت سے اب تک ان کی سوچیں انہیں کہاں سے کہاں لے گئی ہوں گی۔

اور میں ؟

میں ابو کا سامنا کیسے کروں گی ؟

وہ سمجھے ہوں گے میں اب بھی امی سے ملنے جاتی ہوں۔

حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب سے ابو کو علم ہوا ہے میں ایک بار بھی امی سے ملنے گئی ہوں۔

بینا چور نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکلی اور اپنے کمرے آ کر پڑ گئی کافی دیر بعد ظفر صاحب اس کے کمرے میں آئے تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ گئی۔

" بے وقت کیوں لیٹی ہو بینا۔"

ظفر صاحب نے پوچھا۔

" بس ایسے ہی لیٹ گئی تھی"

" بیٹھئے ابو" بینا نے کہا۔

ظفر صاحب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

" تمہاری امی کیا کہہ رہی تھیں۔"

"خیریت پوچھ رہی تھیں۔"

"اس سے پہلے بھی کبھی ان کا ٹیلیفون آیا تھا۔"



...ایک دفعہ آیا تھا"

...نے نہیں گئیں ان سے"

...ابو میں تو اب ان سے ملنے نہیں جاتی"

...نا، ظفر صاحب نے کہا۔

...نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے مزید کہا۔

...تو اس روز سے ان سے ملنے نہیں گئی جب سے بڑے بھیا نے مجھے ان کے ساتھ دیکھا تھا"

...صاحب نے کہا۔

...مجھے میرا مطلب نہیں تھا کہ تم ان سے مت ملو، وہ تمہاری ماں ہیں تمہیں ان سے ملنے کا ...ہا ہے۔"

...خاموش رہی۔

...صاحب نے کہا۔

...ان کو بھی صرف اس بات کا دکھ تھا کہ تم ہم لوگوں کے علم میں لائے بغیر اپنی امی سے

...مجھے بھی اس بات کا بہت افسوس ہے۔"

...صاحب تھوڑی دیر بیٹھ کر باہر چلے گئے ان کے جانے کے بعد بینا سوچنے لگی کہ اب جب ...نے کا تہیہ کئے بیٹھی ہیں تو ابو اور بھائیوں کے علم میں بھی یہ بات آ جانی چاہیئے کہیں ...چانک کسی دن آ جائیں اور ابو اور بھائیوں کو گلہ رہے کہ میں نے ان سے پہلے ...نہ کیا۔

...نے جب اس سے پوچھا کہ کس کا ٹیلیفون تھا تو اس نے امی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی

...آپ ابو اور بڑے بھیا سے بھی اس بات کا ذکر کر دیجئے گا۔"

"ہاں بینا! میرا بھی یہی خیال ہے کہ انہیں بتا دینا چاہئیے۔"

پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

"ویسے یہ بات میں پھر کہوں گی کہ تم پہلے اس بات کا فیصلہ کر و کہ اشعر اور فیصل میں سے ترجیح دو گی۔"

بینا خاموش رہی۔

بھابی نے کہا۔

"جب سب کے سامنے یہ مسئلہ اُٹھایا جائے گا تو تمہاری مرضی کے مطابق کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

بینا پھر بھی کچھ نہ بولی۔

بھابی نے کہا۔

"فیصل سے اس سلسلے میں تمہاری کوئی بات ہوئی تھی"

"کس سلسلے میں"

"اشعر کے سلسلے میں"

"ہاں بھابی وہ بھی پوچھ تو رہے تھے لیکن میں نے انہیں کچھ بتلایا نہیں۔"

بھابی نے کہا۔

"میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم فیصل کو سب کچھ بتا دو۔"

"نہیں بھابی"

"دیکھو بھئی فیصل کو کچھ کچھ اندازہ تو ہے اب اگر اسے صحیح صورت حال کا علم ہو جائے تو تمہارے حق میں بھی کوئی بہتر فیصلہ ہو سکے۔"

"اب کیا فیصلہ ہوگا بھابی! اپنا فیصلہ تو میں آپ کو سنا ہی چکی ہوں۔"

"فیصل سمجھدار ہے اس کے دل میں ہمدردی بھی بہت ہے اور اس بات کا یقین ہے



کہ اسے اپنی خوشی سے زیادہ تمہاری خوشی عزیز ہے۔"

"ہوں" بینا نے کہا۔

اور عرفان بھائی کے ادھر آجانے سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

---

چھوٹے بھیّا کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی شازیہ چھوٹی بھابی بن کر آ گئی ظفر صاحب

کے گھر میں کچھ اور رونق آ گئی ہاں شادی کے موقع پہ شازیہ کی پھوپھی اور چچا زاد بہنوں کی پُرمعنی

ترچھی نگاہوں سے مینا کو بہت کوفت ہوئی۔ اپنی عادت کے مطابق وہ لوگ مینا پر ڈھکے چھپے طنز

کرنے سے باز نہ رہ سکیں۔ مینا بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ان لوگوں کی باتیں برداشت کرتی رہی

اشعر شادی میں ایک دن بھی شریک نہیں ہوئے مینا جانتی تھی کہ وہ نہیں آئیں گے پھر بھی

ان کا انتظار تھا۔ اب اسے اپنے دل کی اس کیفیت پہ ذرا بھی حیرانی نہیں ہوتی تھی وہ اس حقیقت

کو تسلیم کر چکی تھی کہ اس کے لئے اشعر جو کچھ ہیں وہ فیصل یا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

شادی ختم ہو جانے کے بعد کئی روز تک گھر میں اتنا بکھیڑا پھیلا رہا کہ مینا کو کہیں جانے کی فرصت

نہ مل سکی اس دوران جمیلہ بیگم کا کوئی ٹیلیفون نہیں آیا نہ ہی وہ خود آئیں لیکن مینا کو ہر لمحے یہی دھڑکا

لگا رہتا تھا کہ جانے وہ کس وقت آ جائیں۔

اور آخر کار ایک روز بالکل اچانک وہ آ ہی پہنچیں۔

چھوٹے بھیّا کچھ دیر پہلے ہی شازیہ کو لے کر پھوپھی جان کے گھر گئے تھے۔ گھر کے باقی لوگ

ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جبھی ملازم نے آ کر ان کی آمد کی اطلاع دی۔

"کوئی بیگم صاحبہ آئی ہیں۔"

بھابی کیونکہ پہلے ہی عرفان بھائی اور ظفر صاحب سے ذکر کر چکی تھیں۔ اس لئے کسی کو بھی

حیرت نہیں ہوئی ہر شخص کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ سا لہرا کر رہ گیا۔



...ان بھائی کی پیشانی پہ شکنیں نمودار ہوئیں اور وہ بڑی بے چینی سے اپنی جگہ پہلو بدل کر

...ی کے چہرے پہ تجسّس اور اشتیاق کا امتزاج تھا۔

...ے بھیّا اپنے چہرے کی کیفیات چھپانے کے لئے اُٹھ کر دریچے میں کھڑے ہو گئے۔

...ینا کے برابر بیٹھے ہوئے ارشد بھیّا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

...نے دیکھا۔

...ے ابّو بار بار اپنے بالوں پہ بے چینی سے ہاتھ پھیر رہے تھے ملازم ان کا جواب سُننے

...صاحب نے کہا۔

...یں اندر بھیج دو"

...ی نے پوچھا۔

...یں اندر لے آؤں"

...احب نے ان کی طرف دیکھے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔ بڑے بھیّا نے اُٹھ کر ڈرائنگ روم

...ہا، تو ظفر صاحب نے کہا۔

...ہا رہے ہو عرفان"

...ضروری کام سے جا رہا ہوں"

...دیر ٹھہر کر چلے جانا۔"

...جمیلہ نے کہا۔

...ں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھتا"

...ب نے کہا۔

...ہاں ٹھہرنا ضروری ہے"

بڑے بھیا واپس ملپٹ آئے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

مینا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ وہیں بیٹھی رہے یا چلی جائے۔

اس کی کیفیت ان سب لوگوں سے مختلف تھی۔

وہ اپنے آپ کو ان سب لوگوں کا مجرم سمجھ رہی تھی۔

اسے احساس تھا کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ محض اس کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

یہ صرف اسی کی ذات ہے جس کی وجہ جمیلہ بیگم کے قدم آج ایک بار پھر اس گھر تک

پہنچے ہیں۔

جمیلہ بیگم بھابی کے ساتھ دروازے میں داخل ہوئیں تو ظفر صاحب نے ایک سرسر

ان پہ ڈال کر سر جھکا لیا۔

بڑے بھیا اسی طرح سر جھکائے بیٹھے رہے۔

اسلم بھیا اسی طرح دریچے میں جھکے باہر دیکھتے رہے اور ارشد بھیا شاید جمیلہ بیگم کو ایک نظر دیکھنے کے لئے وہاں رکے ہوئے تھے۔ جمیلہ بیگم اندر داخل ہوئیں تو وہ قریبی درو سے باہر نکل گئے۔ مینا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ اُٹھ کر اپنی امی سے ملے، انہیں سلا یا پھر یونہی بیٹھی رہے۔ لیکن بھابی نے اس کی مشکل آسان کر دی ـــــ انہوں نے مینا

"مینا اُٹھ کر قریب آؤ، تمہاری امی ہیں یہ۔"

مینا نے ایک سرسری نگاہ ابو اور بڑے بھیا پہ ڈالی اور اُٹھ کر جمیلہ بیگم کے قریب

جمیلہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح والہانہ انداز سے اسے گلے سے لگا کر پیشانی چومی اور بھ

آواز میں بولیں۔

"کیسی ہو مینا بیٹی؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"کافی کمزور لگ رہی ہو۔"

نے کافی دنوں بعد دیکھا ہے نا۔" مینا نے کہا۔

تہ بھابی نے جمیلہ بیگم سے کہا۔

ر رکھیے۔"

بیگم مینا کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ت تک کمرے میں مکمل سکوت طاری رہا یوں، جیسے کمرے میں کوئی بھی موجود نہ ہو۔

نے دیکھا۔

ے ابو صوفے کی پشت سے سر ٹیکے سامنے والی دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھے جا رہے

بیگم بڑے وقار اور متانت سے بیٹھی ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

یامت خیز تھے وہ لمحات۔

راہ حیات پر چلتے ہوئے دو مسافر۔

راہیں برسوں پہلے جدا ہو چکی تھیں۔

نت نے انہیں ملایا بھی تھا تو کس انداز سے۔

ظفر صاحب وہ ظفر صاحب رہے تھے نہ جمیلہ بیگم وہ پرانی جمیلہ بیگم تھیں۔

صاحب تصویر صبر و ضبط بنے بیٹھے تھے اور جمیلہ بیگم کی آنکھوں میں گئے وقت کے

ے ہیولے کانپ رہے تھے۔

ہر بڑے بھیا کی نگاہوں میں گئے وقت کے تکلیف دہ مناظر آج پھر متحرک ہو گئے تھے

اڑتی ہوئی گرد نے دھندلا کر دیا تھا، ان کی پیشانی پہ بار بار شکنیں نمودار ہوتیں

ہیں۔

مر کی نگاہوں کے سامنے تو شاید یادوں کا ایک کارواں تھا جو چپ چاپ گزرا

اندر کمرے میں منجمد سی خاموشی تھی۔

اور بے حد تکلیف دہ سناٹا تھا۔

باہر ہواؤں کا شور تھا۔

درختوں کے جھومنے کی صدائیں تھیں۔

اور سوکھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ تھی۔

شاید سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ اس خاموشی کو توڑنے میں پہل کون

آخر کار ظفر احمد صاحب نے خاموشی کو توڑا۔

"کیسے آنا ہوا جمیلہ بیگم؟"

جمیلہ بیگم شاید اس دوران اپنے آپ کو بات کرنے کے لئے کافی سنبھال چکی تھیں۔

انہوں نے ظفر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں مینا کے سلسلے میں بات کرنے آئی ہوں۔"

"جی فرمایئے۔ مینا کے سلسلے میں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

جمیلہ بیگم نے ایک نگاہ اپنے برابر بیٹھی ہوئی مینا پر ڈالی۔

بھابی نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے مینا سے کہا۔

"مینا! تم ذرا کرن کو دیکھنا، ابھی تک سو رہی ہے یا اُٹھ گئی۔"

مینا اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ لیکن آگے جانے کی بجائے وہ کوریڈور میں

رک گئی اور کھڑکی کے قریب کھڑی ہو گئی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"مینا اب سمجھدار ہو گئی ہے۔"

"ہوں" ظفر صاحب نے کہا۔

"اس کی شادی کرنے کا کب تک ارادہ ہے؟"



کی پھوپھی اپنے بیٹے فیصل کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔"

چھا پھر؟"

نے مینا سے اس کی مرضی معلوم کی تھی، اُسے ویسے تو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں

وہ چاہتی ہے کہ ایم۔ اے کرنے سے پہلے اس قسم کا کوئی سلسلہ نہ شروع کیا جائے اور خود

بھی یہی مرضی ہے۔"

میرا خیال ہے کہ مینا کی ماں ہونے کے ناطے میرا بھی کچھ حق بنتا ہے اس پر۔"

جی ہاں کیوں نہیں۔"

ظفر صاحب نے لفظ حق پر خاصا زور دیا۔ مینا کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے ظفر صاحب طنز کر

رہے ہوں۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

میری خواہش ہے کہ مینا کی شادی اشعر سے ہو۔"

ظفر صاحب نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

کون اشعر؟"

بھائی کا بیٹا ہے ڈاکٹریٹ کر کے آیا ہے، یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے۔"

اچھا۔"

بڑے بھیا نے پہلی بار زبان کھولی۔"

ہو گا اتوار۔"

ظفر صاحب نے کہا۔

بھئی سے کام لو عرفان۔"

بیگم نے کہا۔

"مجھے یقین تو نہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

"اچھا! میرے علم میں یہ بات نہیں تھی۔"

بڑے بھیّا نے کہا۔

نہیں ابّو! مجھے یقین ہے وہ فیصل کو پسند کرتی ہے۔"

ظفر صاحب نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے اپنے یقین کا سہارا لینے کے بجائے مینا سے پوچھ لینا چاہئے۔"

بھابی نے کہا۔

"جی ابّو! آپ کا خیال بالکل مناسب ہے۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"خیال مناسب بھی ہے اور نہیں بھی۔"

سب نے سوالیہ نگاہوں سے جمیلہ بیگم کی طرف دیکھا۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"مینا جیسی لڑکی سے آپ لوگ یہ توقع مت رکھئے۔ وہ اپنے دل کی بات زبان پر لائے گی۔"

سب خاموش تھے۔

جمیلہ بیگم نے پھر کہا۔

"اسے اپنی خوشی زیادہ دوسروں کی خوشی کا خیال ہے۔"

ظفر صاحب نے کہا۔

"آپ کی بات درست سہی لیکن کسی نہ کسی طریقے سے اس کی مرضی معلوم کر لی جائے گی۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"بہت مشکل ہے، وہ اپنے بارے میں صحیح فیصلہ اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک وہ آپ لوگوں کی محبت کے حصار سے باہر نکل کر اپنے لئے نہ سوچے۔"



رف ہم لوگوں کی محبت کی بات نہ کیجئے جمیلہ بیگم! مینا کو آپ سے بھی محبت ہے۔"

احب نے کہا۔

ئی اپنی بات تو نہیں کرتے لیکن آپ کیونکہ مینا کے سلسلے میں بات کرنے آئی ہیں اس لئے

بغیر نہیں رہ سکتا کہ......"

ں نے ایک لمحے کے لئے سامنے والی دیوار پر سے نظریں ہٹا کر جمیلہ بیگم کی طرف دیکھا

تو مینا کی زندگی سے نکل کر چپ چاپ چلی گئیں۔ لیکن اُسے اپنے آپ سے جدا کر کے

ردی کے احساس سے دوچار کر گئیں۔ معلوم نہیں زندگی کے کسی لمحے میں آپ کو

س ہوا یا نہیں۔"

بیگم ایک لفظ نہ بول سکیں۔ سر جھکائے سنتی رہیں۔ ان کے پاس شاید ان باتوں کا کوئی

ی نہیں ہے"

صاحب نے کہا۔

ا حال یہ ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اس احساس نے کبھی بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا

ت قیمتی شئے سے محروم ہے۔"

بیگم نے کہا۔

کی سب باتیں درست سہی لیکن اب ان باتوں کا ذکر کر کے نہ آپ کچھ حاصل کر

ہیں۔"

کرنے یا نہ کرنے کی بات نہیں ہے جمیلہ بیگم! آپ ہماری محبت کے حصار کی

ا تھیں، میں نے اس کا جواب دیا ہے۔"

بیگم خاموش رہیں۔

صاحب نے کہا۔

"آپ اطمینان رکھئے، مینا آپ کی خواہش کا احترام کرے گی۔ اگر وہ اشعر کو پسند کرتی ہے

اسے فیصل کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور نہیں کریں گے۔"

بڑے بھیّا نے کہا۔

"لیکن اگر وہ فیصل کو پسند کرتی ہے تو آپ اسے اشعر کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور

کر سکیں۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اشعر کو ہی پسند کرتی ہے۔"

بھابی نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اس کی مرضی معلوم کر لوں گی۔"

چلتے وقت جمیلہ بیگم پھر مینا سے ملیں اور ظفر صاحب سے بولیں۔

"اگر آپ لوگ کبھی کبھی مینا کو مجھ سے ملنے کے لئے بھیج دیا کریں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

"ہم نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، وہ جب چاہے ملنے جا سکتی ہے۔"

پھر ظفر صاحب نے مینا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کیوں مینا بیٹی! ہم نے تمہیں منع تو نہیں کیا۔"

"نہیں ابّو۔"

پھر اس نے جمیلہ بیگم سے کہا۔

"میں امتحانوں میں مصروف تھی اس لئے نہیں آسکی۔"

بڑے بھیّا کے لئے اشعر والی بات شاید پسند یدہ نہیں تھی۔ رات کے کھانے کے بعد

لان کی طرف جاتے ہوئے سُنا۔

بڑے بھیّا ابّو سے کہہ رہے تھے۔

"میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد مینا کی شادی نہیں تو منگنی ہو جانی چاہیئے۔ مجھے ...



... اس قسم کا کوئی سلسلہ ضرور شروع کیا جائے گا۔"

... نے کہا۔

"... اشعر والی بات درست ہے تو ہم مینا کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔"

... بھیّا نے کہا۔

"... مجھے تو مینا کی شادی اشعر کے ساتھ کسی صورت بھی منظور نہیں۔"

... آگے ظفر صاحب نے کیا کہا ــــ مینا نے نہیں سُنا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔

... بڑی دیر تک وہ تنہا ٹہلتی رہی اور سوچتی رہی ــــ اپنے ابّو کے بارے میں، اپنی امّی

... اشعر کے بارے میں، فیصل کے بارے میں۔

... ابّو سے بہت مظلوم نظر آئے۔

... بیگم کی باتوں سے اُسے خود غرضی کی بو آتی تھی۔

... نے سوچا۔

... سلسلہ پھر نئے سرے سے شروع ہوگا۔

... مجھ سے پوچھیں گی میں کسے پسند کرتی ہوں۔

... اتنے بہت سارے لوگوں کی خواہشوں اور آرزوؤں کے بیچ میں میری اپنی پسند اور

... اہمیت ہی کیا ہے۔

... جب کہ میں اس حقیقت کو بھی تسلیم کر چکی ہوں کہ میرے لئے جو کچھ اشعر ہیں وہ

... سکتے۔

رات دبے پاؤں گزر رہی تھی۔

سب کے کمروں کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔

شاید سبھی بے خبر سو رہے تھے۔

تاریکی تو اس کے کمرے میں بھی تھی۔

لیکن اس کی آنکھیں۔

اس کی بے خواب آنکھیں۔

جانے کیسے کیسے ادھورے سپنوں کے جال بُن بُن کر ادھیڑ رہی تھیں۔

منتشر سوچیں۔

الجھے ہوئے خیالات۔

چہروں کے بنتے اور بگڑتے ہوئے نقوش۔

مختلف جملوں کی بازگشت۔

اتنا شور، اتنا طوفان تھا۔

پھر نیند کس طرح آجاتی۔

باہر سیاہی مائل نیلگوں آسمان پر چاند اپنی چھب دکھلائے جا رہا تھا۔

جھلملاتے ہوئے تاروں کا قافلہ بنا آہٹ کے گزرے جا رہا تھا۔

ہوا فرن کے پودوں کے درمیان سیٹیاں بجاتی ہوئی گزر رہی تھی۔



نچے اونچے درختوں کے جھومنے کی صدائیں بلند تھیں۔

ب شور بپا تھا جو رات کی خاموشی اور سناٹے کا سینہ چیر رہا تھا۔

ر اندر خود اس کے من مندر بھی جانے کیسی صدائیں تھیں۔

وازوں پہ آوازیں۔

ار پر پکار۔

ینا! بینا! نہیں، تم ایسا مت کرو۔

ز ماں بوجھ کر اپنے آپ پہ ظلم مت کرو۔

زندگی بڑی قیمتی شے ہے۔

بہت انمول چیز۔

زندگی بار بار تو نہیں ملا کرتی۔

زندگی کے خزانے سے خوشیاں اور مسرتیں سمیٹنا تمہارا حق ہے۔

نے کیا قصور کیا ہے؟ تمہارا جرم کیا ہے؟

س جرم کی پاداش میں تم گھٹ گھٹ کر جینے کا فیصلہ کرنا چاہتی ہو۔

جب تمہارا دل اور دماغ اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ تم اشعر کو چاہتی ہو تو پھر اس
راستے کو چھوڑ دینا چاہتی ہو جس پہ چل کر تمہارے قدم اشعر تک پہنچتے ہیں۔"

رے کی تاریکی میں دو چہرے تھے۔

یک چہرہ اشعر کا اور دوسرا جمیلہ بیگم کا۔

شعر۔۔۔ اس کی اپنی چاہت۔

جمیلہ۔۔۔ اس کی امی کی پسند۔

نے کے جانے کتنے گہرے اور طویل سمندر کو عبور کر کے ایک ماں اپنی بیٹی تک پہنچی تھی۔

یک پھیلے ہوئے ہاتھ خوشی کی بھیک مانگ رہے تھے۔

اس خوشی کی جس کا محور صرف اس کی بیٹی تھی۔

خوشی تو شاید اسے اس وقت بھی ملی ہوگی جب اس نے ظفر صاحب سے طلاق لے کر [illegible] سے شادی کر لی تھی۔

مگر یہ خوشی اُس خوشی سے بالکل جُداگانہ تھی۔

گزرتا ہوا ہر لمحہ ایک نئے احساس سے دوچار کرتا ہے۔

خوشی مسرّت، رنج و غم۔

کچھ کھو دینے کے بعد کچھ پا لینے کی تمنّا۔

کچھ مل جاتے تو اس کے ایک بار پھر کھو جانے کے اندیشے اور وسوسے۔

کسی سے جدائی کا تصوّر

زندگی اور کیا ہے۔

بس انہی جذبات اور احساسات کی ایک کہانی ہی تو ہے۔

یوں دیکھیں یوں سوچیں تو ہر صورت ایک کہانی ہے۔ مکمل کہانی۔

ہر چہرہ ایک افسانہ ہے۔ مکمل افسانہ

وہ جو وقت کے گہرے سمندر کو عبور کر کے اپنی بیٹی تک پہنچی تھیں انہیں اپنے [illegible] کی شدّت کا اندازہ تھا۔

اور خود مینا جو درد کے جانے کتنے طویل فاصلے کو طے کر کے حمیلہ بیگم تک پہنچی تھی [illegible] کے اس موڑ پر کیسی اُلجھن کا شکار ہوگئی تھی۔

وہ سوچتی تھی۔

میری زندگی بھی کیا زندگی ہے۔

حلقہ در حلقہ ایک زنجیر سی بنتی چلی جاتی ہے۔



…کی زنجیر

…زنجیر کی گرفت روز بروز مجھ پہ سخت ہی ہوتی جا رہی ہے۔

…کے اس سفر میں ابھی اور جانے کتنے موڑ آنے باقی ہیں۔

…راستے کے بعد دوسرا راستہ

…موڑ کے بعد ایک نیا موڑ۔

…چہرے کے بعد دوسرا چہرہ۔

…فیصل، کبھی اشعر اور کبھی جہانگیر

…امی، بڑے بھیا۔

…ہاتھ تھاموں؟ کس کا چھوڑ دوں؟

…کی بات مانوں؟ کس کی نہ مانوں؟

…کی محبت کا بھرم رکھوں۔

…بات کا احساس تو اسے تھا کہ اس کی امی سراسر خود غرضی دکھا رہی تھیں۔ یہ تو سچ تھا کہ …کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ سب کچھ کرنے پہ آمادہ ہوگئی تھیں لیکن ان کی ممتا اس وقت …تھی جب وہ ننھی سی جان کو چھوڑ کر سجاد صاحب کے ساتھ چل دی تھیں۔ ایک …تھا جو انہوں نے مینا سے دور رہ کر گزارا، اس وقت انہیں اپنی بیٹی سے جدائی کا …نہیں ہوا۔

…دل چاہتا تھا کہ کبھی وہ اپنی امی سے پوچھے کہ اس کو اپنے آپ سے جُدا کرتے …لمحات کیا تھے۔

…نہیں اس بات کا خیال نہیں آیا کہ اپنی ماں سے جُدا ہو کر وہ بچی کس طرح پلی ہوگی۔ …کن کن مراحل سے گزر کر اس کو اتنا بڑا کیا ہوگا۔ …مشکلوں اور صعوبتوں کے سارے مراحل گزر گئے تو ماں اپنا حق جتانے آ گئی تھی۔

یہ خود غرضی نہیں تو اور کیا تھی۔

چاند سرکتے سرکتے جامن کے گھنے اور اونچے درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

ہواؤں کی رفتار مدھم پڑ گئی تھی۔

رات کا کتنا بہت سارا حصہ بیت چکا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی نیند کا نام نہ
گھنٹوں سوچنے کے بعد وہ یہی فیصلہ کر سکی تھی کہ دنیا سراسر جھوٹ بول رہی ہے گی وہ
اسے اتنی شعر پسند نہیں۔

اس نے شام ہی اپنے کانوں سے سنا تھا کہ بڑے بھیا کو یہ رشتہ منظور نہیں تھا انہوں
نے اس کی خوشی اور مرضی پر یہ بات چھوڑ دی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ انہیں ذاتی طور
یہی پسند ہیں۔

اس نے سوچا۔

کہ جمیلہ بیگم نے طلاق لینے کے بعد ابو نے جس کے لئے ساری زندگی یونہی گزار دی
اور کسی نہیں خود اس کی ذات تھی اور اب جب کہ ان کی خواہش، ان کے ارمان اور ان ک
پورا ہونے کا وقت آیا ہے تو وہ اپنی امی کا فیصلہ قبول کر کے انہیں یہ احساس نہیں ہونے د

بیٹی نے آخر کار ماں کا ہی ساتھ دیا۔

باپ کی حیثیت اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں تھی۔

دوسرے ہی روز ڈرائنگ روم میں گھر کے سب افراد کی میٹنگ ہوئی چچا جان ا
بھی شریک کیا گیا تھا مینا کو معلوم تھا کہ موضوع بحث اس کی ذات ہے وہ آس پاس کے
کمرے میں بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی لیکن اس کا دل و دماغ ادھر ہی تھا۔

رات کو بھابی نے اس سے پوچھا تو اس نے کہہ دیا۔

"میرا فیصلہ اب بھی وہی ہے۔"

بھابی نے کہا۔



چ سوچ لو، وقت تمہیں موقع دے رہا ہے۔"

کہا۔

سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہے۔"

نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

دنیا دوسروں کی خوشیوں کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر لگاتے کا انجام بعض اوقات
ہے۔"

صرف دوسروں کی ہی خوشی نہیں ہے، میری اپنی خوشی بھی شامل ہے۔"

نے کچھ اس انداز سے اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں۔

کس قدر حماقت آمیز فیصلہ کر رہی ہو تم۔

انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا سر جھکائے ہوئے چلی گئیں۔

سوچا۔

چلو نے ایک اہم معاملے کا فیصلہ ہوا تو سہی۔

کس طرح بھی ہوا۔ اب انجام جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اللہ مالک ہے۔

گھر والوں پر فیصلہ کر کے اور بھابی کو اپنا فیصلہ سنا کر مطمئن سی ہو گئی لیکن اسے کس قدر حیرت ہوئی
یہ معلوم ہوا کہ فیصل نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ نہ صرف وہ بلکہ
ان کی والدہ نے بھی ... مینا کے دل و دماغ پر ایک سناٹا سا چھا گیا وہ فیصل
سے ان سے پوچھنا چاہتی تھی آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا لیکن فیصل کتنے دنوں
سے غائب تھے۔ اس نے دو تین دفعہ فیصل کو ٹیلیفون کیا انہوں نے مصروفیت کا بہانہ
کر دیا پھر بھی ماں کے ذریعہ پہنچ...

آخر فیصل کے چہرے پر بے نیازی ... آ کر گزر گئے مگر انہوں نے جلد ہی اپنے
سب کی موجودگی میں مینا کو ان سے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا مگر۔

کی آذان ہوئی تو سب نماز پڑھنے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے لان میں وہ دو
رہ گئے۔

فیصل نے پوچھا کیسی ہو مینا؟"

"ٹھیک ہوں آپ سنائیے۔"

"بس دعائیں ہیں تمہاری۔"

مینا نے کہا۔

"کیا بات ہے آجکل آپ بہت مصروف رہتے ہیں۔"

"ہاں کام کچھ زیادہ ہے۔"

"بالکل فرصت نہیں؟"

"نہیں"

"اتنی بھی نہیں کہ دس پندرہ منٹ کے لئے آکر مجھ سے بات کر لیتے۔"

فیصل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ہاں۔"

"کس موضوع پہ؟"

"موضوع آپ بھی جانتے ہیں۔"

فیصل نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

"دیکھو مینا! تم تو حماقت کر رہی ہو لیکن۔۔۔۔"

وہ چند سیکنڈ کے لئے رکے۔

مینا نے استفہامیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

فیصل نے کہا۔

حماقت کر سکتا ہوں نہ اس حماقت میں تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں۔"

نہیں آپ کا اشارہ کس بات کی طرف ہے"

نے کہا۔

بات اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے کہ تم اور راشعر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔"

بچنے کی کوشش کی تو فیصل نے کہا۔

بولنے سے کوئی فائدہ نہیں، مجھے بہت باوثوق ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔"

جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس قدر شرمندہ ہونے والی بات نہیں ہے تم سر اوپر اٹھا کر بات کرو۔"

لے مجھے شرمندہ کرنے میں کوئی کسر باقی بھی رکھی ہے؟"

بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔"

کہا۔

ہے۔ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ نے کیوں انکار کیا۔"

بولنے کے بعد میں نے یہی فیصلہ کرنا مناسب سمجھا۔"

افسوس نہیں ہوا۔"

افسوس"

سے آپ۔۔۔۔"

ادھوری چھوڑ دی۔ فیصل سے نگاہیں ملا کر بات کرنے کی اس میں ہمت

کا مطلب سمجھ کر قدرے مسکراتے اور بولے۔

"یہی کہنا چاہتی ہو نا کہ آپ خود بھی تو مجھے پسند کرتے ہیں۔"

بینا سے کوئی جواب نہ بن پڑا وہ خاموش بیٹھی رہی۔

فیصل نے کہا۔

"جہاں تک میری پسند کا تعلق ہے تو یہ یکطرفہ ہے لیکن تمہارا اور اشعر کا معاملہ دونوں طرف سے ہے۔۔۔"

فیصل بات ادھوری چھوڑ کر مسکرائے۔

بینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

فیصل نے کہا۔

"اب یہ آہیں بھرنا چھوڑ دو اور عقلمندی سے کام لیتے ہوئے تم اشعر کے لئے ہاں

بینا نے حیرت زدہ ہو کر فیصل کی طرف دیکھا۔

اس نے پوچھا۔

فیصل کس قدر فراخدلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

کتنی آسانی سے وہ اپنے حق سے دستبردار ہو رہے ہیں۔

میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ مجھے بے پناہ چاہتے ہیں۔

لیکن پھر بھی۔۔۔

فیصل نے پوچھا۔

"تم کیا سوچنے لگیں۔"

"آپ کے ظرف کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

فیصل نے کہا۔

"اب تم میرے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔"



کہا۔

عمر میں سب لوگ میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔"

نکر رہو میں ہر بات اپنے اوپر لینے کو تیار ہوں۔"

الجھتے ہوئے کہا۔

کیا ہوگا؟ یہ زیادتی نہیں ہے آپ کے ساتھ۔"

کوئی زیادتی نہیں ہے زیادتی تو تمہارے ساتھ ہوگی اگر تمہیں زبردستی میرے ساتھ

پریشان نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔

نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

بینا! مرد تو اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح سنبھال ہی لیتے ہیں لیکن لڑکیاں ایسی باتوں

لیتی ہیں۔ وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہیں۔ تم خود ہی بتاؤ اس طرح جینے کا کیا فائدہ؟"

نے سوچا۔

بھائی غلط تو نہیں کہتے لیکن پھر بھی اگر دیکھا جائے تو ان تمام حالات میں فیصل بھائی

ہے جو میں انہیں اتنی بڑی سزا دوں؟

نے کہا۔

تمہارا دوسروں کی خوشیوں کا خیال ہے تو میں کیسے چند لوگوں کی خوشیوں کو نظرانداز کر کے

تھا ہوں۔"

تمہاری امی اشعر اور ان کے گھر والے۔"

کہنا چاہا تو فیصل نے کہا۔

خوش رہو، دوسروں کو بھی نیک بننے کا ذرا سا موقع دو۔۔۔

بینا بے ساختہ مسکرا دی۔

پھر پھوپھی اماں اِدھر آ گئیں تو دونوں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا رات کو مینا گھر لوٹی

تو اس کے دل کا رہا سہا سکون بھی رخصت ہو چکا تھا۔ فیصل نے اس کی خاطر یہ جو ایک بہانہ فیصلہ

والوں کو سنایا تھا اسے سُن کر مینا اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگی تھی۔ اسے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ

فیصل سے کس نے یہ بات کہی تھی اسے یقین تھا بھابی تو ایسا نہیں کر سکتیں۔ بھابی کو اس نے

سے منع کر دیا تھا وہ اس کی مرضی کے بغیر ایسا قدم اٹھا ہی نہیں سکتی تھیں پھر اس کا خیال امی کی

گیا فیصل کو شبہ تو تھا لیکن ان کے شبہ کو یقین میں بدلنے والی ہستی اس کی امی کے سوا اور کس کی ہو

اسے جمیلہ بیگم کی خود غرضی پر بے حد افسوس ہوا۔

اس نے سوچا۔

اگر امی اپنی خود غرضی پر اُتر آئی ہیں تو میں ان کی یہ خواہش نہیں پوری ہونے دوں گی

ہے کہ اصغر سے شادی نہ ہونے کا مجھے بے حد افسوس ہوگا۔ لیکن مجھے یہ اطمینان تو ہوگا کہ میں

ایک خود غرض عورت کی خواہش کے آگے سر جھکا کر اپنے باپ اور بھائیوں کا دل نہیں توڑا۔

اگلے روز جب آسیہ سے اس کی ملاقات ہوئی تو وہ اس سے یہ سُن کر حیران رہ گئی کہ

شبہے کو یقین میں بدلنے والی جمیلہ بیگم نہیں آسیہ تھی انہوں نے آسیہ کو قسم دے کر پوچھا

نے سب کچھ اگل دیا بلکہ اس نے جہانگیر کو بھی یہ اطلاع دے دی کہ فیصل اور مینا والا معاملہ

ختم ہو چکا ہے۔ مینا آسیہ پر بہت ناراض ہوئی آسیہ نے اس کی ناراضگی کا کوئی اثر نہیں لیا

اطمینان کے ساتھ اسے یہ خبر دی کہ جہانگیر کے گھر والے چند روز میں رشتہ لے کر آنے والے

مینا نے پریشان ہو کر اپنا سر تھام لیا۔

آسیہ نے کہا۔

"مینا! میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ تم اصغر کو بھول جاؤ

جہانگیر سے شادی کر لو۔"



مینا خاموش رہی۔

آسیہ نے کہا۔

"میں سچ کہتی ہوں کہ تمہاری جان کے ساتھ چلنے بھی جھگڑے بکھیڑے ہیں سب ختم ہو جائیں گے

جہانگیر سے شادی کر لو تو۔"

"معلوم نہیں جھگڑے بکھیڑے ختم ہو جائیں گے یا کوئی نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔"

"کوئی مسئلہ نہیں اُٹھے گا تم میری بات مان کر تو دیکھو۔"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا اسی وقت بھابی آ گئیں۔ آسیہ نے ساری روداد نہیں سُنائی

تھی تو مینا اُٹھ کر چلی گئی۔ بعد میں جب بھابی نے اس سے پوچھا۔

"مینا! یہ جہانگیر والا کیا قصہ ہے تم نے تو مجھ سے ذکر نہیں کیا۔"

مینا نہیں کیا جواب دیتی، چپ چاپ بیٹھی رہی۔

آسیہ نے کہا۔

"میں آپ کو بتا تو چکی ہوں کہ اس میں اس بے چاری کا کوئی قصور نہیں۔"

بھابی نے کہا۔

"ہاں مینا کا قصور تو نہیں لیکن تمہارے بھیا اور ابو تو یہی سمجھیں گے کہ ہم لوگ اندر ہی اندر

نہ جانے کیا کھچڑی پکاتے رہتے ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"جہانگیر کے گھر والے آئیں تو آپ انکار کر دیجئے گا۔"

آسیہ نے کہا۔

"حماقت کی باتیں مت کرو، صحیح مشورہ ماننا تو تم نے سیکھا ہی نہیں۔"

وہ جھنجھلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

جہانگیر کے گھر والوں نے مینا کے گھر آنے سے پہلے ٹیلیفون کیا یہ خبر حیران کن تو سبھی کے لئے

تھی لیکن عرفان بھائی خلافِ توقع کچھ مطمئن سے تھے ان کے اطمینان کے پس پشت شاید یہ سوچ
ہو گا کہ چلو اچھا ہے مینا کی شادی اگر فیصل سے نہیں تو اشعر سے بھی نہیں ہو گی، جمیلہ بیگم کی خواہش تو
پوری نہیں ہو سکے گی۔

جہانگیر کے گھر سے اس کی امی، بہن بھابی اور اس کے ابا آئے تھے۔ بڑے بھیا نے ان کا پرتپاک
خیر مقدم کیا اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد ان لوگوں نے حرفِ مُدعا بیان کیا۔

بڑے بھیا کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسی وقت حامی بھر لیں البتہ ظفر صاحب (مینا کے تو
سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے یوں بھی اس قسم کے معاملوں کو فوری طور پر توڑے نہیں کر لیا کرتے
جہانگیر کے ابا (بشیر صاحب) لڑکے لڑکی کی پسند پر زور دیتے رہے لیکن ظفر صاحب نے یہ کہہ کر
معاملے کو التوا میں ڈال دیا کہ میں اپنی بہن اور بھائی سے مشورہ کر کے کوئی جواب دوں گا ان کی بات
معقول بھی تھی لیکن عرفان بھائی کی بے چینی قابلِ دید تھی۔

جہانگیر کے گھر والوں کے رخصت ہونے کے بعد بڑے بھیا اور ظفر صاحب میں بحث چھڑ گئی
بڑے بھیا کی خواہش تھی کہ اس رشتہ کو منظور کر لیا جائے۔

چھوٹے بھیا کا کہنا یہ تھا کہ جلد بازی سے کام لینے کے بجائے سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کیا جائے۔
نازیہ نے اپنی زبان ہی بند کر رکھی تھی۔ اسے رہ رہ کر اس بات پر افسوس ہو رہا تھا کہ فیصل بھائی
نے مینا کے ساتھ شادی کرنے سے کیوں انکار کر دیا۔ بھابی کا کہنا یہ تھا کہ بجائے آپس میں الجھنے
اور بحث کرنے کے مینا سے پوچھ لیا جائے اگر اسے جہانگیر کا رشتہ منظور ہے تو جہانگیر اور ان
کے خاندان کے بارے میں چھان بین کر کے ان لوگوں کو ہاں میں جواب دے دیا جائے۔

بھابی نے اس سے کہا۔

"دیکھو مینا! فیصل والا معاملہ تو ختم ہی ہو گیا۔ اب تمہارے سامنے اشعر اور جہانگیر کا رشتے ہے
تم اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ دونوں میں سے جسے بھی تمہارا دل و دماغ قبول کرے ہم
کے لئے رضامندی دے دیں گے۔"



بنا کے اپنے سوچوں کے دروازے ایک بار پھر کھل گئے کتنی مشکلوں سے اس نے ایک فیصلہ
اپنے آپ کو مطمئن کیا تھا۔ لیکن فیصل کے انکار نے سب کچھ ملیامیٹ کر دیا اور اب جہانگیر
والوں نے آ کر اس کا رہا سہا سکون بھی ختم کر دیا۔

اشعر کو دل سے چاہنے کے باوجود ان کے حق میں فیصلہ کرنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔
اسے فوراً ہی جمیلہ بیگم کی خود غرضی کا خیال آتا تھا۔
اسے یہ احساس ہونے لگتا تھا کہ اگر اس نے اشعر سے شادی کر لی تو وہ تمام زندگی اپنے
اپنے باپ اور بھائیوں کی نظروں میں مجرم سمجھی رہے گی۔
یوں کہنے کو فیصل نے کہا تھا کہ مرد اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں۔
مگر سارے مرد ایک سے نہیں ہوتے۔
اگر فیصل وقت کے اس کاری زخم کو سہ نہ سکے۔
اگر انہوں نے مینا کی یاد میں ہی اپنی عمر تمام کر دی۔
تو پھر احساسِ جرم کی شدت میں کچھ اور اضافہ نہیں ہو جائے گا؟
اور اتنے سارے لوگوں کی خوشیوں کی دُنیا کو ویران کر کے اپنے دل کی دنیا بسا لینے کا احساس
اس کے لئے اذیت ناک تھا۔
ساری عمر احساسِ جرم کی سولی پہ لٹکنے کی ہمت وہ اپنے آپ میں کہاں سے لاتی۔
اپنے اردگرد سے بے نیاز ہو کر۔
سب کی طرف سے نگاہیں پھیر کر۔
سب کے احساسات و جذبات کو نظر انداز کر کے۔
ایک اشعر کو وہ اپنا بنا تو لیتی۔
لیکن کیا یوں بھلا درد کے فاصلے سمٹ جاتے۔
نہیں، شاید یہ فاصلہ کچھ اور طویل ہو جاتے۔

وہ لمحہ جب اس کے شعور نے پہلی بار بیدار ہو کر اسے کسی احساس سے دوچار کیا تھا۔

اس لمحے سے لے کر آج تک کی داستان کو جب وہ دُہرانے بیٹھی تو نہ اس کا دل راضی ہو رہا تھا۔

اس کا دل نہیں مانا۔

اس کے ضمیر نے بھی اجازت نہیں دی۔

وہ اشعر کے حق میں فیصلہ کر ہی نہ سکی۔

اونگھتی ہوئی رات کا ایک ایک لمحہ ایک صدی بن کر گزرتا رہا۔

باہر ہواؤں کے جھکڑ چلتے رہے۔

جھومتے پتوں کا شور۔

سوکھے زرد پتوں کی کھڑکھڑاہٹ

ایسا لگتا تھا جیسے آندھی ہو گئی ہو۔

جیسے طوفان آگیا ہو۔

اندر اس کے دل و دماغ میں ایک شور بپا تھا۔

"ہاں" اور "نہیں" کی تکرار سن کر اسے اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

یہ ہنگامہ، یہ شور صبح ہونے تک جاری رہا۔

صبح کی پہلی کرن جاگی تو اس نے اس اذیت ناک رات کے گزر جانے پر خدا کا شکر ادا کیا اور

وضو کرنے کے لئے غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

دوپہر کو جب بھابی کو گھر کے کاموں سے فرصت ملی تو وہ کرن کو گود میں لئے مینا کے کمرے

میں چلی آئیں وہ رائٹنگ ٹیبل پہ رکھی ہوئی چیزوں کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔

"آیئے بھابی"

وہ ڈسٹر ایک طرف ڈال کر ہاتھ دھونے غسل خانے کی طرف چلی گئی۔ واپس آئی تو کرن

ں گود میں آنے کے لئے مچل رہی تھی اس نے کرن کو بھابی کی گود سے لے لیا۔ اس نے محسوس کیا



بھابی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

آخر کار وہ پوچھ ہی بیٹھیں۔

"معلوم ہوتا ہے رات کو تمہیں ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔"

مینا نے سوچا۔

آپ ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں، مجھے رات بالکل نیند نہیں آئی۔

لیکن اس نے بھابی سے یہی کہا۔

"جی! کافی دیر میں نیند آئی مجھے۔"

"آنکھیں متورم ہو رہی ہیں تمہاری۔"

مینا خاموش رہی۔

بھابی نے پھر کہا۔

"یقیناً تم رات گئے تک سوچتی رہی ہو۔"

مینا نے کہا۔

"اپنی زندگی میں سوچوں کے سوا اور ہے کیا۔"

بھابی نے کہا۔

"سوچیں کس کی زندگی میں نہیں ہوتیں، لیکن تمہیں تو جیسے سوچنے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔"

مینا کے ہونٹوں پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

بھابی نے کہا۔

"اس قدر سوچنے کے بعد کسی نتیجے پر بھی پہنچیں۔"

"ہاں کسی نہ کسی نتیجے پر تو پہنچنا ہی تھا۔"

"گویا تم نے کوئی فیصلہ کر ہی لیا۔"

"جی"

"اچھا! پھر ووٹ کس کے حق میں پڑا؟"

بھابی نے مسکرا کر پوچھا۔

مینا بھی ان کی بات سن کر مسکرائی اور بولی۔

"ووٹ جہانگیر کے حق میں پڑا۔"

"جہانگیر کے حق میں!"

بھابی کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

مینا نے کہا۔

"جی! آپ اتنی حیرت زدہ کیوں ہو رہی ہیں۔"

"حیرت زدہ ہونے کی تو بات ہی ہے۔"

"کیوں؟"

"تم اشعر کو پسند کرتی ہو، وقت نے تمہیں اس بات کا موقع بھی دیا کہ تم اشعر کے حق میں فیصلہ کرو پھر بھی!"

اصل میں بات یہ ہے بھابی کہ عمر بھر اپنے ضمیر کی چوٹ برداشت کرنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔"

بھابی چپ چاپ اس کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔

مینا نے کہا۔

"بعض آوازیں عمر بھر ہمارا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔ میں اپنے ضمیر کی آوازوں سے بچ کر کہاں جاؤں گی؟"

بھابی سوچوں میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولیں۔

"ہاں! یہ تو سچ ہے۔"

"پھر آپ ہی سوچئے۔ میرا فیصلہ درست ہے یا غلط؟"



ابی نے پوچھا۔

"وش ہو اپنے فیصلے پر؟"

نے کہا۔

"یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ میں خوش بھی ہوں لیکن میں مطمئن ضرور ہوں۔"

ں" بھابی نے ایک گہری سانس لی۔

"ہو سکتا ہے کچھ وقت گزر جانے کے بعد میں خوش بھی ہو جاؤں"

ابی نے کہا۔

"چا تو پھر میں تمہارے بھیا کو بتا دوں"

"بتا دیجئے۔"

لی گئیں تو مینا پھر اپنے کمرے کی صفائی میں لگ گئی۔

ام کو ڈرائنگ روم میں پھر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا بھابی نے سب کو بتا دیا تھا کہ مینا جہانگیر ئی ہے۔ موضوع بحث اس وقت جہانگیر ہی تھا۔ بڑے بھیا روز اول ہی جہانگیر کے حق میں تھے لیکن ظفر صاحب کو جہانگیر کے رشتے پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس نے اسی ے کا امتحان دیا تھا اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں ابھی اسے خاصا وقت لگے گا۔

ے بھیا نے کہا۔

"گیر کے باپ کا اتنا بڑا کاروبار ہے پھر اسے نوکری کے سلسلے میں کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟"

احب کو مینا اور جہانگیر کی عمروں کے برائے نام سے فرق پر بھی اعتراض تھا ان کا نظریہ ے لڑکی کی عمروں میں کم از کم پانچ چھ سال کا فرق ضرور ہونا چاہیئے۔

ے بھیا کا کہنا یہ تھا کہ مینا کے ایم اے کرنے سے پہلے اس قسم کا کوئی سلسلہ نہیں شروع کرنا کہ ایم اے کرنے میں ایک سال باقی تھا اور جہانگیر کے گھر والے فوری طور پر منگنی پر

نہیں بلکہ نکاح پر زور دے رہے ہیں۔

کمرے میں بیٹھا ہوا ہر شخص اپنی اپنی رائے دے رہا تھا مینا ڈرائنگ روم کے سامنے والے کوریڈور میں دریچے کے قریب کھڑی سب کی گفتگو سن رہی تھی۔

جہانگیر کے گھر والوں کو ابھی جواب بھی نہیں دیا گیا تھا کہ ایک شام جمیلہ بیگم پھر اچانک آ پہنچیں۔ سب لوگ ذرا دیر قبل ہی لان سے اٹھ کر اندر آئے تھے۔ شازیہ اور چھوٹے بھیا اپنے کمرے میں چلے گئے تھے باقی لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے ملازم نے جمیلہ بیگم کے آنے کی اطلاع دی تو سب کی نگاہیں بے اختیار ایک دوسرے کی طرف اٹھ گئیں۔ بھابی کرن کو مینا کے قریب بٹھا کر باہر چلی گئیں۔ چند ہی منٹ بعد وہ جمیلہ بیگم کو ساتھ لئے ہوئے اندر آ گئیں جمیلہ بیگم سفید ساڑھی اور بلاؤز میں اس وقت بڑی باوقار نظر آ رہی تھیں۔ گردن پر بندھا ہوا بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا ان کی تمکنت میں کچھ اور اضافہ کر رہا تھا ظفر صاحب نے ایک سرسری نگاہ ان پر ڈالی لیکن بڑے بھیا کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھا۔ مینا نے اٹھ کر انہیں سلام کیا۔ تو وہ اس کی پیشانی چوم کر چند سیکنڈ تک اسے گلے سے لگائے کھڑی رہیں۔

بھابی نے مینا سے کہا۔

" مینا اپنے چھوٹے بھیا اور شازیہ کو بھی بلا لاؤ۔"

مینا نے ان دونوں سے کہا۔

" آپ کو اور شازیہ بھابی کو ڈرائنگ روم میں بلا رہے ہیں۔"

چھوٹے بھیا نے پوچھا۔

"کیوں خیریت ؟"

"جی! کوئی ملنے آیا ہے۔"

" کون ملنے آیا ہے۔"

شازیہ نے پوچھا۔



... کہتے ہوئے جھجک سی محسوس ہوئی کہ امی آئی ہیں۔

... نے کہا۔

... خود ہی دیکھ لیجئے گا۔"

... بڑے بھیا نے کہا۔

... بھی پتہ تو چلے۔"

... شازیہ نے بھی مسکرا کر کہا۔

... اور کیا، ایسا کون شخص ہے جس کا نام بھی تم نہیں لے سکتیں ؟"

... منٹ تک چھوٹے بھیا اور شازیہ یہ کہہ کہہ کے تنگ کرتے رہے کہ پہلے بتاؤ کون آیا ہے؟ پھر جائیں گے۔

مینا کی کیفیت یہ تھی کہ اپنی امی کا نام لیتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کرتی تھی۔

... سی ہو گئی لیکن آخر کار اسے بتاتے ہی بن پڑی۔

... نے مدھم آواز سے کہا۔

... آئی ہیں۔"

... نے چونک کر پوچھا۔

... ممانی جان۔"

... مینا نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

... بھیا اور شازیہ فوراً ہی شرمسار ہو کر بولے۔

... تم چلو، ہم آتے ہیں۔"

... روم میں تو نہیں گئی باہر کوریڈور میں دریچے کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اندر کمرے ... خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ شاید اس وقت تک کسی نے گفتگو کا آغاز نہیں کیا تھا۔ ... اور شازیہ دوسرے دروازے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو مینا کے ... تیز ہو گئیں۔

کمرے میں چند سیکنڈ تک مکمل سکوت طاری رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کمرے میں موجود کوئی بھی شخص
بات کرنے میں پہل کرنے پر آمادہ نہیں ہے ہر شخص اس بات کا منتظر تھا کہ بات کی ابتداء کوئی دوسرا کرے

آخر کار جمیلہ بیگم نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

انہوں نے ظفر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں مینا کے سلسلے میں بات کرنے آئی ہوں ظفر صاحب۔"

ظفر صاحب نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"آپ لوگوں نے کیا فیصلہ کیا؟"

ظفر صاحب نے ایک سرسری سی نگاہ جمیلہ بیگم پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟"

"میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھی۔"

جمیلہ بیگم کی سوالیہ نگاہیں ان کے چہرے پر تھیں۔

ظفر صاحب نے بڑے سکون سے کہا۔

"مطلب یہ ہے جمیلہ بیگم! کہ مینا خود سمجھدار ہے باشعور ہے اس کی شادی کا مسئلہ اس کی زندگی
کا اہم ترین مسئلہ ہے ہم لوگ یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اپنا فیصلہ زبردستی اس پر مسلط کر دیں۔"



...بیگم نے کہا۔

"...ظاہر ہے، ہونا بھی یہی چاہیئے۔"

...صاحب نے کہا۔

"...لیے ہم نے اس معاملے میں مینا کو پوری آزادی دے رکھی ہے، وہ جیسے چاہے اپنی زندگی
...ب کر لے۔"

...بیگم نے پوچھا۔

"...مینا نے کیا فیصلہ کیا؟"

...صاحب نے کہا۔

"...کے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں ایک بات اور واضح کر دینا چاہتا ہوں"

"...یئے۔" جمیلہ بیگم نے کہا۔

...صاحب نے کہا۔

"...تو اس معاملے سے علیحدہ ہی ہو چکا ہے۔"

...بیگم نے چونک کر کہا۔

"...مطلب؟"

"...نے مینا کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے"

...بیگم خوش ہو کر بولیں۔

"...پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔"

... بڑے بھیا دخل اندازی کرتے ہوئے بولے۔

"...یں مسئلہ اب بھی جوں کا توں ہے۔"

...بیگم نے قدرے گردن گھما کر دائیں طرف بیٹھے ہوئے بڑے بھیا پر گہری نظر ڈالی

"کیوں، اب کیا مسئلہ ہے؟"

بڑے بھیا نے ان سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔

"اب مسئلہ یہ ہے کہ فیصل کی جگہ جہانگیر نے لے لی ہے۔"

بڑے بھیا کے ہونٹوں پر کچھ تلخ سی مسکراہٹ تھی اور ظاہر ہے جمیلہ بیگم سے ان کی
چھپا رہ سکا نہ ان کی مسکراہٹ۔

انہوں نے کہا۔

"عرفان! میں تمہارے لہجے کی تلخی اور زہر آلود مسکراہٹ کو اچھی طرح محسوس کر سکتی ہوں"

بڑے بھیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"بہر حال! میں کسی اور موضوع پر بحث کرنے کے بجائے مینا کے سلسلے میں بات کرنا پسند
کروں گی۔"

"جی ہاں موضوع بحث تو مینا ہی ہے۔" چھوٹے بھیا نے بھی زبان کھولی۔

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"یہ جہانگیر کون ہے۔"

بھابی نے کہا۔

"یونیورسٹی میں پڑھتا ہے جہانگیر۔"

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"مینا کا کلاس فیلو ہے؟"

چھوٹے بھیا نے کہا۔

"کلاس فیلو تو نہیں سینئر ہے اس سے۔"

جمیلہ بیگم نے کچھ تیکھے انداز سے بڑے بھیا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔



گر یہ جہانگیر اچانک بیچ میں کیسے آگیا؟"

انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ جہانگیر کے درمیان میں آجانے کا ذمہ دار بڑے بھیا کو

بھیا نے کہا۔

کے ماں باپ رشتہ لے کر آئے تھے۔"

بیگم نے جرح کرتے ہوئے کہا۔

ہے؟"

بھیا نے کہا۔

اس بات کا آپ کو کیا جواب دیا جائے۔"

بیگم نے پوچھا۔

جہانگیر کو پسند کرتی ہے؟"

بھیا نے کہا۔

مجھے نہیں معلوم کہ مینا جہانگیر کو پسند کرتی ہے یا نہیں لیکن بہر حال جہانگیر مینا کو بہت
ہے۔"

نے پیشانی پر شکنیں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے کہ مینا کو کون پسند کرتا ہے بلکہ یہ جاننے کی کوشش
مینا کسے پسند کرتی ہے۔"

بھیا نے کہا۔

جہانگیر پر اختیار دے دیا تھا کہ انتصر اور جہانگیر میں سے وہ جسے بھی چاہتی ہے۔
"

نے بے چینی سے پوچھا۔

"اچھا! تو پھر اس نے کس کے حق میں فیصلہ کیا؟"

بڑے بھیا نے کہا۔

"آپ کو یقیناً افسوس بھی ہوگا اور مایوسی بھی لیکن صورت حال یہی ہے کہ بینا نے ہمایوں کے
میں فیصلہ کیا ہے۔"

جمیلہ بیگم نے بڑی بے قراری سے پہلو بدل کر کہا۔

"نہیں، میں نہیں مانتی یہ بات۔"

چھوٹے بھیا نے کہا۔

"حقیقت یہی ہے۔"

جمیلہ بیگم نے اسی انداز سے کہا۔

"ناممکن، سراسر ناممکن۔"

ظفر صاحب نے کہا۔

"جمیلہ بیگم! بہتر ہوگا کہ آپ بینا کو سامنے بلا کر خود ہی پوچھ لیں۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"آپ لوگوں نے معلوم نہیں کس کس انداز سے اس پر دباؤ ڈالا ہوگا۔"

شازیہ نے اس موقع پر پہلی دفعہ زبان کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں ممانی جان! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

جمیلہ بیگم نے بھابی سے پوچھا۔

"تم بتاؤ شازیہ جو کچھ یہ کہہ رہی ہیں وہ سچ ہے نا۔"

بھابی نے کہا۔

"آپ کسی غلط فہمی کو دل میں جگہ مت دیجئے، ہم لوگوں میں سے کسی نے بھی بینا پر
دباؤ نہیں ڈالا۔"

ظفر صاحب نے کہا۔

"بینا کو ہم لوگوں نے اپنی بساط بھر بڑے ناز و نعم میں پالا ہے، کبھی اس کی کوئی خواہش رد
... تو پھر اب اس کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

جمیلہ بیگم نے بے حد تلخ لہجے میں کہا۔

"ناز و نعم میں پالنا اور بات ہوتی ہے اور شادی کے معاملے میں اولاد کی خواہش کا احترام
دوسری بات ہے۔ بڑے بڑے چاہنے والے ماں باپ دیکھے ہیں۔ جو اس ایک مسئلے کو
انا، خودداری کا مسئلہ بنا کر اپنی اولاد کو جہنم رسید کر دیتے ہیں۔"

جمیلہ بیگم کی نگاہیں گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں انہوں نے پھر بہت زہریلے لہجے میں کہا۔

"میری زندگی کے تجربے نے مجھے اتنا تو سکھا دیا ہے۔"

جمیلہ بیگم کی یہ بات سن کر شاید ظفر صاحب بھی ضبط نہ کر سکے۔

انہوں نے کہا۔

"ماں باپ نے آپ کی خواہش کا احترام نہیں کیا تو کیا ہوا، آپ نے خود تو اپنی خواہش کا احترام
کرتے ہوئے جو کچھ چاہا پا لیا۔ پھر اب ان بچوں کی موجودگی میں یہ گلہ شکوہ کیسا؟"

ظفر صاحب باوجود کوشش کے اپنے لہجے کے طنز کو چھپا نہ سکے۔

جمیلہ بیگم سراپا سلگ کر بولیں۔

"ہاں، جو چاہا پا لیا لیکن کب اور کیسے؟ سارے زمانے کی نفرتیں سمیٹ کر اگر کچھ پایا تو کیا
لوگوں کی زبانوں پر میرے لئے طعنوں کے سوا اور کچھ نہیں، میری اولاد، میرا اپنا خون اس کی
نگاہ میں میرے لئے حقارت کے سوا اور کچھ نہیں اس کے دل میں میرے لئے نفرت کے سوا
... آپ کو یا کسی دوسرے شخص کو بھلا کیا احساس ہو سکتا ہے کہ یہ اتنے بہت سارے سال
... گزار دیئے میں نے اذیتوں کی کن کن منزلوں سے گزر گئی۔"

... نے ایک لمحے کے لئے رک کر طویل سانس لی اور بولیں۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ اپنی ایک آرزو، ایک خواہش کو پورا کرکے میں کوئی ایسا جرم کر رہی ہوں جس کی پاداش میں، میں عمر بھر زمانے بھر کی نفرتوں کا شکار رہوں گی۔“

ظفر صاحب نے کہا۔

”جمیلہ بیگم! آرزو اور خواہش کو پورا کرنا کوئی جرم نہیں ہوتا لیکن آپ اس انداز کو مت بھولیں جو آپ نے اختیار کیا تھا اور نہ عمر کی اس منزل کو فراموش کیجئے جب آپ کو اپنی خواہش کے پورا کرنے کا خیال آیا۔“

جمیلہ بیگم نے کچھ کہنا چاہا تو ظفر صاحب نے کہا۔

”اور آپ کی زبان پر اولاد کی نفرت کی شکایت کیوں ہے؟ اپنی اولاد پر آپ کا صرف یہی احسان تو ہے کہ آپ نے اسے پیدا کیا اس کے بعد آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا انہیں محبت دی، ان کی تربیت کی جب آپ یہ سب کچھ نہیں کر سکیں تو پھر اولاد سے محبت کی توقع کیوں؟“

بڑے بھیا نے ناگواری سے کہا۔

”چھوڑیئے ابو! پرانی باتوں کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔“

ظفر صاحب نے کہا۔

”میں ان خاتون کی شکایات کا جواب دے رہا تھا ورنہ میں بھی جانتا ہوں کہ گزری باتوں کو دہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“

چھوٹے بھیا نے کہا۔

”اصل مسئلہ تو مینا کا ہے بس اسے ہی سلجھا لیا جائے۔“

ظفر صاحب نے کہا۔

”جمیلہ بیگم! آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ ہم لوگوں نے مینا کے اوپر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر اسے جہانگیر کے حق میں فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔“

جمیلہ بیگم نے کہا۔



...میں تو یہی سمجھ رہی ہوں۔“

...صاحب نے کہا۔

...اپنی غلط فہمی دور کر لیجئے اور اس بات کا یقین کر لیجئے کہ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس گھر کی ...پھر دہرائی جائے اور نہ مجھ میں یہ سننے کا حوصلہ ہے کہ میں نے جس بیٹی کو کسی کی عزت بنا ...کر دیا ہے۔ میری اس بیٹی نے اس کی عزت کو سرِ بازار نیلام کر دیا۔“

...صاحب کی آواز یہ کہتے ہوئے بھرا گئی۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھے اور قریبی دروازے ...نکل گئے۔ ڈرائنگ روم کے سامنے والے کوریڈور میں کھڑی مینا کے ہاتھ پاؤں برف کی ...ہو گئے۔ دل کی دھڑکنیں غیر معمولی طور پر تیز ہو گئیں۔

...کمرے میں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔

...سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

...چہروں پر سوگواری تھی اور پریشانی۔

...ایسا لگتا تھا جیسے سب کسی کی تعزیت کرنے کے لئے جمع ہوئے ہوں۔

...درختوں میں مدھم سی سرگوشیاں تھیں۔

...درختوں کی شاخوں میں چھپے ہوئے پرندوں کا ہلکا ہلکا شور تھا۔

...سورج کی آخری کرنیں ڈوب جانے کے لئے بے قرار تھیں۔

...دن بھر کی مسافت طے کر کے تھکا ہوا مسافر اپنی پناہ گاہ میں روپوش ہو جانے کا منتظر تھا۔

...مغرب کی سمت آسمان لالہ گوں تھا۔

...اس کے بعد ایک چپ چاپ گزر رہے تھے۔

...کچھ دیر بعد ظفر صاحب ڈرائنگ روم میں واپس آئے تو وہ نسبتاً پرسکون تھے۔ انہوں نے ...سنبھال رکھا تھا۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے ایک نگاہ اپنے سامنے بیٹھے ...افراد پر ڈالی۔ اور بولے۔

"آپ اس موضوع پر ینا سے بات کرنا چاہتی ہیں تو کر لیجیے۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"ہاں، میں ینا سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

ظفر صاحب نے کہا۔

"آپ چاہیں تو اس سے تنہائی میں بات کر لیں۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"نہیں، پہلے میں سب کی موجودگی میں ہی اس سے بات کروں گی۔"

ظفر صاحب نے کہا۔

"شازیہ بیٹی! جاکر ینا کو بلا لاؤ۔"

ینا کا دل تو یہ چاہتا تھا کہ وہ شازیہ کے ڈرائنگ روم سے نکلنے سے پہلے ہی اپنے میں چلی جائے لیکن اس کے پاؤں جیسے زمین میں جم کر رہ گئے تھے اسے اپنا جسم بالکل محسوس ہو رہا تھا۔

شازیہ اس کے قریب آئی تو اس نے بڑی بے بس نگاہوں سے شازیہ کی طرف

شازیہ نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا! تم یہاں کھڑی سب کچھ سن رہی ہو؟"

ینا دیوار کا سہارا لیے چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

شازیہ نے کہا۔

"چلو، تمہاری پیشی ہے۔"

ینا نے کہا۔

"نہیں، میں نہیں جاؤں گی۔"

"جانا تو تمہیں پڑے گا۔"



ں اپنا جانا قطعی ضروری نہیں سمجھتی۔"

ہت ضرورت ہے ینا۔"

ر کیوں؟"

نی جان کی غلط فہمی دور کرنی ہے وہ سمجھ رہی ہیں کہ ہم سب لوگوں نے تمہیں ڈرا دھمکا کر رتی میں فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

ہا نے تلخ لہجے میں کہا۔

گر وہ غلط فہمی میں ہیں تو رہیں۔"

ہیں غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔"

ینا سوچ میں پڑ گئی۔

شازیہ نے کہا۔

ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تم ان کے سامنے جاکر کہہ دو کہ تمہیں کسی نے مجبور نہیں کیا۔"

ینا نے کہا۔

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے مجھے تو اس وقت ایک قدم اٹھانا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔"

میں تمہیں سہارا دیتی ہوں۔"

تماشہ بنوائیں گی آپ۔"

بھئی! اس میں تماشہ بننے کی کیا بات ہے۔ کہہ دوں گی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ینا نے بڑی بے چارگی سے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں ہو سکتا کہ میرے جائے بغیر ہی کام چل جائے؟"

بہت مشکل ہے تم ہمت تو کرو۔"

نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔"

نے کہا۔

"اچھا آپ چلیئے، میں بھی آتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" شازیہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مینا بھی اس کے پیچھے پیچھے مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہوا جا رہا تھا۔ اس کا دل بڑی زور سے دھڑک رہا تھا وہ اپنی کیفیت کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ جمیلہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی بڑی محبت سے کہا۔

"ادھر آؤ مینا بیٹی! میرے پاس بیٹھو۔"

بھابی نے تھوڑا سا سرک کر اپنے اور جمیلہ بیگم کے درمیان مینا کے لئے جگہ بنا دی۔

جمیلہ بیگم نے اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے مینا؟ تمہارا چہرہ اس قدر زرد کیوں ہو رہا ہے۔"

مینا نے کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں؟ کیا محسوس کر رہی ہو۔"

مینا نے یہ نہیں بتایا کہ مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ صرف سر میں شدید درد ہی ذکر کیا۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"سر درد کی گولی کھا لیتیں"

مینا نے کہا۔

"کھانا کھانے کے بعد کھا لوں گی۔"

بیگم جمیلہ نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

مگر پھر فوراً ہی ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

وہ کچھ چونک کر بولیں۔



تمہارے تو ہاتھ بھی بالکل ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔"

مینا خاموش رہی۔

بڑے بھیا نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"آپ کو جو کچھ پوچھنا ہے پوچھئے مینا سے"

ڈاکٹر صاحب نے مینا سے کہا۔

"مینا بیٹی! تمہاری امی کا خیال ہے کہ ہم لوگوں نے تمہیں مجبور کیا ہے کہ تم اشعر کے لئے

...

جمیلہ بیگم بھی بولیں۔

"ہاں مینا! میں نے تمہیں اسی لئے بلوایا ہے کہ تم بلا کسی خوف، ڈر اور جھجک کے یہ بتا دو کہ تم جہانگیر

اور ان میں سے کس کے ساتھ شادی کرنا پسند کرو گی۔"

اتنے بہت سارے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر جمیلہ بیگم اس سے اس کی شادی کے مسئلے پر

پوچھ رہی تھیں۔ مینا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چوراہے کے بیچوں بیچ کھڑا کر کے اس

کو تار تار کیا جا رہا ہو۔ اسے جمیلہ بیگم کی یہ ادا ذرا بھی پسند نہ آئی۔ بلکہ اس لمحے

اسے کچھ نفرت سی محسوس ہوئی۔

اس نے سوچا۔

"اب امی تنہائی میں بھی تو مجھ سے پوچھ سکتی تھیں۔ بھابی اور شازیہ ہوتیں تو پھر بھی

لیکن ابو اور بھائیوں کی موجودگی میں انہیں مجھ سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

اس کا جی چاہا وہ اٹھ کر بھاگ جائے اور کسی ایسی جگہ جا کر چھپ جائے جہاں کوئی نہ

کوئی اسے نہ ڈھونڈ سکے۔ کوئی اس سے کچھ نہ پوچھ سکے۔

جمیلہ بیگم نے پھر اپنا سوال دہرایا تو مینا نے کہا۔

"اس سوال کا جواب میں بھابی کو دے چکی ہوں اور بھابی کی زبانی یقیناً سبھی کو معلوم ہو

چکا ہوگا۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"یعنی تم نے جہانگیر کا انتخاب کیا ہے۔"

"جی!"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"فیصل اور راشعر میں سے اگر تم نے فیصل کا انتخاب کیا ہوتا تو پھر بھی سمجھ میں آنے والی بات تھی لیکن جہانگیر اور راشعر میں سے جہانگیر کا انتخاب... مجھے حیرت ہے، سخت حیرت ہے۔"

یمنیٰ نے کہا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

"حیرت کی بات اس لئے ہے کہ ایک ایسا شخص جسے تم بچپن سے جانتی ہو، اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور اس سے بات چیت کرنے کا اتفاق ہوا ہے اسے چھوڑ کر تم نے ایک بالکل ہی اجنبی انجانے شخص کا انتخاب کیا۔"

"جہانگیر نہ بالکل اجنبی ہے نہ انجانا تقریباً ایک سال سے میں اسے جانتی ہوں۔"

"ایک سال میں ہم کسی کو پورے طور پر کیسے سمجھ سکتے ہیں۔"

"کسی کو سمجھنے کے لئے وقت کا تعین کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا بہت سے لوگوں کو عمر گزر جانے کے بعد بھی نہیں سمجھ پاتے۔"

جمیلہ بیگم کچھ لاجواب سی ہو کر بولیں۔

"اچھا چلو، تمہاری بات درست ہی سہی لیکن میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب راشعر اور فیصل کے رشتے زیر غور تھے تو اس وقت تو جہانگیر کا کوئی ذکر نہیں تھا، فیصل کے ہٹتے ہی کیسے بیچ میں آگیا؟"

"اس کا صحیح جواب آپ کو آسیہ ہی دے سکے گی۔"



یہ کیوں دے سکے گی؟"

ی بات چیت آسیہ اور جہانگیر میں ہوئی ہے۔ فیصل کی طرف سے انکار ہوتے ہی

اطلاع دی تھی۔"

رے دل میں یہ خیال کتنے عرصے پہلے سے تھا۔"

کر بولی۔

ہوگا کہ اس قسم کے سوالات آپ مجھ سے کرنے کے بجائے میری عدم موجودگی میں آسیہ

ہے۔"

کچھ شرمندہ ہو کر بولیں۔

چھوڑو، میں تم سے ایک اور بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"

بتاؤ گی؟"

سچ ہی بتاؤں گی۔"

ہانگیر کا انتخاب اپنی مرضی سے کیا ہے؟"

چتے ہوئے لہجے میں کہا۔

کیا خیال ہے؟ کس کی مرضی سے کیا ہوگا۔"

مطلب ہے تمہارے اوپر کسی قسم کا جبر، دباؤ یا زبردستی؟"

رہی ہیں میرے اوپر جبر یا دباؤ کون کرے گا۔ ابو...؟ جنہوں نے باپ کی شفقت ان کا پیار بھی دیا میری خاطر تمام زندگی یوں ہی گزار دی۔ یا میرے بھائی...؟ جنہوں میں لگ کر نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات یا پھر میری بھابی جنہوں نے میرے بھی نہ آنے دیا۔"

ان پشیمان سی اس کی طرف دیکھے جا رہی تھیں یا تو کمرے میں داخل ہوتے وقت

اس کی یہ کیفیت تھی کہ رنگ زرد تھا اور ہاتھ برف کی طرح یخ اور اب کسی مضبوط چٹان کی طرح
جگہ پر جمی ہوئی وہ کس قدر نپے تلے جواب دے رہی تھی۔ شاید وقت اور موقع کی نزاکت
اور حالات کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے آپ میں حوصلہ اور ہمت پیدا کر بیٹھی تھی اب نہ اس
لیے تحاشا دھڑک رہا تھا نہ آواز میں لرزش تھی۔

اس کے لہجے میں جو طنز تھا وہ بھی جمیلہ بیگم سے چھپا نہ رہ سکا۔

اس کی آواز میں جو تلخی تھی وہ بھی جمیلہ بیگم محسوس کئے بغیر نہ رہ سکیں۔

اور اس کے جملوں میں جو کاٹ تھی اس کا احساس بھی جمیلہ بیگم کو اچھی طرح ہو گیا۔

لیکن وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے پر آمادہ نہیں تھیں۔

اتنی آسانی سے پیچھے ہٹ جانا انہوں نے گوارا نہ کیا۔

جمیلہ بیگم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو بڑی بے چینی سے ایک دوسرے میں
پھنساتے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر! جہانگیر کے ذکر کو چھوڑو۔"

مینا خاموش رہی۔ اس نے سوچا۔

"جہانگیر کا ذکر تو آپ نے ہی شروع کیا تھا۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"تمہیں اپنے اور میرے رشتے کی حقیقت سے تو انکار نہیں"

مینا نے کہا۔

"یہ حقیقت تو اپنی جگہ اٹل ہے آپ کے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا؟"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"دیکھو بیٹی! تمہاری ماں ہونے کے ناطے میرا بھی کچھ حق بنتا ہے تمہارے اوپر"

مینا نے کہا



...ں کیوں نہیں؟"

...ں کے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال آیا کہ آپ صرف حق کی بات کرتی ہیں فرض کی نہیں؟
...تو چولی دامن کا ساتھ ہے جب آپ نے اپنے فرائض پورے نہیں کئے تو حق کی بات
...ے کرتی ہیں۔

...یگم نے کہا۔

...میری بیٹی ہو، تمہارے لئے میرے دل میں کچھ ارمان ہیں کچھ خواہشات ہیں میں جو قدم بھی
...تمہاری بہتری کے لئے اٹھاؤں گی کیوں؟ ٹھیک ہے نا!"

...سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

...یہاں اتنے بہت سے لوگ موجود تھے لیکن سوائے جمیلہ بیگم کے اور مینا کے سب خاموش
...کبھی کبھی کھن کی ننھی منی آواز کمرے میں گونج اٹھتی تھی۔

...یگم نے مینا کو خاموش پا کر کہا۔

...میری خواہش ہے کہ تمہاری شادی ایسی جگہ ہو جہاں تم خوش رہ سکو۔ اصغر کے بارے میں
...وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ مجھے اس کے مزاج اور اس کی عادات و اطوار کا
...ہے جب کہ جہانگیر کو میں بالکل نہیں جانتی۔"

...نے سوچا۔

...متضاد باتیں کرتی ہیں امی، ایک طرف تو اولاد کی خواہش کا احترام کرنے کی بات کرتی
...اپنی خواہش اور اپنا ارمان پورا ہونے کا قصہ لئے بیٹھی ہیں ابھی سن چکی ہیں کہ میں نے
...اپنے لئے جہانگیر کا انتخاب کیا ہے لیکن پھر بھی اصغر کے ساتھ میری شادی کرنے

...میں ڈوبا ہوا دیکھ کر جمیلہ بیگم بولیں۔
...پر غور کرنا مجھے امید ہے تم کوئی بہتر فیصلہ کرو گی۔"

بینا نے بے حد اُلجھ کر کہا۔

" آخر میں کتنی دفعہ اپنا فیصلہ ۔ لوں گی آ مجھے جو فیصلہ کرنا تھا میں کر چکی…

جمیلہ بیگم نے کہا۔

" اس وقت تمہارا ذہن بہت اُلجھا ہوا ہے، میں کسی وقت تم سے تنہائی میں بات کر…

میرا خیال ہے تم میری رائے سے اتفاق کرو گی۔"

بینا نے کہا۔

" آپ اپنی یہ غلط فہمی دور کر لیجئے کہ میں تنہائی میں آپ سے بات کر کے آپ کو کوئی او…

سناؤں گی۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

" اس قسم کے مسائل کا حل فوری طور پر نہیں ڈھونڈ لیا جاتا اس کے لئے ٹھنڈے دل…

سے غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

بینا نے کہا۔

" لیکن اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے امی، میں نے بہت سوچا ہے، بہت غور کیا ہے ا…

کیا ہے وہ آپ سب کے سامنے ہے۔" جمیلہ بیگم کو شاید یہ توقع نہیں تھی کہ بینا اس قدر…

کھرا جواب دے گی انہوں نے تو بینا سے ملنے کے بعد سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ برسوں کی

اور محرومی نے بینا کے دل و دماغ پر اتنا اثر کیا ہے کہ وہ دیوانوں کی … انہیں چاہنے…

وہ اس سے جو کچھ بھی کہیں گی مان لے گی۔

جب تک بینا سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی وہ سمجھتی تھیں کہ بینا کے دل…

کبھی ان کا خیال آتا بھی ہوگا تو سوائے نفرت اور حقارت کے اس کے دل میں اور کوئی احساس

جاگتا ہوگا۔ لیکن گھر والوں سے چھپ کر بینا جس انداز سے تڑپ کر ان سے ملی تو…

یہی کہتے تھے کہ اگر وقت پڑا تو بینا ان کی خاطر سب سے ٹکرا جائے گی مگر اب بینا جس…



…نہیں حیران نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔

…میں گم بیٹھی تھیں۔ کہ ان کے بڑے بیٹے عرفان نے کہا۔

…ہے کہ اس مسئلے پر مزید بحث کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے۔"

…نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر ان کی طرف دیکھا۔

بینا نے ان کی شکن زدہ پیشانی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔

…بات کر کے آپ کو خود بھی اندازہ ہو چکا ہو گا کہ اس کا رجحان کس طرف ہے۔"

…خاموش رہیں۔

…نے کہا۔

…کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جانی چاہیئے کہ ہم لوگوں نے بینا کے اوپر کسی قسم کا دباؤ

…نے کہا۔

…لیجئے گا میری یہ غلط فہمی ابھی تک دور نہیں ہوئی ہیں بینا سے پھر کسی وقت بات کروں گی۔

…جب چاہیں اور جہاں چاہیں بینا سے بات کر سکتی ہیں۔"

…بولیں۔

…آپ لوگ کسی روز بینا کو میرے گھر بھیج دیں۔"

…بھی کہہ چکا ہوں جمیلہ بیگم! بینا پر اس قسم کی کوئی پابندی نہیں آپ جب بھی اس سے

…ئے ٹیلیفون کر کے بلا سکتی ہیں۔"

…اُٹھتے ہوئے بولیں۔

…ہے بینا بیٹی! میں دو تین روز میں تمہیں ٹیلیفون کروں گی۔"

…نے تو کچھ نہیں کہا دل میں سوچا۔

…باتوں کا کیا فائدہ ہے۔ میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بدلنے کے لئے نہیں کیا ہے۔

بھابی نے اخلاقاً جمیلہ بیگم سے کہا۔

"کھانا تیار ہے، آپ کھانا کھا کر جائیے گا۔"

جمیلہ بیگم نے بڑی محبت سے ان کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"نہیں بیٹی! شکریہ، مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔"

اسی وقت باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"میرا خیال ہے عاصم مجھے لینے آیا ہے۔"

دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے خدا حافظ کہا۔ بھابی، شازیہ اور مینا انہیں
تک رخصت کرنے آئیں۔

جمیلہ بیگم نے مینا سے کہا۔

"مینا! عاصم سے نہیں ملو گی؟"

مینا نے کہا۔

"جی ہاں، ملوں گی، کیوں نہیں۔"

مینا آگے بڑھی تو عاصم گاڑی سے نیچے اتر آیا شازیہ اور بھابی کو اس نے بڑے ادب سے

مینا نے پوچھا۔

"کیسے ہو عاصم؟"

"ٹھیک ہوں آپ سنائیے۔"

"خدا کا شکر ہے۔"

"آپ تو پھر آئیں ہی نہیں۔" عاصم کی آواز میں شکوہ تھا۔

"ہاں، امتحانوں کی وجہ سے کہیں بھی نہیں جا سکی۔"

"اب تو آپ کو فرصت ہے، اب آئیے۔"

...ں گی کسی روز۔"

...لہ بیگم نے کہا۔

"...کسی روز عاصم کو بھیجوں گی مینا! تم اس کے ساتھ آجانا۔"

...ینا نے کہا۔

"...چھا۔"

...یں اس کی آواز بجھی ہوئی سی تھی اس کے لہجے سے کسی خوشی، مسرت اور کسی بے چینی کا
...ہار نہیں ہو رہا تھا اس نے محسوس کیا۔ عاصم بڑے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ

...جمیلہ بیگم اور عاصم کو رخصت کر کے اپنے کمرے کی طرف جانے کے لئے کوریڈور سے گزر رہی
...بابا کی آواز سن کر رک گئی اور دروازے کے قریب رک کر سننے لگی وہ خاصی اونچی آواز
...رہے تھے۔

"...ری سمجھ میں نہیں آتا آخر وہ تنہائی میں مینا سے کیا باتیں کرنا چاہتی ہیں۔"

...بابا صاحب نے نرم لہجے میں کہا۔

"...نہیں اپنا اطمینان کر لینے دو۔"

"...تنی دیر تک انہوں نے بحث کی اب بھی ان کا اطمینان نہیں ہوا؟" بڑے بھیا نے کہا۔

...بڑے بھیا نے کہا۔

"...س قدر فکر مند کیوں ہو رہے ہیں بھائی جان؟"

"...س بات کی ہے کہ وہ مینا کی شادی اشعر سے کر کے اسے ہم سے جدا کرنے کی کوشش
...ہ۔"

...صاحب نے کہا۔

"...جذباتی ہو رہے ہو عرفان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

بڑے بھیّا نے کہا۔

"میں جذباتی نہیں ہو رہا ہوں ابّو! آپ دیکھ لیجئے گا، ہم لوگ مینا کی صورت دیکھنے کو بھی ترس جائیں

[illegible]اس کی شادی اشعر سے ہو گئی۔"

ظفر صاحب نے بڑی متانت سے کہا۔

"نہیں عرفان میاں! تمہاری خالہ بہت اچھی خاتون ہیں۔ ان کے لئے تمہیں ایسی بات نہیں

چاہیئے اور اشعر بھی سمجھدار اور تعلیم یافتہ آدمی ہے تمہیں ان لوگوں سے اس قدر بدگمان

ہونا چاہیئے۔"

چھوٹے بھیّا نے کہا۔

"عرفان بھائی! آپ واقعی جذباتی ہو رہے ہیں اب دیکھئے نا! لڑکیوں کی شادی کر دینے کے

بعد تو ویسے ہی بس کبھی کبھار صورت دیکھ لینے والی بات رہ جاتی ہے۔"

بڑے بھیّا نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اشعر سے شادی ہو جانے کے بعد کبھی کبھار بھی صورت دیکھنے کو

ملے گی۔"

بھابی نے کہا۔

"بلا وجہ کی غلط فہمی اچھی نہیں ہوتی عرفان!"

بڑے بھیّا غصّے میں بھرے بیٹھے تھے۔ ایک دم بولے۔

"تم بلا وجہ حمایت لے رہی ہو تمہیں نہیں معلوم کون کیسا ہے۔"

بھابی نے شاید خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔

بڑے بھیّا نے کہا۔

"ابّو! آپ جہانگیر کے گھر والوں سے کہہ دیجئے کہ ہمیں رشتہ منظور ہے۔"

ظفر صاحب نے کہا۔



[illegible]میں تو یہی کہوں گا کہ مینا کو ایک دفعہ اپنی ماں سے مل لینے دو۔ انہیں آپس میں بات کر لینے دو۔"

[illegible] بھیّا چڑ کر بولے۔

[illegible]آخر کیا بات کریں گی وہ مینا سے؟ سب کے سامنے ان کی ہر غلط فہمی دور ہو چکی ہے۔"

[illegible]نہیں سمجھنے بیٹے! ممکن ہے سب کے سامنے مینا کو کوئی جھجک محسوس ہوئی، ماں بیٹی کے

[illegible]رشتے کی نزاکت کا تمہیں اندازہ نہیں ہے وہ بات جو لڑکی نہ اپنے باپ سے کہہ سکتی ہے نہ اپنے

[illegible] وہ اپنی ماں سے کہہ دیتی ہے۔"

[illegible] بھیّا نے کہا۔

[illegible] دیکھئے گا ابّو! اس کے لئے برسوں کی طویل رفاقت کی اہمیت سے آپ انکار نہیں کر سکتے

[illegible]ال معاملہ بالکل برعکس ہے۔"

[illegible] صاحب نے کہا۔

[illegible] بھی، ہمیں اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے جس پر کسی کو شکایت کا

[illegible]"

[illegible] بھیّا پھر بھی اپنی بات پہ اڑے رہے۔

[illegible] آپ جہانگیر کے گھر والوں کو اثبات میں جواب دے دیجئے۔"

[illegible] بھیّا نے کہا۔

[illegible] جان! جلد بازی سے کام لینا مناسب نہیں ہے۔"

[illegible] بھیّا نے کہا۔

[illegible] جلد بازی کی کیا بات ہے؟"

[illegible] بھیّا نے کہا۔

[illegible] مناسب ہے کہ مینا کو ایک دفعہ اور ان سے بات کرنے اور سوچنے کا موقع دینا چاہیئے۔"

[illegible] بھیّا ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے اور بولے۔

"ٹھیک ہے جب آپ لوگوں نے میری بہن کو ان خاتون کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے
تو پھر آئندہ اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہ کی جائے۔"

بڑے بھیا ڈرائنگ روم سے باہر نکلنے ہی والے تھے کہ اسلم بھیا اور ارشد بھیا اندر آ گئے

ظفر صاحب نے کہا۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو عرفان! اس معاملے پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت

اسلم بھیا اور ارشد بھیا نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے آخر معاملہ کیا ہے۔"

بڑے بھیا کے بڑھتے ہوئے قدم بھی رک گئے وہ واپس پلٹ آئے گفتگو پھر نئے سرے سے
شروع ہو گئی مینا تھک کر اپنے کمرے میں آ گئی اس کا سر بھاری ہو رہا تھا اور دماغ کی نسیں کھنچتی
ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے بھی اس الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھانے کے لئے نئے سرے
سے سوچنا شروع کر دیا مگر اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ جانے کتنی دیر گزر گئی وہ
تو اس وقت جب بوا اسے کھانے کے لئے بلانے آئیں اسے احساس ہوا مسئلہ تو جوں کا توں
ہے۔ اتنا بہت سا وقت گزر جانے کے بعد اس کے خیالات وہیں..... اسی مقام پہ تھے
لگتا تھا جیسے اس کی سوچیں منجمد ہو کر رہ گئی ہوں۔

دوسرے روز دوپہر کو گھر کے کاموں سے فراغت پا کر بھابی پھر اس کے کمرے میں چلی آ
وہی ذکر چھیڑ بیٹھیں۔

"دیکھو مینا! اب بھی وقت ہے اگر تم اشعر کو پسند کرتی ہو تو ہم لوگ جہانگیر کے لئے ا

مینا نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"پسند کا کیا ہے بھابی! جس سے بھی شادی ہو جائے گی اسی کو پسند کر لوں گی۔"

بھابی مسکرا کر بولیں۔

"ارے واہ یہ کیا بات ہوئی۔"



مینا نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"لڑکیوں کی عافیت اسی میں ہوتی ہے"

بھابی نے کہا۔

"ہمارے ساتھ تو ایسی کوئی بات نہیں ہے تم اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہو۔"

مینا نے دل میں سوچا۔

"ہاں بظاہر تو یہی نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت؟ حقیقت اس کے برعکس نہیں؟"

بھابی نے کہا۔

"اور پھر جب تم اشعر کو پسند کرتی ہو تو پھر جہانگیر کا انتخاب عقلمندی تو نہیں"

مینا نے گھبرا کر کہا۔

"میں نے آپ سے یہ کب کہا کہ میں اشعر کو پسند کرتی ہوں؟"

"تم نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا تو کیا ہوا، آخر اندازہ بھی تو کوئی چیز ہے۔"

مینا نے کہا۔

"آپ کا اندازہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"نہیں میرا اندازہ بالکل درست ہے۔" بھابی نے بڑے وثوق سے کہا۔

مینا نے انہیں جھٹلاتے ہوئے کہا۔

"آپ کا اندازہ بالکل غلط ہے۔ میں نے یہ ضرور کہا تھا کہ اشعر اور فیصل میں سے کسی ایک کا
چننا بہت مشکل ہے۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا بہت دشوار ہے کیونکہ دونوں ہی
اچھے ہیں میرا یہ خیال ہے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے تم نے یہ کہا تھا۔"

"مگر اس بات سے آپ نے یہ مطلب کیسے نکال لیا کہ مجھے اشعر سے محبت ہے؟"

بھابی مسکرا کر بولیں۔

"جب تم اشعر کا ذکر کرتی ہو تو میں تمہارے چہرے کی رنگت دیکھتی ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"سچ بھابی! اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں آپ سے چھپاتی؟"

"آپ کو تو میں ہر بات بتاتی ہوں۔"

بھابی نے اسے تنگ کرتے ہوئے کہا۔

"اب کیا پتہ؟ کتنی باتیں بتاتی ہو مجھے اور کتنی چھپا جاتی ہو۔"

مینا نے تو جھوٹ بولنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ ہنس کر بولی۔

"نہیں بھابی! آپ سے میں کچھ نہیں چھپاتی۔"

بھابی سر جھکا کر معلوم نہیں کیا سوچنے لگیں کمرے میں کچھ دیر بالکل سکوت طاری رہا۔

بھابی نے کہا۔

"دیکھو اب تمہاری امی کس دن تمہیں بلواتی ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"معلوم نہیں امی مجھ سے کیا توقع کئے بیٹھی ہیں؟"

بھابی نے کہا۔

"خیر کچھ بھی سہی، وہ اگر ٹیلیفون کریں تو تم ان سے ضرور مل آنا، اس کے بعد ہی جہانگیر کے گھر والوں کو کوئی جواب دیا جائے گا۔"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بھابی اُٹھ کر چلی گئیں تو مینا ایک رسالہ لے کر لیٹ گئی۔

بڑے بھیّا کا موڈ ان دنوں سخت خراب تھا ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ مینا اور جہانگیر کا جلد بیاہ کر دیں۔ فیصل سے وہ بہت سخت ناراض تھے اور کئی دفعہ ظفر صاحب سے کہہ چکے تھے۔

"فیصل نے بہت گری ہوئی حرکت کی ہے، اگر وہ کسی دوسری لڑکی کو پسند کرتا تھا تو مینا کو بے وقوف بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے عرصے سے وہ ہمیں بھی تا تو دے رہا تھا کہ وہ پسند کرتا ہے۔"

فیصل کو بڑے بھیّا کی ناراضگی کا علم تھا جب سے انہوں نے انکار کیا تھا وہ ایک دفعہ بھی مینا کے گھر نہیں آئے تھے گزشتہ آٹھ دس روز سے تو وہ شہر میں بھی نہیں تھے اپنے کسی کام سے پنڈی گئے ہوئے تھے۔

مینا کو ان کا بہت انتظار تھا لیکن شازیہ کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ فیصل ایک مہینے سے پہلے واپس نہیں آئیں گے۔ مینا خود بھی حیران تھی آخر اسے فیصل کا انتظار کیوں تھا۔

---

جمیلہ بیگم نے اگلے ہی روز ٹیلیفون کر کے مینا کو بلوالیا مینا کا دل تو بالکل نہیں چاہتا تھا اس نے ٹیلیفون پر بھی کہہ کر جمیلہ بیگم کو ٹالنے کی کوشش کی کہ میں پھر کسی روز آ جاؤں گی لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور عاصم کو اسے لینے کے لئے بھیج دیا بادل نخواستہ مینا کو جانا ہی پڑا۔

جمیلہ بیگم نے بڑے پیار اور محبت سے اسے گلے لگایا مینا کی وجہ سے انہوں نے دوپہر کے کھانے میں بھی بڑا اہتمام کر رکھا تھا عاصم اتنے دنوں بعد مینا کو اپنے گھر میں دیکھ کر بے حد خوش تھا اتنے دنوں تک مینا کے نہ آنے پر اس نے شکووں شکائتوں کے دفتر کھول دیئے وہ جمیلہ بیگم سے بھی اُلجھ پڑا۔

"امی! آپ نے بلا وجہ کا چکر چلا کر باجی کو ہم سے دور کر دیا۔"

"کیا مطلب؟"

جمیلہ بیگم چونکیں۔

"اچھی بھلی باجی ہمارے گھر آنے لگی تھیں آپ نے ان کی شادی کے معاملے کو اُلجھا کر رکھ دیا۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"میں نے کیا اُلجھا دیا؟"

"اور کیا؟ باجی کے ابو امی اور ان کے بھائی وغیرہ ان کی جہاں بھی شادی کرنا چاہتے ہیں کرنے دیں۔"

"کیوں کرنے دوں؟ آخر میری بھی بیٹی ہے مینا۔"

"ٹھیک ہے اب دیکھئے نا جب سے یہ جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا ہے باجی نے ہمارے گھر آنا ہی چھوڑ دیا"

جمیلہ بیگم نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو عاصم نے کہا۔



"ہمارے لئے یہی کیا کم تھا کہ باجی ہم سے ملتی تھیں۔ میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ باجی ہم لوگوں سے ملتی رہیں چاہے ان کی شادی کہیں بھی ہو۔"

جمیلہ بیگم نے بگڑ کر کہا۔

"احمق لڑکے! تم بات کو سمجھتے تو ہو نہیں"

"معلوم نہیں آپ کون سی بات سمجھانا چاہتی ہیں؟"

جمیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"تمہاری باجی کی شادی اگر اشعر کے بجائے کسی اور سے ہو گئی تو وہ ہم لوگوں سے نہیں مل سکے گی۔"

عاصم خاموش ہو گیا۔

مینا نے اس کے چہرے کو افسردہ ہوتے دیکھا تو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے بولی۔

"نہیں عاصم! امی کو بلا وجہ کی غلط فہمی ہو گئی ہے میری شادی خواہ کہیں بھی ہو انشاء اللہ میں تم سے ملتی رہوں گی۔"

عاصم نے خوش ہو کر جمیلہ بیگم کی طرف دیکھا جمیلہ بیگم نے کہا۔

"تم دونوں بچے ہو، دنیا کو جتنا میں نے دیکھا اور سمجھا ہے تم لوگوں نے نہیں۔"

پھر سجاد صاحب کے آجانے سے گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ جمیلہ بیگم کھانا نکالنے کے لئے کھڑی ہوئیں۔

سجاد صاحب نے مینا کو دیکھ کر کہا۔

"ارے! بڑے دنوں بعد آئیں مینا!"

"جی ہاں! بس آنا ہی نہیں ہوا۔"

"معلوم ہوتا ہے بڑی ذمہ داریاں پڑ گئی ہیں تمہارے اوپر۔"

"نہیں، ساری ذمہ داریاں تو بے چاری بھابی کے اوپر ہیں۔ پھر اب تو چھوٹے بھیا کی بھی شادی ہو گئی ہے۔"

« میرے ذمہ کوئی کام نہیں ہے۔»

« اچھا! تو پھر کہیں گھومنے پھرنے چلی گئی ہوں گی۔»

« نہیں گھومنے پھرنے بھی نہیں گئی۔»

« پھر اتنے دنوں تک شکل کیوں نہیں دکھائی؟»

« پہلے تو امتحانوں کی مصروفیت رہی اس کے بعد چھوٹے بھیا کی شادی کا سلسلہ شروع ہو گیا سی لئے نہیں آسکتے۔»

« اچھا اب تو فرصت ہی فرصت ہے۔»

« بس چند دنوں کی فرصت اور ہے اس کے بعد رزلٹ آجائے گا تو یونیورسٹی جانا شروع کر دوں گی۔ پھر تو فرصت ذرا کم ہی ملے گی۔»

« رزلٹ آنے کے فوراً بعد پڑھائی تھوڑی شروع ہو جائے گی۔»

« جی! یہ تو آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔»

« بس تو پھر آجایا کرنا، تمہاری امی بھی اداس ہو جاتی ہیں اور یہ تمہارا بھائی تو ہر وقت منہ لٹکائے رہتا ہے۔»

مینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

عاصم بھی مسکرا دیا۔

سجاد صاحب کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے مینا اٹھ کر باورچی خانے میں آگئی جمیلہ بیگم کھانا گرم کر رہی تھیں۔ طرح طرح کی اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔

مینا نے کہا۔

« مجھے بھی کوئی کام بتایئے امی۔»

جمیلہ بیگم نے کہا۔

« تمہیں کیا کام بتاؤں! تم مہمانوں کی طرح تو آتی ہو۔»



نا نے محسوس کیا ان کی آواز میں شکوہ تھا۔

نے کہا۔

مانوں کی طرح تو نہیں آتی۔»

تنے دنوں بعد صورت دکھاؤ گی تو مہمان ہی کہلاؤ گی۔»

نا خاموش رہی۔

میلہ بیگم نے کہا۔

ب تم خود ہی حساب لگا کر بتاؤ کہ کتنے مہینوں بعد آئی ہو۔»

نا نے سوچا۔

ی کہتی تو سچ ہی ہیں، میں واقعی بہت مہینوں بعد آئی ہوں۔»

میلہ بیگم نے کہا۔

ب کہ تمہارے ابو کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہاں آنے کے لئے تمہارے اوپر کوئی ی نہیں لگائی۔»

نے کہا۔

قیقت بھی یہی ہے امی! آپ بلا وجہ اپنے دل میں کسی غلط فہمی کو جگہ مت دیجئے۔»

یلہ بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا ڈونگے میں سالن نکال کر مینا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میز پر رکھ آؤ۔»

میز پر کھانا چن چکا تو جمیلہ بیگم نے آواز دے کر عاصم اور سجاد صاحب کو بلایا وہ دونوں سی بحث میں الجھے ہوئے تھے انہوں نے جمیلہ بیگم کی آواز یا تو سنی ہی نہیں یا پھر نداز کر دی۔

بیگم نے فریج سے پانی کی بوتلیں نکالتے ہوئے کہا۔

ینا تم جا کر بلا لاؤ ان دونوں کو، معلوم نہیں کس بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔»

سجاد صاحب اور عاصم کھانے کے کمرے میں آئے تو سجاد صاحب نے ڈائننگ ٹیبل پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اخاہ! آج تو انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔

"اور خوشبوئیں بھی بڑی زبردست اٹھ رہی ہیں۔"

سجاد صاحب نے کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مینا بیٹی! تم جلدی جلدی آیا کرو تاکہ ہمیں یہ اچھے اچھے کھانے کو ملیں۔"

عاصم نے کہا۔

"مینا باجی! ابو تو شاید مذاق میں کہہ رہے ہوں یہ بات لیکن میں آپ سے سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ آپ ہفتے میں ایک بار ضرور آیا کریئے۔"

پھر فوراً ہی وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن میں ان انواع واقسام کے کھانوں کی وجہ سے نہیں کہہ رہا ہوں، میں تو بس آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں اور آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"میں ہر ہفتے آنے کا وعدہ تو نہیں کرتی لیکن انشاء اللہ اب میں جلدی جلدی آیا کروں گی۔"

کھانا کھانے کے بعد سجاد صاحب تو آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے جمیلہ مینا کو لے کر ڈرائنگ روم میں آگئیں عاصم بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"عاصم اب تم بھی اپنے کمرے میں آرام کرو۔"

"کیوں امی؟ میں باجی کے پاس بیٹھوں گا۔ ان سے باتیں کروں گا۔"

عاصم نے بچوں کے سے انداز میں کہا مینا کو اس پہ بے ساختہ پیار آگیا۔



بیگم نے کہا۔

تمہاری باجی سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ تم شام کو باتیں کر لینا ان سے۔"

کو تو یہ چلی جائیں گی۔"

میں انہیں رات کا کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

بیگم کی یہ بات سن کر مینا نے گھبرا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ تو ان کا یہ جملہ سن کر ہوئی جا رہی تھی کہ "مجھے تمہاری باجی سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

معلوم تھا کہ وہ اس سے کونسی ضروری باتیں کرنا چاہتی ہیں۔

نے سوچا۔

امی پھر نئے سرے سے کل والی باتیں شروع کریں گی آخر ان سب باتوں کا فائدہ کیا وہ سمجھتی ہیں کہ اس بار بار کے بحث ومباحثے سے میرا فیصلہ بدل جائے گا تو یہ ان کی

ہے۔

نخواستہ اپنے کمرے میں چلا گیا تو جمیلہ بیگم بغیر کسی تمہید کے حرفِ مدّعا زبان پر

ساری باتیں

تمام قصے

دلائل

تھیں کہ مینا کا فیصلہ بدلوا کر چھوڑیں گی۔ مگر ان کے تمام دلائل بیکار ثابت نے جب یہ دیکھا کہ مینا اپنے فیصلے کو بدلنے پہ ذرا بھی آمادہ نہیں تو ان کی آنکھوں

گئے۔

کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے چین ہو گئی۔

کے لئے امی آپ روئیے نہیں میرا دل بہت کمزور ہے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو

تو میں دیکھ ہی نہیں سکتی۔"

جمیلہ بیگم کے آنسو ان کے رخساروں پر پھسل پڑے۔

بینا نے کہا۔

"آپ تو مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہیں نا!"

جمیلہ بیگم نے اقرار میں سر ہلایا۔

بینا نے کہا۔

"بس تو آپ یقین کر لیجئے کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ میری شادی جہانگیر کے ساتھ ہو"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"بینا! کہیں تم کوئی غلط فیصلہ تو نہیں کر رہی ہو۔"

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے"

"میں تو یہی کہوں گی کہ تم ایک بار پھر اس مسئلے پر غور کرو۔"

بینا نے انہیں ٹالنے کے لئے کہہ دیا۔

"اچھا میں غور کروں گی۔"

جمیلہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم بھی تھوڑی دیر آرام کر لو۔"

بینا نے کہا۔

"اب آپ مجھے گھر جانے کی اجازت دے دیں۔"

"ابھی سے؟"

"جی، شام ہونے ہی والی ہے۔"

"ہاں، باتوں میں وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔"

بینا نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔



"جی چار بجنے والے ہیں۔"

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"اب تم رات کا کھانا کھا کر ہی جانا۔"

بینا نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں امی! بہت دیر ہو جائے گی۔"

"دیر ہو جائے گی تو کیا ہوا، اپنی ماں کے ہی گھر میں ہو، کسی غیر کے گھر تو نہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں، جیسے میں کہہ رہی ہوں ویسے ہی کرو۔"

بینا خاموش ہو گئی۔

پھر شام کے جانے کے بعد بھی اس نے بہت چاہا کہ جمیلہ بیگم اسے گھر واپس جانے کی اجازت دے دیں مگر عاصم نے اسے جانے دیا نہ جمیلہ بیگم نے، سجاد صاحب بھی انہی دونوں کی حمایت کر رہے تھے۔

رات کو جب بینا گھر پہنچی تو بڑے بھیا کا موڈ بہت خراب تھا۔ سب لوگ ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ البتہ بڑے بھیا اپنے کمرے میں لیٹے پیچ و تاب کھا رہے تھے ظفر صاحب مطمئن ہی نظر آتے تھے۔ ان کی دلی کیفیت کا اندازہ بینا کو نہیں ہو سکا۔ بینا چند منٹ لاؤنج میں بیٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے سوچا۔

مجھے چاہیئے کہ وہ جہانگیر کے گھر والوں کو ہاں میں جواب دے دیں تاکہ یہ معاملہ نمٹ تو سکے روز کی جھک جھک سے کیا فائدہ۔ بات یکطرفہ طور پر ہو جائے گی تو امی کو بھی کچھ کہنے کا موقع ملے گا اور شاید میرے دل و دماغ کو بھی سکون مل جائے۔ یہی سوچ کر وہ غسل خانے میں نہانے چلی گئی۔ وہ کپڑے بدل کر آئی تو بھابی اس کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

بینا کو دیکھ کر وہ مسکرائیں بینا ان کے قریب آکر بیٹھ گئی اور رازدارانہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"سب خیریت ہے نا بھابی۔"

"ہاں، سب خیریت ہے تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔"

بینا نے ایک دبی سانس لے کر کہا۔

"کیا کہوں بھابی۔"

"خوامخواہ ہی، آخر تم نے کیا ہی کیا ہے۔"

بینا نے پوچھا۔

"بڑے بھیا ناراض تو نہیں ہو رہے تھے؟"

"وہ تو کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہے تھے۔"

"کیوں ؟ کیا کہہ رہے تھے۔"

"پہلے تو مجھ پر ہی گرم ہونے لگے کہ تم نے اسے جانے ہی کیوں دیا۔ اب وہ ضرور اسے کوئی الٹی پٹی پڑھائیں گی۔"

چھوٹے بھیا نے کہا کہ بینا کوئی ناسمجھ بچی تو ہے نہیں جو کسی کے سکھانے پڑھانے میں آجائے گی۔۔۔۔ تو وہ ان پر ہی برس پڑے۔

بینا نے سہم کر پوچھا۔

"اور کیا کہہ رہے تھے۔"

بھابی مسکرا کر بولیں۔

"ابو پر بھی ناراض ہو رہے تھے کہ اگر انہوں نے ٹیلیفون کیا بھی تھا تو آپ اسے نہ جانے دیتے۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ وہ ہماری بہن کو، ہم سے چھین کر رہیں گی، کونسی میری دو چار بہنیں ہیں جو اس کے چھن جانے پر میں صبر کر کے بیٹھ رہوں۔

بینا گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔



بھابی نے کہا۔

"وہ تو یوں کہو کہ انہیں گھر نہیں معلوم ہے ورنہ وہ تمہیں لینے پہنچ جاتے۔ جیسے جیسے شام گزرتی تھی ان کا پارہ ہائی ہوتا جا رہا تھا۔"

پھر بھابی ہنس کر بولیں۔

"عرفان بھی بس بالکل پاگل ہیں"

بینا نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"کہنے لگے کہ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ بینا اور اشعر کو اپنے گھر بلوا کر ان دونوں کا نکاح نہ کر دیں خاموشی سے۔"

بینا کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

بھابی نے کہا۔

"تو ابو نے انہیں سمجھایا کہ تم ایسی غلط سلط باتیں سوچنے بیٹھ جاتے ہو اشعر سمجھدار ہے۔ نیک ہے۔ اس جیسے شریف آدمی کے لئے تمہارے دل میں یہ بدگمانی تو نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ وہ کسی سازش میں شریک ہوگا۔"

"ہوں۔" بینا نے ایک طویل سانس لی۔

بھابی چند لمحوں بعد بولیں۔

"اب فیصلہ یہ سنایا ہے تمہارے بھیا نے کہ کل ہی جہانگیر کے گھر والوں کو جواب دے دیں گے کہ رشتہ ہمیں منظور ہے۔"

بینا نے کہا۔

"ٹھیک ہی کہتے ہیں بڑے بھیا، جب میں ایک بات کا فیصلہ کر چکی ہوں تو اس پر بحث و مباحثے سے کیا حاصل ہوگا۔"

بھابی نے پوچھا۔

"تو گویا یہ تمہارا قطعی فیصلہ ہے"

"جی !"

"جہانگیر کے گھر والوں سے کہہ دیا جائے۔"

"اور کیا کسی کو لٹکائے رکھنے کا کیا فائدہ ؟"

"اچھی بات ہے، پھر میں ابو سے کہہ دوں گی۔"

"کہہ دیجیے"

پھر بھابی اس سے دن بھر کی تفصیلات پوچھنے لگیں۔ مینا نے بلا کم و کاست انہیں ر
کچھ بتا دیا۔

اگلے روز صبح ناشتے کے وقت مینا نے دیکھا، بڑے بھیا بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ مینا
گئی کہ بھابی نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔



ہانگیر کے گھر والوں کو زبان دے دی گئی تو ایک نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا وہ لوگ فوری طور پر
ے لئے بضد تھے آ سے ہی بھابی کو معلوم ہوا کہ یہ اصرار جہانگیر کی طرف سے تھا مسئلہ اصل
ی نہیں تھا کہ پہلے صرف نکاح ہو یا نکاح اور رخصتی دونوں ساتھ ساتھ ہوں بلکہ باعث
یہ بات تھی کہ جمیلہ بیگم کو نکاح میں بلایا جائے یا نہ بلایا جائے۔ ظفر صاحب، اسلم بھیا،
بیا اور بھابی کا مشورہ یہ تھا کہ جمیلہ بیگم کو بلا لیا جائے۔ آخر وہ مینا کی ماں ہیں خود مینا کی
ی خواہش تھی لیکن اس نے اپنی زبان سے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا بھابی نے اس سے
اس نے بھی کہا کہ جیسے آپ لوگ مناسب سمجھیں۔

بڑے بھیا، چھوٹے بھیا، نشاط یہ بھابی اور پھوپھی جان وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ جمیلہ بیگم کو
ئے ان سب کا خیال تھا کہ جمیلہ بیگم اس موقع پر ضرور رنگ میں بھنگ ڈالنے کی کوشش
ں

بڑے بھیا کی ضد کے آگے بالآخر ظفر صاحب وغیرہ کو ہار ماننی پڑی۔ بڑے بھیا نے
کسی قسم کا دھوم دھڑکا کرنے سے بھی منع کر دیا خود جہانگیر کی بھی یہی مرضی تھی۔
بڑے بھیا کا کہنا یہ تھا کہ ٹھیک ہے میری ایک ہی بہن ہے مجھے بھی بڑا ارمان ہے کہ
موقع پر جو کچھ بھی کر سکتا ہوں کروں لیکن حالات اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ سب
ئی اور سادگی سے ہو۔ رخصتی کے وقت سارے ارمان پورے ہو جائیں گے۔
فضل تو گزشتہ دنوں سے کچھ ایسے غائب ہوئے تھے کہ ان کا پتہ ٹھکانہ بھی نہیں معلوم

تھا ڈھنگ سے کچھ بتا کر بھی نہیں گئے تھے کہ کہاں جا رہے ہیں چند دنوں بعد واپس آ ئیں
کہہ کر گئے تھے لیکن اب تک ان کی واپسی کی کوئی خیر خبر نہیں تھی ان کے گھر کے سب لوگ
ان کے لئے پریشان تھے ظفر صاحب بھی چاہتے تھے کہ بینا کے نکاح میں فیصل بھی شریک ہو
لیکن انھوں نے تو جا کر کوئی خط تک نہیں لکھا تھا۔

بینا کا نکاح بڑی خاموشی اور سادگی سے ہو گیا بہت تھوڑے سے افراد کو مدعو کیا گیا۔ بس
صرف شائستہ بھابی، پھوپھی جان اور چچی جان کے گھر والے مدعو تھے۔ نکاح کے لئے بہت
خوبصورت بھاری اور قیمتی غرارہ سوٹ آیا تھا۔ زیور کا ایک سیٹ، خوبصورت سی نتھ اور جڑا
ہوا ٹیکہ، بینا سج بن کر تیار ہوئی تو شائستہ بھابی اور شازیہ بھابی نے بے اختیار اس کی بلائیں
لے لیں۔

"چشمِ بد دور بینا! کس قدر رُوپ چڑھا ہے تمہارے اُوپر۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

شازیہ بھابی نے اس کے اوپر سے روپے نچھاور کرتے ہوئے کہا۔

"خدا نظرِ بد سے بچائے۔"

نکاح کے فارم پہ دستخط کرتے وقت بینا کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور دل کی حرکت
جیسے ہمیشہ کے لئے رک جانا چاہتی تھی پھوپھی جان، چچی جان اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی
تھیں، شازیہ اور شائستہ بھابی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھیں۔

مگر

ان سب کی شفقتوں اور محبتوں کا مقابلہ اس ایک ہستی کی شفقت و محبت سے
کیسے کیا جا سکتا تھا۔

وہ احساسِ محرومی جو بچپن سے لے کر اب تک اس کا دامن تھامے ہوئے تھا۔

آج اس کی زندگی کے اہم ترین دن



آج اس کی زندگی کے اہم ترین موقع پر۔

کتنی شدت اختیار کر گیا تھا۔

گھر میں اتنے بہت سارے لوگ موجود تھے۔

لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کر رہی تھی۔

بالکل اکیلا

بالکل تنہا

اس کی نگاہوں کے سامنے جمیلہ بیگم کی شبیہہ تھی۔

کچھ یادیں تھیں۔

بڑی مختصر سی۔

کچھ ملاقاتیں۔

اُدھوری اور نامکمل سی۔

رکشے میں ایک خاتون کا اجنبی انداز سے بیٹھ کر چلے جانا اسے یاد تھا بہت اچھی طرح
تھا۔

پھر وہ ان سے پہلی ملاقات

ان کی وہ بے تابیٔ دل

اور اپنا وہ بے قرار انداز

ان کا وہ والہانہ انداز سے اسے گلے لگا لگا کر چومنا

اور اس کا وہ عالمِ بے خودی

زندگی کے سفر میں ان سے ملاقات ہوئی بھی تو کس طرح

اور پھر اچھے لمحے اتنی سرعت سے گزر گئے۔

پل گزر گئے جیسے

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا۔

جو سنا افسانہ تھا۔

یہ کون سے گناہوں کی سزا ہے خداوندا!

کس قیامت کے ہیں یہ لمحے میرے معبود!

ماں کے زندہ ہوتے ہوتے بھی۔

اس کے موجود ہوتے ہوئے بھی۔

تُو نے مجھے اس احساسِ محرومی، اس احساسِ تشنگی سے کیوں دوچار کیا۔

فرطِ غم سے اس کا دل پھٹ جانا چاہتا تھا۔

اس نے شائستہ بھابی کے کندھے پر سر رکھا اور پھُوٹ پھُوٹ کر رو دی۔

قلم کی ذرا سی جنبش نے اسے جہانگیر کی ملکیت بنا دیا سب مہمان رخصت ہوگئے ہنگامے ختم ہوگئے۔ گھر میں پھر وہی روز جیسا معمول تھا روز جیسی خاموشی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں آئی تو اپنا کمرہ اسے بہت اجنبی اجنبی سا لگا۔

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس گھر کے ہر فرد سے اس کا رشتہ ختم ہوگیا تھا۔

جیسے اس گھر کی ہر چیز سے اس کا ناطہ ٹوٹ گیا ہو۔

وہ اپنے بستر پہ بیٹھی خالی خالی نگاہوں سے کمرے کی ایک ایک چیز کو تک رہی تھی۔ تبھی بوا اس کے کمرے میں چلی آئیں بوا کے چہرے پر ویسی ہی افسردگی تھی۔ جیسی بیٹیوں کے پرائی ہو جانے پر ماؤں کے چہرے پر ہوتی ہے بوا نے اس کی پیشانی چومی تو وہ بوا کے گلے کے گلے لگ رو پڑی۔

"بوا! آپ کہاں تھیں اس وقت؟"

"کس وقت؟" بوا نے پوچھا۔

"جب میں اپنی قسمت کے فیصلے پر دستخط کر رہی تھی۔"



یں تو تمہارے پیچھے ہی کھڑی تھی بیٹا!"

یرا دل بہت گھبرا رہا ہے بوا"

کس بات سے!" بُوا نے پوچھا۔

معلوم نہیں اب کیا ہوگا؟"

خدا پہ بھروسہ رکھو بیٹی اس کی رضا سے سب ٹھیک ہی ہوگا، تم خوش رہو گی، بہت خوش

"

یں خوش رہوں گی؟" مینا نے کچھ بے اعتباری سے بُوا کی طرف دیکھا۔

ہاں میرا دل کہتا ہے۔"

پھر آپ اتنی اداس کیوں ہیں؟"

یں نے تمہیں بیٹیوں کی طرح پالا ہے، ننھی سی جان تھیں۔ تم اس وقت جب میں اس گھر میں آئی بیٹیاں پرائی ہو جائیں تو ماؤں کے دل اسی طرح پھٹتے ہیں۔"

بوا نے رندھے ہوئے گلے سے کہا اور مینا کو سینے سے لگا کر رو پڑیں۔

پھر ایک دن جمیلہ بیگم نے مینا کو ٹیلیفون کر کے کہا۔

مینا میرا خیال ہے تم نے اب تک کافی سوچ و بچار کر لیا ہوگا۔"

مینا ان کی آواز سن کر چند لمحوں کے لئے گم صم سی ہوگئی۔

تم میری آواز نہیں سن رہیں؟" جمیلہ بیگم نے کہا۔

سن رہی ہوں۔"

پھر جواب دو؟

مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

ارے کہو، کچھ تو بولو۔"

آپ جس موضوع پہ بات کرنا چاہتی ہیں اب اس کو ختم ہی کر دیں۔"

ہوں؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟" جمیلہ بیگم کی آواز میں قدرے گھبراہٹ تھی۔

"میرا نکاح ہو چکا ہے،" مینا کی آواز مدہم تھی۔

"نہیں، یہ جھوٹ ہے، یہ ظلم ہے،" جمیلہ بیگم کی آواز قدرے بلند تھی۔

"یہ نہ جھوٹ ہے نہ ظلم ہے، آخر یہ سب کچھ میری مرضی سے ہی ہوا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کس کی مرضی سے ہوا ہے۔"

"آپ کو میری بات کا بھی اعتبار نہیں۔"

جمیلہ بیگم سنی ان سنی کرتے ہوئے بولیں۔

"ان لوگوں نے اتنی زحمت بھی نہیں کی کہ مجھے اطلاع کر دیتے اپنی بیٹی کے نکاح میں شریک ہونے کا حق تو بہر حال مجھے تھا۔"

مینا خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"اور تم نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ میری موجودگی کے بغیر نکاح نامے پر دستخط بھی کر دیے"

"سچ مچ! آپ کے بغیر یہ سب کچھ نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن میں سوچتی ہوں کہ ہونا تو بھی بہت کچھ نہیں چاہیئے تھا۔"

"کیا مطلب ہے تمہاری بات کا؟"

"زندگی کے اتنے بہت سارے برس میں نے آپ کے بغیر ہی گزار دیئے، ہونا تو نہیں چاہیئے تھا لیکن یہ سب کچھ ہو گیا۔"

"تم میرے اوپر طنز کر رہی ہو؟"

"نہیں امی! بخدا نہیں، میں تو بس اپنی قسمت کی بات کر رہی ہوں۔"

مینا نے یہ کہہ کر ٹیلیفون بند کر دیا اور پلکوں تلے جھلملاتے ہوئے آنسوؤں کو چھپا اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اسی شام جمیلہ بیگم آ پہنچیں۔



انہیں گھر کے ایک ایک فرد سے گلہ تھا۔ سب سے زیادہ شکوے شکایات انہیں اپنے ٹے عرفان سے تھیں انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ "یہ سب کچھ تمہاری ایما سے ہوا ہے ے خلاف سازش کی ہے۔ اگر میری بیٹی کو جہانگیر کے گھر سکھ نہیں ملا تو تم بخشے نہیں جاؤ گے۔"

یلہ بیگم غیض و غضب کی زیادتی سے آپے سے باہر ہوتی جا رہی تھیں، آخر کار مینا کو بولنا

"یہ سب کچھ میری مرضی سے ہوا ہے، آپ ان لوگوں کو ناحق الزام دے رہی ہیں۔"

یلہ بیگم نے تاسف بھری نگاہوں سے مینا کی طرف دیکھا۔

پ نے تو کہا تھا کہ آپ کو ہر حال میں میری خوشی عزیز ہے۔ میری ہی خوشی کی خاطر ان ے یہ سب کچھ کیا۔"

ٹھیک ہے تمہاری خوشی تھی کہ تمہاری شادی جہانگیر سے ہو، میں نے مان لیا لیکن مجھے شریک نہ کرنا تو تمہاری خوشی نہیں تھی۔"

بے شک، یہ میری خوشی نہیں تھی لیکن یہ مصلحت کا تقاضا تو تھا۔"

ا مصلحت تھی اس میں؟"

ی اصل میں جہانگیر کے گھر والوں کو ہمارے گھریلو حالات کا علم نہیں ہے، آپ کے نہیں کچھ نہیں معلوم ہے۔"

ن کر تو جمیلہ بیگم اور بھی زیادہ چراغ پا ہو گئیں۔

ے بھیا کی طرف دیکھ کر بولیں۔

ہیں کہیں چھپا کرتی ہیں، کل اگر مینا کی رخصتی کے بعد ان لوگوں کو یہ سب کچھ معلوم وگ اس کی زندگی اجیرن کریں گے یا نہیں؟"

ے بھیا نے کچھ کہنا چاہا مگر جمیلہ بیگم اپنی کہے گئیں۔

لئے میں چاہتی تھی کہ مینا کی شادی اشعر سے ہو۔ آپا کے گھر میں اسے کم سے کم یہ نے تو نہ ملتے۔" ظفر صاحب نے کچھ کہنے کے لئے اپنے لب ہلائے مگر جمیلہ بیگم اس

وقت صرف اپنی منانے پر آمادہ تھیں۔

انہوں نے کہا۔

"تم سب لوگوں کی نگاہوں میں، میں تو بہت گری ہوئی اور بہت گھٹیا عورت ہوں لیکن میں نے اگر کوئی لغزش کی ہے تو اس کا خمیازہ میری بیٹی کیوں بھگتے، اگر گناہگار میں ہوں تو سزاوار میری بیٹی کیوں ہو، اتنی گہرائی تک تم میں سے کسی نے بھی پہنچنے کی کوشش نہیں کی تم لوگوں کے دل و دماغ پر تو بس یہی ایک دُھن سوار تھی کہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے انتقام لے سکو۔"

کمرے میں بالکل سناٹا تھا، سب خاموش بیٹھے تھے صرف جمیلہ بیگم کی آواز اس سناٹے میں گونج رہی تھی۔

آخر کار ظفر صاحب نے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، جمیلہ بیگم! آپ سے انتقام لینے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟"

آپ لوگوں نے تو سوچ رکھا تھا کہ کسی نہ کسی طرح میری مخالفت کی جائے، فیصل درمیان سے ہٹا تو جہانگیر کو لے آئے، مقصد صرف یہ تھا کہ اشعر سے مینا کی شادی نہ ہو سکے اور وہ میرے قریب نہ رہ سکے، اب جہانگیر اور اس کے گھر والے مینا کو بھلا مجھ سے ملنے دیں گے۔"

بڑے بھیّا نے کہا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ ملنے دیں گے یا نہیں؟"

جمیلہ بیگم نے غصّے سے کہا۔

"تم تو چپ ہی رہو، مجھے تو تمہاری صورت سے نفرت ہو گئی ہے۔"

بڑے بھیّا نے بھی فوراً کہا۔

"آپ کو مجھ سے محبت ہی کب تھی جو اب آپ میری صورت سے نفرت ہونے کا انکشاف کر رہی ہیں۔"

ظفر صاحب نے فوراً دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔



یہ وقت اس قسم کی باتوں کا نہیں ہے۔"

بڑے بھیّا اُٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد جمیلہ بیگم بھی واپس چلی گئیں۔

مینا اپنے کمرے میں واپس آئی تو اس کے دماغ پر بہت بوجھ تھا وہ ہر بات کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ رہی تھی۔

اس نے سوچا۔

اس دنیا میں میری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

بس یہی نا؟ کہ زندگی بھر سب کے لئے اُلجھنوں اور پریشانیوں کا سبب بنی رہوں۔

ایک مسئلہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

میرا وجود سب کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔

خدا وندا! تو مجھ جیسے لوگوں کو دنیا میں پیدا ہی کیوں کرتا ہے؟

مینا کے نکاح کو ایک ہفتہ گزرا تھا کہ ایک شام اچانک فیصل آ گئے۔

ظفر صاحب عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ چھوٹے بھیّا شازیہ بھابی کو لے کر اپنے کسی دوست کے گئے تھے۔ شائستہ بھابی باورچی خانے میں مصروف تھیں، مینا بڑے بھیّا کے ساتھ لان میں باتیں کر رہی تھیں ان کی گود میں بیٹھی ہوئی کرن نے مچل مچل کر باہر جانے کی ضد کی تو بھیّا اسے لے کر معلوم نہیں کس طرف نکل گئے تھے۔ مینا لان میں تنہا بیٹھی رہ گئی تبھی فیصل آ گئے۔

فیصل نے قریب آ کر اپنے مخصوص انداز میں نہ یہ پوچھا کہ کیسی ہو مینا؟ نہ اپنا کچھ احوال بتایا بلکہ کہا۔

"تم نے کیا کیا مینا؟ میں اس لئے تو تمہارے اور اشعر کے درمیان سے نہیں ہٹا تھا کہ تم کسی اور کا انتخاب کر لو۔"

بینا فیصل کے اچانک چلے آنے پر خوش بھی تھی اور حیران بھی، مگر ابھی نہ وہ اپنی خوشی کا اظہا
کر پائی تھی اور نہ فیصل سے کچھ پوچھ ہی پائی تھی کہ انہوں نے ایک سوال کر دیا اور سوال بھی ایسا
کہ اسے سن کر بینا سوچ میں پڑ گئی۔

کیا کہے اور کیا نہ کہے۔

ان کے سوال کا کیا جواب دے اور کیا نہ دے۔

فیصل کی سوالیہ نگاہیں بینا کے چہرے پر تھیں اور بینا سر جھکائے گہری سوچوں میں ڈوبی
پھر بینا کو احساس ہوا کہ فیصل اب تک کھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف
اور بولی۔

" آپ بیٹھ تو جائیے۔"

فیصل نے کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

" تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا بینا؟"

" کیا جواب دوں آپ کی بات کا؟"

فیصل نے کہا۔

" تمہیں اندازہ بھی ہے تم کتنی بڑی حماقت کر بیٹھی ہو؟"

" میرا تو خیال ہے میں نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔"

" تمہارا خیال غلط ہے، تم اتنی بڑی غلطی کر بیٹھی ہو کہ بس میں نہیں کیا بتاؤں۔" فیص



ں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے کہا۔

بینا نے بڑے سکون سے کہا۔

" دیکھئے نا فیصل بھائی، یہ معاملہ خواہ مخواہ ہی تنازعے کا باعث بنا ہوا تھا۔"

فیصل خاموش رہے۔

بینا نے کہا۔

"گھر کے کچھ افراد اشعر کے حق میں نہیں تھے۔ امی آپ کے حق میں نہیں تھیں۔"

بینا ایک لمحے کے لئے رکی اور بولی۔

" ایسی صورت میں مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ آپ کے یا اشعر کے بجائے میں کسی تیسرے
ص کا انتخاب کر لوں۔"

فیصل نے پوچھا۔

" اب کیا تمہاری امی خوش ہیں؟"

" نہیں۔ وہ تو بہت سخت ناراض ہیں۔"

" پھر تم ہی بتاؤ اس حماقت سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا؟"

بینا نے کہا۔

" فائدے نقصان کے بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ لیکن میرا اندازہ ہے کہ دوسری
ں گھر میں خاصا ہنگامہ ہو جاتا۔"

"آپ ہی غلط سلط اندازے لگاتی رہتی ہو۔" فیصل ناراض ہو کر بولے۔

"آپ کو سچ مچ صحیح صورتِ حال کا اندازہ نہیں ہے۔" بینا نے کہا۔

فیصل نے کہا۔

"مجھے ہر بات کا اندازہ تھا سوائے اس حماقت کے جو تم کر بیٹھی ہو۔"

صل خاصے غصے میں تھے۔

بینا ان کی اس بات کے جواب میں کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

فیصل نے پوچھا۔

"آخر تم جہانگیر کو کب سے جانتی ہو؟"

بینا خاموش رہی۔

"اب بتاؤ تو سہی کچھ اس کے بارے میں۔"

بینا نے جہانگیر کے بارے میں ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔

فیصل اُلجھ کر بولے۔

"اتنی جلدی کسی کے بارے میں کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے، پتہ نہیں کس قسم کی عادات ہیں اس کی، اس کے گھر والے کس مزاج کے ہیں، محض دو، تین ملاقاتوں میں ہم کسی کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔"

بینا کچھ مسکرا کر بولی۔

"آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہوتے جا رہے ہیں۔"

"خواہ مخواہ نہیں ناراض ہو رہا ہوں، میری ناراضگی بالکل بجا ہے۔"

پھر قدرے بلند آواز میں بولے۔

"ایک تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم اپنے جذبات و احساسات کی پرواہ کب کرو گی؟"

بینا کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میرے جذبات و احساسات کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے۔"

فیصل نے کہا۔

"تم ان کی اہمیت کو محسوس ہی نہ کرو تو اس کے لئے کوئی کیا کر سکتا ہے؟"

انہوں نے پھر کہا۔

"تمہیں تو اپنے علاوہ باقی ساری دنیا کی فکر ہے۔"



...فکر ہے مجھے؟" بینا مسکرائی۔

...نہیں ہے، ابّو اور بھائیوں کا دل نہ ٹوٹے، امی کا دل میلا نہ ہو، فلاں شخص کو میری ذات ...ت نہ پہنچے۔ تمہارے دن رات تو بس انہی سب اندیشوں میں کٹتے ہیں۔"

...پ سوچتے ہیں نا! اب یہی دیکھئے کہ جہانگیر کا انتخاب کر لیا ہے تو امی نہ صرف ناراض ہیں ...ہ بھی بہت پہنچا ہے۔"

...نے کہا۔

...تو یہ کہتا ہوں کہ تمہیں اپنے اور اشعر کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا چاہیئے تھا۔

...ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔"

...تو اشعر کو پسند نہیں کرتی۔"

...نے جھوٹ کا سہارا لیا۔

...ر باتیں مت کرو، میں کیا دودھ پیتا بچہ ہوں؟"

...نہ بول سکی۔

...ل نے پھر تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

...تو صرف یہ سوچ کر درمیان سے ہٹ گیا تھا کہ تم اور اشعر دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ...ہرا اور تمہارا معاملہ صرف یکطرفہ طور پر پسند کا معاملہ ہے۔ مگر تم نے تو سارا معاملہ ہی چوپٹ ...یا۔"

...کچھ سوچ کر بولے۔

...بے چارے کا کیا حال ہے؟"

...بے چارے کا؟"

...ر اور کس کا؟"

...تو میں بے چارہ کہہ نہیں سکتا۔"

"مجھے نہیں معلوم۔ میں اُدھر گئی ہی نہیں۔"

فیصل ایک ہاتھ سے اپنی پیشانی دباتے ہوئے بولے۔

"سمجھ میں نہیں آتا اب آخر کیا کیا جائے؟ منگنی ہوتی ہوتی تو پھر توڑی بھی جاسکتی تھی۔"

مینا نے سہم کر فیصل کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کیسی باتیں کررہے ہیں فیصل بھائی؟"

فیصل نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں منگنی کا کیا ہے؟ آئے دن لوگوں کی منگنیاں ٹوٹتی رہتی ہیں مگر یہاں صاحب! نکاح ہوگیا۔ بہت چالاک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔"

مینا نے مسکرا کر کہا۔

"اب آپ میرے سامنے میرے سسرال والوں کو برا تو نہ کہیں۔"

فیصل نے کہا۔

"میں نے تو جب سے یہ خبر سنی ہے رہ رہ کر اپنے ہی اوپر غصہ آرہا ہے، کس قدر غلط وقت پر میں یہاں سے چلا گیا، اگر میں یہاں پہ ہوتا تو ہرگز یہ رشتہ نہیں ہونے دیتا۔"

مینا نے بھی شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی تو اچانک ایسے غائب ہوئے کہ آپ کا کچھ پتہ ہی نہ چلا، نہ کوئی ایڈریس تھا کہ آپ کو خط لکھا جاسکتا۔"

"ہوں۔" فیصل نے سر جھکا کر ایک طویل سانس لی۔

مینا نے پوچھا۔

"آخر کہاں چلے گئے تھے آپ؟"

"پتہ نہیں کہاں چلا گیا تھا؟" فیصل گہری سوچوں میں ڈوب گئے۔

اسی وقت بڑے بھیا کرن کے ساتھ واپس آگئے۔ فیصل کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے



ریت پوچھنے لگے۔

جہانگیر سے نکاح ہوجانے کے بعد مینا کی زندگی میں ایک ٹھہراؤ آگیا تھا۔ اشعر کا خیال اکثر اسے آتا مگر وہ یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتی تھی کہ ــــ

قسمت میں یہی لکھا تھا۔

جو کچھ ہوا ٹھیک ہی ہوا۔

رفتہ رفتہ دل بھی سنبھل جائے گا اور دماغ بھی پرسکون ہوجائے گا۔

وقت بڑے سے بڑے زخم کو مندمل کردیتا ہے۔

لمحے گزریں گے تو میرے دل کا درد بھی کم ہوجائے گا۔

جہانگیر سے مینا کا پردہ نہیں کرایا گیا تھا۔ گھر والوں نے ان کے ملنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی پھر بھی نکاح کے بعد سے مینا کی جہانگیر سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جہانگیر دو دفعہ آیا تھا، مگر مینا سامنے نہیں گئی۔ سب کے کہنے پر بھی نہیں گئی۔

لیکن اس روز اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ جہانگیر صبح دس بجے کے قریب آیا تو سوائے مینا کے گھر میں کوئی نہیں تھا حتیٰ کہ بوا بھی نہیں تھیں۔ بھابی کے ساتھ ہاسپٹل گئی تھیں بھابی پچھلے کئی روز سے کمر کے درد میں مبتلا تھیں۔ ڈاکٹر کو دکھایا، ایکسرے ہوا تو پتہ چلا کہ ان کے گردے میں پتھری ہے۔ دوائیں کھا رہی تھیں، لیکن انہیں آرام نہیں آرہا تھا۔ درد کی شدت سے بے حال ہوجاتی تھیں۔ گزشتہ شام سے ان کی طبیعت بہتر تھی۔ اسی لئے بڑے بھیا ان کا چیک اپ کروانے دوسرے روز لے گئے تھے۔ کرن ان کے ساتھ جانے کے لئے مچل رہی تھی اسی لئے بوا بھی ان کے ساتھ

مینا نے ملازم لڑکے کو سبزی، گوشت لانے کے لئے بھیجا ہی تھا کہ کال بیل بجی۔ مینا گیٹ پہ آئی اور دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک کر رہ گئی۔ ایک سیکنڈ کے لئے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ

جہانگیر کو اندر بلائے یا یہ کہہ کر واپس بھیج دے کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔

اس نے سوچا۔

معلوم نہیں الٹے قدموں واپس بھیج دینا مناسب بھی ہے یا نہیں۔

آخر کار کچھ پس و پیش کے بعد اس نے جہانگیر کو بلا لیا۔

"تشریف لائیے۔" اس نے بڑی متانت سے کہا۔

جہانگیر اندر آیا تو وہ گیٹ بند کرکے پلٹ آئی۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم کے دروازے تک آئے۔

مینا نے کہا۔

"آپ چند سیکنڈ ٹھہریئے، میں اندر جاکر دروازہ کھولتی ہوں۔"

جہانگیر نے آہستہ سے سر ہلایا۔

مینا نے دروازہ کھول کر کہا۔

"آئیے، اندر آ جائیے۔"

جہانگیر اندر آکر بیٹھ گیا تو مینا نے کہا۔

"معاف کیجیے گا اس وقت گھر میں کوئی اور نہیں ہے۔"

جہانگیر نے اطمینان سے کہا۔

"جی، مجھے معلوم ہے۔"

مینا نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا۔

"آپ کو معلوم ہے!!؟"

"جی ہاں، عرفان بھائی مجھے راستے میں ملے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا وہ ہاسپٹل جارہے ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"بھابی کی طبیعت بہت خراب ہے۔"



جہانگیر دو ایک سیکنڈ خاموش رہا پھر بولا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں۔"

"جی، کہئے۔"

"میں قصداً اس وقت یہاں آیا ہوں۔"

مینا خاموش رہی۔

جہانگیر نے کہا۔

"ورنہ ظاہر ہے، یہ تو یہاں آنے کا وقت نہیں ہے جب کہ مجھے معلوم ہے کہ اس وقت مردوں سے کوئی بھی گھر میں نہیں ہوتا۔"

مینا پھر بھی چپ رہی۔

جہانگیر نے صاف گوئی سے کہا۔

"دراصل میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔"

مینا سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس نے جہانگیر سے یہ نہیں پوچھا کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔

جہانگیر نے پوچھا۔

"آپ کو میری یہ حرکت ناگوار تو نہیں گزری؟"

مینا نے سوچا۔

وہ جہانگیر کی اس بات کا کیا جواب دے۔

جہانگیر نے اپنا سوال دوبارہ دہرایا تو مینا نے انکار میں گردن ہلا دی۔

جہانگیر نے کہا۔

"دیکھئے نا! ہم دونوں ایک بندھن میں بندھ گئے، لیکن سچ پوچھئے تو مجھے ابھی تک صحیح طور پر نہیں ہو سکا کہ آپ کے دلی جذبات کیا ہیں؟"

مینا نے سوچا۔

"آپ میرے دلی جذبات کا اندازہ لگا کر کیا کریں گے؟ بس جو کچھ ہوا ٹھیک ہی ہوا۔"

جہانگیر نے کہا۔

"میری تو بہت بڑی آرزو پوری ہوئی ہے، میں تو بے پناہ خوش ہوں مینا! مگر آپ؟"

اس نے سوالیہ نگاہوں سے مینا کی طرف دیکھا۔ مینا چپ چاپ بیٹھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

جہانگیر نے پھر صاف صاف پوچھ لیا۔

"آپ خوش ہیں مینا؟"

مینا نے کہا۔

"خوش نہ ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

جہانگیر نے کہا۔

"بعض اوقات انسان مجبوراً بھی کوئی فیصلہ کر لیا کرتا ہے۔"

مینا جہانگیر کی بات سن کر ایک لمحے کو چونکی اور بولی۔

"مگر میں نے یہ فیصلہ مجبوراً نہیں کیا ہے۔"

جہانگیر نے کہا۔

"آسیہ کے ذریعے میں آپ کے گھریلو حالات سے بڑی حد تک واقف ہوں۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ آپ کے گھر والے فیصل صاحب کے ساتھ آپ کا رشتہ طے کرنا چاہتے تھے او

مینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کچھ درست سہی، لیکن اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق اور اختیار تو بہر حال مجھے تھا ہی، سو میں نے بہت سوچ سمجھ کر آپ کا انتخاب کیا اور میں اپنے اس فیصلے پر بہت مطمئن ہوں۔"

جہانگیر نے کہا۔

"شکریہ۔ بس مجھے یہی معلوم کرنا تھا اور اب میں بالکل مطمئن ہوں۔"



پھر وہ لوگ کچھ دیر اپنی اسٹڈیز اور رزلٹ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ مینا جہانگیر کے
... تواضع بنا کر لے آئی۔

جہانگیر اپنے مستقبل کے منصوبوں کے متعلق بڑی تفصیل سے اسے بتا رہا تھا۔ مینا بڑی توجہ
... سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

ملازم کے واپس آنے سے پہلے ہی جہانگیر چلا گیا۔ مینا جہانگیر کے آنے سے کچھ ڈسٹرب سی ہو
... کام کرتے ہوئے اسے کئی بار جہانگیر کا خیال آیا مگر پھر اس نے اپنی توجہ دوسری طرف

گھر میں کچھ روز بڑی افراتفری اور پریشانی کا عالم رہا۔ بھابی کی تکلیف نے اتنی شدت اختیار کی کہ ڈاکٹر نے انہیں آپریشن کروانے کا مشورہ دیا۔ بھابی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوگئیں۔ گھر سے ہاسپٹل اور ہاسپٹل سے گھر کے چکروں کے علاوہ کسی کو کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ مینا دو تین دن ہاسپٹل میں بھابی کے ساتھ رہی۔ کچھ دن بھابی کی امی ان کے ساتھ رہیں۔

اسی افراتفری میں مینا کا رزلٹ نکل آیا۔ وہ تمام پرچوں میں پاس ہوگئی تھی۔ ہاسپٹل میں ہی جب وہ بھابی کے پاس رہ رہی تھی، ایک روز جہانگیر اس سے ملنے آیا۔ ویسے تو وہ روزانہ ہی بھابی کی عیادت کو آتا تھا، لیکن اس روز وہ خاص طور سے مینا سے ہی ملنے آیا تھا جس کا اس نے فوراً ہی اعتراف بھی کر لیا تھا۔ سب لوگ بھابی سے مل کر جا چکے تھے۔ جب وہ آیا۔ بھابی اس وقت کچھ غنودگی کے عالم میں تھیں۔

جہانگیر بھابی کی خیر خیریت پوچھ کر دھیمی آواز میں مینا سے بولا۔

"بھابی سو رہی ہیں، ڈسٹرب ہوں گی۔ آیئے باہر برآمدے میں آجایئے۔"

مینا اس کے ساتھ باہر آگئی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

جہانگیر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"بہت کمزور لگ رہی ہیں۔"



"ہاں — بس بھابی کی بیماری کی وجہ سے خاصی پریشانی رہی۔"

"اپنا رزلٹ دیکھا ہے آپ نے؟"

"جی۔"

"آج آپ کو مبارکباد دینے کے ارادے سے ہی آیا تھا۔"

"شکریہ! مگر ابھی تو یہ رزلٹ ادھورا ہی سمجھئے۔"

"کیوں؟"

"اصل رزلٹ تو فائنل میں ہوتا ہے۔"

"ہاں، لیکن سب پرچوں میں پاس ہوگئی ہیں آپ۔"

"ابھی تو نمبروں کی فکر ہے۔ معلوم نہیں کیسے نمبر آئے ہوں گے۔"

"اچھے ہی ہوں گے، محنت تو خاصی کرتی ہیں آپ۔"

مینا خاموش رہی۔

"یونیورسٹی کب جائیں گی؟"

"بھابی ڈسچارج ہو کر گھر چلی جائیں، اس کے بعد سوچوں گی۔"

"وہاں میں آپ سے کبھی کبھی ملنے آسکتا ہوں؟"

جہانگیر نے قدرے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ کے نزدیک اگر یہ بات مناسب ہو تو آجایا کیجئے گا۔"

"آپ اپنی بات بتایئے۔ کوئی اعتراض تو نہیں آپ کو؟"

جہانگیر کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

مینا نے کہا۔

"اعتراض تو خیر نہیں، بس یہ ہے کہ انسان دوسروں کی نگاہوں میں آجاتا ہے۔"

جہانگیر نے کہا۔

"پہلے تو میں خود بھی اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا تھا، لیکن اب تو ہم دونوں ایک نئے رشتے میں بندھ گئے ہیں۔"

مینا خاموش رہی تو جہانگیر نے کہا۔

"بہرحال میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گی، اگر آپ مناسب نہیں سمجھتیں تو نہ سہی۔"

مینا نے کہا۔

"نہیں، میں آپ کو اپنی مرضی کے تابع کرنا نہیں چاہتی۔ جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں۔"

پھر جہانگیر خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

بھابی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئیں تو چند روز بعد مینا نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا۔ جمیلہ بیگم اس دن کے بعد سے پھر نہیں آئی تھیں۔ نہ ہی انہوں نے ٹیلیفون کیا تھا۔ مینا کا کبھی کبھی دل چاہتا تھا وہ ان سے جا کر مل آئے مگر معلوم نہیں کیوں اب اسے ان کے پاس جاتے ہوئے خوف آتا تھا۔

وہ تو اپنے نکاح کے بعد سے خالہ امی سے ملنے بھی نہیں گئی تھی۔ اس کی بڑی خواہش تھی خالہ امی اس کے نکاح کے وقت موجود ہوتیں۔ مگر مصلحتاً اس نے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا اور اب وہ ان سے شرمندہ تھی۔ کس منہ سے ان کا سامنا کروں؟

یہی سوچ کر وہ ہر روز اپنے آپ کو ان کے گھر جانے سے باز رکھتی تھی۔ حالانکہ ٹیلیفون پر اس کی خالہ امی اور رحمہ آپا سے بات ہو چکی تھی اور وہ دونوں اسے مبارکباد بھی دے چکی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کے سامنے جانے کی ہمت اپنے آپ میں نہیں پا رہی تھی۔

کتنے ہی روز اسی سوچ بچار میں گزر گئے۔ ان کے گھر جائے، نہ جائے۔ وہ ہر روز ان کے گھر جانے کا ارادہ کرتی مگر اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکتی۔ لیکن آخر کب تک؟

ایک روز یونیورسٹی سے چھٹی ہونے کے بعد مینا خالہ امی کے گھر پہنچ ہی گئی۔

وہ رکشے سے اتر کر دو ایک سیکنڈ تک گھبرائی گھبرائی سی کھڑی رہی۔



دو تین بار کال بیل پر انگلی رکھتے رکھتے رہ گئی۔

ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی بیل بجانے کی۔

دل دھڑک دھڑک کر بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

پیشانی پہ پسینے کی بوندیں چمک اٹھی تھیں۔

پھر اس نے بیل بجا ہی دی۔

چند سیکنڈ بعد رحمہ آپا نظر آئیں۔

گیٹ کھول کر رحمہ آپا نے اسے بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

مینا کا دل بھر آیا۔

آنکھوں میں نمی سی اترتی آئی۔

اس نے پلکیں جھپکا کر آنسوؤں کی نمی کو حلق میں اتار لیا۔

"کیسی ہو مینا؟"

رحمہ آپا نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیے کیسی ہیں؟"

انہوں نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

رحمہ آپا نے کہا۔

"لوگ بھی ٹھیک ہی ہیں۔"

چہرے کی افسردگی مینا سے چھپ نہ سکی۔

رحمہ آپا کے ساتھ اندر پہنچی تو انہوں نے اونچی آواز سے کہا۔

"امی! مینا آئی ہے۔"

کہتے ہوئے رحمہ آپا مینا کے شانے پہ ہاتھ رکھے ہوئے خالہ امی کے کمرے میں داخل ہو گئیں

چہرہ اسے دیکھ کر کھل اٹھا۔ ان کے چہرے پہ چھائی ہوئی اداسی خوشی کی دبیز تہہ کے

نیچے ایک لمحے کے لئے چھپ گئی۔

انہوں نے مینا کو سینے سے لگا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"تمہیں دیکھنے کو تو آنکھیں ترس گئیں مینا!"

مینا مارے شرمندگی کے کچھ بول ہی نہ سکی۔

"بہت کمزور ہو رہی ہو تم! کیا بات ہے؟" انہوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"واقعی امی! چہرہ بہت پیلا پیلا سا لگ رہا ہے۔" نجمہ آپا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

مینا نے اپنے ہونٹوں پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

"کہاں زرد ہو رہی ہوں نجمہ آپا! آپ تو بس ویسے ہی ...."

خالہ امی نے کہا۔

"ہاں، ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے نجمہ۔"

مینا نے کہا۔

"اصل میں آپ لوگوں نے بہت دنوں بعد دیکھا ہے نا۔ اس لئے ایسا محسوس ہو رہا ہے"

وہ ان لوگوں کی توجہ اپنے چہرے کی طرف سے ہٹانا چاہتی تھی۔ ورنہ اس حقیقت کا علم اسے بھی تھا کہ اس کی صحت پہلے کے مقابلے میں خاصی گر گئی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا ہوتا جا رہا تھا؟ وہ خود بھی حیران تھی۔

پھر خالہ امی باقی سب لوگوں کی خیریت پوچھتی رہیں۔ شائستہ بھابی کے آپریشن کی خبر سن کر وہ حیران بھی ہوئیں اور انہوں نے گلہ بھی کیا۔ دوسروں سے تو نہیں اتنا شکوہ نہیں تھا جتنا مینا سے

انہوں نے کہا۔

"تم تو مجھے خبر کر سکتی تھیں مینا! ٹیلیفون ہی کر دیتیں تو کم سے کم عیادت ہی کر آتے ہم لوگ شائستہ کی۔"

مینا نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔



پا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

یورسٹی سے آ رہی ہو مینا تو یقیناً بھوک لگ رہی ہو گی۔"

نے کہا۔

امی مجھے بڑی سخت بھوک لگی ہے۔"

پھر منہ ہاتھ دھو، میں کھانا رکھتی ہوں۔"

لوگوں نے کھا لیا کھانا؟"

ہیں، ابھی نہیں کھایا۔

ھانا کھا کر نجمہ آپا کے ساتھ ان کے کمرے میں چلی آئی۔ خالہ امی بھی سونف، کھوپرہ اور ر وہیں آ گئیں۔

پا اس سے جہانگیر کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

امی نے پوچھا۔

کے موقع پہ کیا کیا ہوا تھا؟ کون کون آیا تھا؟"

نے انہیں بغیر کسی تاثر کے ساری تفصیل بتا دی۔ اس کے دل کو اگر کوئی خوشی ہوتی تو رہا کہ انہیں سب کچھ بتاتی۔

نزدیک تو یہ سب وقت اور حالات کا تقاضا تھا۔

کا کہا پورا ہوا تھا۔

تھا نہ آرزو۔

کے جذبات تھے نہ چاہت کے۔

نے کہا۔

بتاؤ مینا! ہم لوگوں کو بھی یاد کیا تھا تم نے اس موقع پہ یا نہیں؟"

افسردہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں نے آپ لوگوں کو کتنا یاد کیا؟ یہ میرا ہی دل جانتا ہے۔"

پھر وہ ایک دبی ہوئی سانس لے کر بولی۔

"بعض اوقات انسان اتنا مجبور ہوتا ہے کہ دل چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔"

اسی وقت باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

نجمہ آپا نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان آ گئے"

وہ گیٹ کھولنے چلی گئیں۔

نجمہ آپا کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اشعر ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک کر رہ گئے۔

وہ مینا کو دیکھ کر چونک سے گئے تھے۔ غالباً نجمہ آپا نے انہیں مینا کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

مگر پھر وہ رُکے نہیں۔

اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

خالہ امی ان کے لئے کھانا نکالنے چلی گئیں۔ نجمہ آپا پھر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

اشعر کھانا کھا کر پھر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ادھر نہیں آئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد نجمہ آپا مینا کو لے کر ان کے کمرے میں چلی گئیں۔

اشعر کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے نجمہ آپا نے کہا۔

"اندر آنے کی اجازت ہے بھائی جان!"

اشعر نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آ جاؤ، پوچھ کیوں رہی ہو؟"

"میں نے سوچا کہیں آپ آرام نہ کر رہے ہوں۔"

نجمہ آپا نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

مینا بھی کچھ جھجکتی ہوئی نجمہ آپا کے پیچھے ہی اندر آ گئی۔



نجمہ آپا نے مینا کا ہاتھ تھام کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ تو مینا سے ملنے آئے نہیں، اس لئے میں نے سوچا کہ میں مینا کو آپ کے کمرے میں ہی ملانے کے لئے لے آؤں۔"

اشعر کچھ نہیں بولے۔ سرہانے سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اُٹھا کر ان لوگوں کے قریب ہی صوفے پر آ بیٹھے۔

نجمہ آپا نے کہا۔

"آپ نے تو مینا کو مبارکباد بھی نہیں دی۔"

"کس بات کی مبارکباد؟"

اشعر کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے تاریک سایہ سا لہرا گیا۔

نجمہ آپا نے کہا۔

"ایک تو اس کے نکاح کی اور دوسری پریلیمز میں پاس ہونے کی۔"

اشعر سگریٹ سلگا کر بولے۔

"مٹھائی کے بغیر کیسی مبارک باد؟"

نجمہ آپا نے کہا۔

"ہاں، یہ تو آپ صحیح کہہ رہے ہیں، یہ تو خالی ہاتھ آ گئی۔"

اشعر نے کہا۔

"چلو یہ مٹھائی نہ لائیں تو نہ سہی، تم تو کم سے کم چائے یا کافی پلا دو۔"

نجمہ آپا جھینپ کر بولیں

"ہائے! میں تو آج بالکل بھول ہی گئی آپ کے لئے کافی بنانا۔"

انہوں نے اُٹھتے ہوئے مینا سے پوچھا۔

"مینا! تم پیو گی کافی؟"

بینا نے کہا۔

"نہیں، میں شام کو چائے ہی پیوں گی۔"

نجمہ آپا کے جانے کے بعد بینا ایک دم نروس سی ہو گئی۔

اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ نگاہ اُٹھا کر اشعر کی طرف دیکھتی۔

اشعر صوفے کی پشت سے سر ٹکائے سگریٹ کے کش لگائے جا رہے تھے۔

جانے کتنے لمحے ان دونوں کی خاموشی کی نذر ہو گئے۔

دونوں چُپ چُپ تھے۔

دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گُم تھے۔

کمرے میں خاموشی تھی۔

بڑی منجمد سی خاموشی۔

آخر اشعر نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"بڑے دنوں میں آئیں بینا!"

بینا ایک دم چونک گئی۔

اس نے سر گھما کر اشعر کی طرف دیکھا، اشعر بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اشعر نے کہا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے نا!"

"جی؟"

بینا نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"کہاں کھوئی ہوئی تھیں؟" اشعر مسکرائے۔

"کہیں نہیں۔"



"میں نے کہا تھا بہت دنوں بعد آئیں تم؟"

"جی۔"

"کیوں؟"

"بس کچھ مصروفیت تھی، کچھ پریشانی تھی۔"

"پریشانی کیا تھی؟"

اشعر ایک لمحے کو چونکے۔

"بھابی کا آپریشن ہوا تھا۔"

"اچھا! اب کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔"

"تم کیوں اتنی کمزور ہو رہی ہو؟"

"نہیں تو، میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اپنی شکل کب سے نہیں دیکھی آئینے میں؟"

"روز ہی دیکھتی ہوں۔"

بینا دھیرے سے مسکرائی۔

اشعر نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"نہیں بینا! تمہاری صحت بہت خراب ہو رہی ہے، اپنا خیال رکھا کرو۔"

"میں تو ہر طرح اپنا خیال رکھتی ہوں۔"

"پھر تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟"

"کیسی حالت؟ بالکل ٹھیک تو ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں۔"

"پھر کیا مطلب ہے؟"
"دیکھئے نا! بعض دفعہ انسان کو وہم بھی تو ہو جاتا ہے۔"
"اور کچھ؟" اشعر مسکرائے۔
"ایک وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ آپ نے کافی دنوں کے بعد مجھے دیکھا ہے' اس لئے
آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہو گا۔"
"یہ کوئی وجہ نہیں ہے۔"
مینا کچھ نہیں بولی۔
اشعر نے کہا۔
"ایک بات پوچھوں؟"
"پوچھئے۔"
"تم خوش تو ہو؟"
"کس بات پہ؟"
"تمہیں اندازہ تو ہو گا میرا اشارہ کس بات کی طرف ہے؟"
مینا ایک لمحے کے لئے خاموش رہی پھر بولی۔
"سب کچھ میری مرضی سے ہوا ہے پھر خوش کیوں نہیں ہوں گی؟"
اشعر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولے۔
"واقعی جو کچھ ہوا ہے تمہاری مرضی سے ہوا ہے؟"
ان کی آنکھوں میں بے اعتباری تھی۔
مینا نے کہا۔
"آپ کو یقین کیوں نہیں آتا؟"
"یقین اس لئے نہیں آتا کہ تم مجھے خوش نظر نہیں آ رہی ہو۔"



ینا نے کہا۔
پ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں سچ مچ بہت خوش اور مطمئن ہوں۔"
ہ خوش اور مطمئن ہوتے ہیں' انہیں الفاظ کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"
نا خاموش رہی۔
ن کے پاس اشعر کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔
ہ جو کچھ کہہ رہے تھے' ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔
رے میں چند سیکنڈ کے لئے پھر گہری خاموشی چھا گئی۔
شعر نے دوسرا سگریٹ سلگا لیا۔
نا صوفے کی پشت سے سر ٹکائے ان کی طرف دیکھتی رہی۔
عر اس کی طرف دیکھ کر ایک دم مسکرا دیئے اور بولے۔
ا دیکھ رہی ہو؟"
یکھ رہی ہوں آپ کی آنکھیں بہت سرخ ہو رہی ہیں۔"
ہو تو رہی ہیں' پھر؟"
ل سرخ ہو رہی ہیں؟"
ملوانا چاہتی ہو میری زبان سے؟"
ں صرف آنکھیں سرخ ہونے کا سبب پوچھ رہی ہوں۔"
ے کرنے کے سبب بھی آنکھیں سرخ رہتی ہیں اور۔۔۔"
گھبرا کر پوچھا۔
ہ ئنک کرنے لگے ہیں؟"
یک دم ہنس پڑے۔
ے نہیں مینا بیگم! میری پوری بات تو سن لو تم۔"

"سُنائیے۔"

"آگے میں یہ کہنے والا تھا کہ شب بیداری کے سبب سے بھی آنکھیں سُرخ رہتی ہیں۔"

"اچھا۔" مینا نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔

"کیا اچھا؟"

"اس کا مطلب ہے آپ کی آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے ...."

"جی، آپ درست سمجھیں۔" اشعر مسکرائے۔

مینا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"تو آپ شب بیداری کرتے ہی کیوں ہیں؟"

"اپنی طرف سے تو بہت کوشش کرتا ہوں مگر پوری طرح نیند ہی نہیں آتی۔"

مینا نے کہا۔

"یہ تو پریشان کُن بات ہے۔"

"کیوں؟ پریشان کُن کیوں ہے؟"

"اب دیکھئے نا! آدمی کو نیند نہ آئے تو دس طرح کے خیالات دماغ کو پریشان کرتے ہیں"

"ہاں، یہ تو سچ ہے، مگر اپنے آپ کو سمجھانے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔"

"کیا سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں؟"

"یہی کہ جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ سب تقدیر کے کھیل ہیں۔"

مینا کی نگاہیں جھک گئیں۔ وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

اشعر نے کہا۔

"تم سے بھی میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"جی! کیا؟"

مینا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔



جو کچھ ہو چکا اس پر افسوس مت کرو۔"

ینا نے جلدی سے کہا۔

مجھے تو کسی بات کا افسوس نہیں۔"

زبان سے تم کچھ بھی کہتی رہو مگر حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے۔"

ینا نے گھبرا کر کہا۔

معلوم نہیں آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

یں جو کچھ سمجھ رہا ہوں ٹھیک سمجھ رہا ہوں، اور کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو، اپنی صحت رکھو۔"

آپ ناحق میری طرف سے فکرمند ہو رہے ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

ینا نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

شعر کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

نہوں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

خواہ مخواہ میرا موڈ مت خراب کرو مینا! تم آخر کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہوئی ہو؟"

ینا نے کچھ کہنا چاہا تو اشعر بولے۔

سب کچھ تم نے خود کیا ہے، دوسروں کی خوشی کی خاطر تم نے اپنی ہر خواہش کا گلا خود گھونٹ

ب جو کچھ کر بیٹھی ہو اسے اچھی طرح سے نبھاؤ۔"

ینا نے بڑی ہمت کر کے اشعر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آپ سے کس نے کہہ دیا یہ سب کچھ۔ اس میں بالکل بھی سچائی نہیں۔"

شعر قدرے بلند آواز میں بولے۔

مجھ سے کون کہے گا اور نہ ہی مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے، میں خود عقل و شعور رکھتا

نہیں رکھتا ہوں۔"

اسی وقت نجمہ آپا آگئیں۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے سوچا کہ تم کافی نہیں پی رہی ہو اس لئے میں اپنے اور تمہارے لئے چائے بنا کر لے آئی ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"مگر میں نے تو چائے کے لئے بھی منع کیا تھا۔"

نجمہ آپا مسکرا کر بولیں۔

"بھئی، اصل میں میرا بہت دل چاہ رہا تھا چائے پینے کو۔"

"تو آپ اپنے لئے بنا لیتیں۔"

"میں نے سوچا اب میں اکیلی کیا پیوں گی چائے۔ لہٰذا تمہارے لئے بھی بنا لائی۔"

"چلئے ٹھیک ہے پھر آپ کا ساتھ دے دوں گی۔"

مینا مسکرا کر بولی۔

نجمہ آپا کپ میں چائے انڈیلنے لگیں۔

---



…جب ارشد بھیا مینا کو لینے کے لئے آئے تو اشعر نے ہمیشہ کی طرح اس سے یہ نہیں پوچھا

…ؤ گی مینا؟

…انہوں نے یہ ضرور کہا۔

…ہے تم میری نصیحتوں پر عمل کرو گی۔"

…موش رہی۔

…کو کھانے کے بعد جب وہ پڑھنے کے ارادے سے بیٹھی تو کتاب کے صفحات پر

…صورت بنتی اور بگڑتی رہی۔ اسے اشعر کی باتوں کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔

…صحت بہت خراب ہو رہی ہے، اپنا خیال رکھا کرو۔"

…چکا اس پر افسوس مت کرو۔"

…تم نے خود کیا ہے، دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنی ہر خواہش کا گلا گھونٹ دیا، مگر

…ہوا اسے اچھی طرح سے نبھاؤ۔"

…تک وہ کتاب کھولے بیٹھی رہی مگر ایک لفظ نہ پڑھ سکی۔

…طرب ہو رہی تھی وہ آج نجمہ آپا کے گھر جا کر۔

…اس نے کتاب بند کر دی اور میز کے کنارے پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔

…سوچا۔

…"جو کچھ ہو چکا میں اس پر افسوس نہ کروں۔"

میں انہیں کیسے بتاؤں، میں تو ایک عجیب ہی عالم سے گزر رہی ہوں۔

مجھے نہ کسی بات کی خوشی ہے نہ کسی بات کا غم۔

اور نہ ہی مجھے کسی بات کا افسوس ہے۔

میں تو اپنی زندگی میں پے بہ پے پیش آنے والے واقعات کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرتی چلی جا رہی ہوں۔

مجھے اپنے خدا سے نہ کسی بات پر گلہ ہے اور نہ ہی میں کسی چیز کی تمنا کرتی ہوں۔

ہاں، بس اتنا ضرور چاہتی ہوں کہ خدا میرے دل و دماغ کو سکون دے۔

مگر میری زندگی میں سکون کہاں؟

دل و دماغ میں کیسی اتھل پتھل ہوتی ہے۔

"کس سے کہوں؟"

"کس کو بتاؤں؟"

اس نے سر اُٹھا کر بیزار نگاہوں سے کتابوں کی طرف دیکھا اور انہیں پیچھے کی طرف کھسکا دیا۔

ہاتھ بڑھا کر بک شیلف میں سے ایک رسالہ نکال لیا اور اُٹھ کر اپنے بستر پہ آ گئی۔

تمام افسانوں کے آخری صفحات پلٹ کر آخری کی چند سطریں پڑھ کر اس نے ان کے انجام کا اندازہ لگایا اور ایک کامیڈی افسانہ پڑھنے لگی۔ اس وقت ٹریجڈی افسانہ پڑھنے کا اس کا ذرا بھی موڈ نہیں تھا۔ کوئی ہلکی پھلکی کامیڈی پڑھ کر وہ اپنے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے غبار کو کم کرنا چاہتی تھی۔

وہ ایک طویل افسانہ تھا۔ ختم ہوتے ہوتے خاصا وقت گزر گیا مگر اس کے دل و دماغ پر چھایا غبار پھر بھی کم نہ ہو سکا۔ رسالہ سرہانے رکھ کر وہ اُٹھ بیٹھی اور دریچے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

رات زیادہ نہیں گزری تھی۔

مگر پھر بھی سناٹا تھا اور بڑی خاموشی۔

درختوں کے درمیان سے گزرنے والی ہواؤں کی آہٹیں بہت مدھم تھیں۔



رہتی ہوئی چاندنی کے رُوپہلے غبار میں ہر شے خوابیدہ سی معلوم ہو رہی تھی۔

دھیمی ہوا کی آہٹوں سے دم بخود پتے بار بار چونک پڑتے تھے۔

سوکھے پتوں کی کراہٹوں سے فضا لرز اُٹھتی تھی۔

باؤنڈری وال پہ درختوں کے سرسراتے ہوئے سائے بڑے پُراسرار سے لگ رہے تھے۔

ینا اپنے دل کا درد بھول کر کچھ کھو سی گئی۔

چند سیکنڈ کے لئے اس کے دل و دماغ سے سب کچھ محو ہو گیا۔

نا اشعر۔ نہ ان کی باتیں۔

نہ جہانگیر۔ نہ اس سے وابستگی۔

نہ فیصل اور نہ کوئی دوسرا شخص۔

رات کے فسوں نے اسے کچھ اس طرح اپنی باہوں میں سمیٹ رکھا تھا کہ اسے اپنے وجود تک کا

رہا۔

ں نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

یاہی مائل نیلگوں آسمان پہ چمکتا ہوا چاند اسے بڑا اداس اور تنہا سا لگا۔

پھر — جیسے وقت پلٹ آیا۔

دن لوٹ آئیں۔

ی لمحوں کی وادی سے گزرتی ہوئی رات کی یہ خواب گھڑیاں۔

اداس چاند۔

ؤں کی دھیمی آہٹیں۔

تی ہوئی چاندنی کا رُوپہلا غبار

خود پتے۔

کھے پتوں کی کراہیں۔

یہ سب کچھ اسے بس یہی احساس دلا سکے

زندگی جبرِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اور ـــــ درد وہ سنگِ گراں ہے کہ پگھلتا ہی نہیں۔

وطن واپس آنے کے بعد اشعر سے وہ اپنی پہلی ملاقات یاد آئی۔

وہ ایک ہی دروازے سے بیک وقت ان کے باہر جانے اور اس کے اندر داخل ہونے کی کوشش میں دونوں کا تصادم ہو جانا۔

وہ ان کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی دھیمی دھیمی مخصوص مسکراہٹ۔

اور پھر ـــــ اس کے بعد کچھ اور ملاقاتیں۔

یہ سب کچھ یوں لگتا تھا جیسے ایک خواب تھا۔

خواب ـــــ جو آنکھ کھلتے ہی ریزہ ریزہ ہو گیا۔

خواب ـــــ جو لمحوں کی قید سے آزاد ہوا تو بکھر کر رہ گیا۔

ان ملاقاتوں کا انجام آج یہ تھا کہ درد حد سے گزر کر تکلیف دہ ہو گیا تھا۔

دل میں گونجتی ہوئی خاموشی زخموں کی رازداں بن کر ناقابلِ برداشت ہوئی جاتی تھی۔

اور روح میں پہنچتے ہوتے سناٹے اندر ہی اندر اس کے وجود کو دیمک کی طرح چاٹے جاتے تھے۔

اوپر ـــــ آسمان پر ـــــ

ستاروں کے جھرمٹ میں

چاند کے آس پاس

اشعر کی تصویر بار بار بنتی اور دھندلی پڑ جاتی۔

وہ پلکیں جھپکائے بنا اوپر بلندیوں پر دیکھتی رہی۔

اس شخص کی تصویر کو جواب اس کے لئے نہیں تھا۔

اس شخص کی شبیہ کو ـــــ جس کے لئے اب وہ نہیں تھی۔



اور نہ ہو سکتی تھی۔ اب اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اسے اچھی طرح اس بات کا احساس تھا کہ اسے اب اشعر کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیئے۔

مگر آج اشعر کا سامنا ہوا تو دل کو اتنا سمجھانا مشکل ہو گیا۔

کچھ دن اور گزر گئے۔ اشعر سے اس روز کی ملاقات کا اثر قدرے کم ہو گیا۔

پھر ایک روز یونیورسٹی میں اس نے جہانگیر کو دیکھا۔ وہ اور آسیہ کلاس اٹینڈ کر کے نکلیں تو
ڈیپارٹمنٹ کے نوٹس بورڈ کے پاس ہی جہانگیر کھڑا نظر آیا۔

آسیہ نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

”وہ دیکھو۔ جہانگیر کھڑا ہے۔“

مینا نے کہا۔

”ہاں میں دیکھ چکی ہوں۔“

آسیہ نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

”بیچارہ شوقِ دیدار کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے بغیر نہ رہ سکا۔“

مینا کچھ نہ بولی۔

دونوں جہانگیر کے قریب پہنچیں تو آسیہ نے اسے بڑا زوردار سلام کیا۔ جہانگیر ایک دم
چونک کر ان کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ مینا کی نگاہیں اسی کی طرف تھیں۔ جہانگیر کی نگاہیں دو ایک
لمحے کے لئے مینا کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ مینا جانتی تھی کہ جہانگیر کیوں اس طرح اس کی طرف
دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ اپنے چہرے کا کیا کرتی جو دن بدن زرد ہوتا جا رہا تھا۔

آسیہ نے جہانگیر سے پوچھا۔

”خیریت تو ہے جہانگیر بھائی! کیسے آنا ہوا؟“

جہانگیر نے کہا۔

”ایڈمنسٹریشن میں کچھ کام تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ جب یہاں تک آ گیا ہوں تو آپ لوگوں سے

بھی ملتا جاؤں۔"

آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لوگوں کا لفظ تو آپ نے غلط استعمال کیا ہے۔"

پھر وہ بینا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یوں کہیئے کہ آپ سے بھی ملتا جاؤں۔"

جہانگیر مسکرا کر بولا۔

"چلیئے، یوں ہی سمجھ لیجیے۔"

آسیہ نے کہا۔

"اچھا، پھر مجھے تو یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔"

"کیوں؟" جہانگیر نے پوچھا۔

آسیہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کباب میں ہڈی بننا اچھا نہیں لگتا مجھے۔"

جہانگیر ایک دم ہنس پڑا۔

بینا کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

جہانگیر نے بینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اور آپ سنایئے بینا۔ کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔"

جہانگیر نے اس کی طرف گہری نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا سچ مچ آپ ٹھیک ہیں؟"

بینا نے دھیمی آواز سے کہا۔

"جی، میں واقعی بالکل ٹھیک ہوں۔"



ہانگیر نے کہا۔

ر تو نہیں آتیں ٹھیک۔"

ر فوراً ہی اس نے آسیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

ل آسیہ! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

یہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

پ ٹھیک کہتے ہیں جہانگیر بھائی! میں بھی اس سے پوچھتی ہوں کہ آخر وجہ کیا ہے؟ تم کیوں

زور اور زرد ہوتی جا رہی ہو؟"

ینا نے کہا۔

پ لوگوں کو وہم ہو گیا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

ہانگیر نے پوچھا۔

ئی ذہنی پریشانی ہے آپ کو؟"

نہیں، کوئی پریشانی نہیں۔"

پ کہتی ہیں آپ کو کوئی پریشانی نہیں۔ اور میں آپ کے لئے سوچ سوچ کر پریشان ہوا

ہا

ا آپ میرے لئے پریشان نہ ہوا کریں۔"

ہانگیر مسکرا کر بولا"

پ کے لئے پریشان نہ ہوا کروں تو پھر کس کے لئے پریشان ہوا کروں؟"

ینا خاموش رہی۔

یہ نے کہا۔

پ فکر نہ کریں جہانگیر بھائی! میں اسے ٹھیک کر لوں گی۔"

ہانگیر نے کہا۔

"بس میں آپ ہی کے سپرد کر رہا ہوں انہیں"

جہانگیر چلا گیا تو آسیہ ینا کے ساتھ ایک تنہا، پرسکون گوشے میں آگئی اور اس کا ہاتھ تھ
فرش پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"سچ سچ بتاؤ ینا! آخر تمہاری صحت کیوں خراب ہوتی جا رہی ہے؟"

ینا نے کہا۔

"مجھے خود نہیں معلوم آسیہ! میں بھی اس سلسلے میں بہت پریشان ہوں۔"

آسیہ نے کہا۔

"تم خوش رہا کرو نا! تم نے سوچ سمجھ کر جہانگیر کے بارے میں فیصلہ کیا ہے، پھر آخر کیا پریشانی

ینا نے کہا۔

"تم لوگ فکر نہ کرو۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہو بھی جانا چاہیئے۔ آخر تین چار ماہ ہو گئے ہیں۔ اب تو تمہیں ذہنی طور پر ہر با
قبول کر لینا چاہیئے۔"

ینا کچھ بیزار ہو کر بولی۔

"تین چار ماہ ہی تو گزرے ہیں، ممکن ہے سال، ڈیڑھ سال گزرتے پر سب کچھ ٹھیک ہو

پھر آسیہ بڑی سنجیدگی سے اسے لمبی چوڑی نصیحتیں کرنے لگی۔

وقت، آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ ایک سال کا عرصہ اس طرح گزر گیا کہ خبر بھی نہ ہوئی۔ ینا
(فائنل) کا امتحان دے کر رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی۔ رزلٹ۔ تھا کہ کسی طرح آنے کا نام
نہیں لے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے جہیز کی تیاریاں بھی ہو رہی تھیں۔ بازار جاتے وقت، وہ
زبردستی کھینچ کھانچ کر ینا کو اپنے ساتھ لے جاتیں۔ ینا کو اس تمام خریداری اور تیاری سے
دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا دل اندر سے بالکل بجھا ہوا تھا۔

اس کی بھابیاں پوچھتیں۔



"ینا! دیکھو فلاں چیز کیسی ہے؟"

وہ بددلی سے کہتی۔

"آپ لوگ دیکھ لیں، کیسی لگتی ہے۔"

وہ لوگ مسکرا کر کہتیں۔

"تمہارا جہیز تیار ہو رہا ہے۔ تم کسی چیز پر تو اپنی پسند ناپسند کا اظہار کیا کرو۔"

ینا جواب دیتی۔

"آپ لوگوں کی پسند بھی بری تو نہیں ہے اور پھر ظاہر ہے آپ لوگ میرے لئے اچھی ہی چیز
یں گی۔"

وہ لوگ مجبوراً اپنی ہی پسند سے چیزیں خریدتی جاتیں۔

ینا اپنی حالت دیکھ کر دن بدن خوفزدہ ہوتی جا رہی تھی۔

وہ فکرمند ہو کر سوچتی۔

"مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے؟"

وہ اپنے آپ کو سمجھاتی۔

"یہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

مجھے اپنے آپ کو ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنا چاہیئے۔

یرے ابو، میرے بھائی سب میرے لئے پریشان ہیں۔

لیکن کیا کروں؟

اپنے آپ کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود میری صحت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔

وزن بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔

اس کے ابو اور بھائی اس کے لئے پھلوں کے ڈھیر لگا دیتے۔

اس کی بھابیاں اور ابو اکھاتے سے اس کی رغبت پیدا کرنے کے لئے لذیذ سے لذیذ ڈش تیار

کرتیں۔ مگر بینا کو نہ بھوک لگتی، نہ اس کا کچھ کھانے کو جی چاہتا۔

بڑے بھیا، چھوٹے بھیا اسے اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھاتے۔ سارے چیک اپ کے بعد نتیجہ یہی نکلا کہ اسے بیماری کوئی نہیں ہے۔ "کیا یہ خوش نہیں رہتی؟"

اس کے بھائی حیران ہو کر کہتے — "نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

کیونکہ سب کے سامنے تو وہ اپنے آپ کو خوش ہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

اپنی امی جمیلہ بیگم سے جب بھی اس کی ملاقات ہوتی وہ تشویش بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہتیں۔

"بینا! تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے؟ تم دن بدن جیسے گھلتی جا رہی ہو؟"

اور بینا — جو ان کے سامنے بات بے بات مسکراتی تھی اور بھی زیادہ زور سے ہنس کر کہتی

"اُفوہ امی! کچھ بھی تو نہیں ہوا۔"

جمیلہ بیگم ناراض ہو کر کہتیں۔

"کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور جو تم مجھ سے چھپاتی ہو۔"

بینا انہیں ٹالتے ہوئے کہتی۔

"اصل میں بات یہ ہے امی کہ ماؤں کو اپنی بیٹیاں کبھی بھی ٹھیک اور تندرست نظر نہیں آتیں"

"جب ٹھیک ہوں گی نہیں تو نظر کیسے آئیں گی ٹھیک؟"

جمیلہ بیگم فکرمند ہو کر کہتیں۔

بینا ان کے سامنے آسیہ اور اپنی چند سہیلیوں کی مثال پیش کرتی۔

"سب کا حال آپ ہی جیسا ہے امی۔"

جمیلہ بیگم خاموش ہو جاتیں۔

---



جہانگیر تعلیم ختم ہونے کے بعد سے گزشتہ ایک سال سے اپنے والد کے کاروبار میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔ کے ابا تو اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنا چاہتے تھے۔ جہانگیر کی خود بھی یہی خواہش تھی کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر چلا جائے لیکن وہ رخصتی سے پہلے باہر نہیں جانا چاہتا تھا۔ رخصتی انتظار میں ہی وہ اب تک رکا ہوا تھا۔

جہانگیر کے دل میں کچھ اندیشے اور کچھ وسوسے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بینا کو ساتھ لئے جانے پر رضامند نہیں تھا۔

وہ اندیشے اور وسوسے بعد میں سامنے آئے۔

بینا کا رزلٹ آیا تو جہانگیر کے گھر سے اس کے ابا، بھائی اور بھابی کامیابی کی مبارکباد دینے آئے۔ کے ساتھ ڈھیروں مٹھائی اور پھولوں کے ہار تھے۔ تبھی شادی کی تاریخ کا بھی ذکر نکلا۔ بینا کے ابو اور بھائیوں نے کہا۔

"آپ ہی کی بیٹی ہے۔ آپ جب چاہیں لے جائیں۔"

جہانگیر کے بڑے بھائی نے کہا۔

"ٹھیک ہے کسی روز امی اور بہنیں آئیں گی تاریخ مقرر کرنے۔"

جہانگیر کے بھائی چھ، سات روز بعد اپنی امی اور بہنوں کو بھیجنے کا کہہ کر گئے تھے۔ لیکن تقریباً ماہ گزر گئے اور ان لوگوں کی طرف سے کوئی سلسلہ جنبانی نہ ہوئی۔ نہ کسی نے ٹیلیفون کیا۔ نہ آیا۔

پھر ایک روز جہانگیر کے بھائی کا ٹیلیفون آیا کہ ان کے ماموں کا آج صبح انتقال ہو گیا ہے۔ ان کی امی لاہور جا رہی ہیں۔

جہانگیر کی امی اپنے بھائی کے چالیسویں کے بعد واپس آئیں تو انہوں نے بینا کے یہاں کہلوا دیا کہ اپنے بھائی کی برسی سے پہلے میں لڑکی کو رخصت نہیں کر سکتی۔

بینا نے محسوس کیا کہ اس خبر کو سن کر گھر میں سب کے چہرے بجھ کر رہ گئے۔ ابو اور بڑے بھیا تو اسے خاصے فکر مند بھی نظر آ رہے تھے۔

اس بات کو تقریباً پندرہ روز گزر گئے تھے کہ ایک روز بینا اچانک بے ہوش ہو گئی۔ اسے بے ہوش ہوئے معلوم نہیں کتنی دیر ہوئی تھی۔ وہ تو کسی کو خبر ہی نہ ہوتی اگر بوا دوپہر کے کھانے کے لئے بینا کو بلانے اوپر اس کے کمرے میں نہ جاتیں۔ بڑے بھیا کے کہنے پر بینا پچھلے دو ماہ قبل ہی اوپر شفٹ ہو گئی تھی۔ بڑے بھیا کا خیال تھا کہ اوپر کا کمرہ نسبتاً زیادہ ہوادار، روشن اور کشادہ ہے۔

بینا کو جب ہوش آیا تو گھر کے سارے افراد اس کے ارد گرد پریشان کھڑے تھے۔ اس کے ہوش میں آنے پر سب کے چہروں پر اطمینان نظر آیا۔ ابو نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹے؟"

اس نے نقاہت سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہوں ابو۔"

بڑے بھیا نے پیار سے پوچھا۔

"کیا ہو گیا تھا بینا؟"

"معلوم نہیں بڑے بھیا۔"

مارے کمزوری کے بینا کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

ارشد بھائی جان نے کہا۔

"ابھی کچھ۔ آپ لوگ اسے آرام کرنے دیں۔"



سب لوگ اس کے پاس سے چلے گئے۔ صرف شائستہ بھابی بیٹھی رہیں۔ بینا کوئی گھنٹہ بھر آنکھیں بند کئے غنودگی کے عالم میں لیٹی رہی۔

پھر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو بھابی کو اپنے قریب بیٹھے دیکھا۔ وہ بڑی چپ چاپ اداس سی تھیں۔

بینا نے پیار سے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی چپ چپ کیوں ہیں بھابی؟"

بھابی تو جیسے تیار ہی بیٹھی تھیں۔ اس کی اتنی سی بات سن کر ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

بینا نے پریشان ہو کر کہا۔

"بھابی روئیں تو نہیں، بتائیں نا کیا بات ہے؟"

بھابی کچھ دیر خاموش بیٹھی آنسو بہاتی رہیں۔ پھر جب ان کے دل کی بھڑاس کچھ کم ہوتی تو انہوں نے کہا۔

"بینا! آخر تمہیں کیا پریشانی ہے؟ تم بتاتیں کیوں نہیں؟"

"کوئی پریشانی نہیں ہے بھابی! آخر آپ لوگ یقین کیوں نہیں کرتے؟"

بھابی نے کہا۔

"میں نہیں مانتی بینا! تمہاری صحت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔ بلا کسی سبب کے تو یہ ممکن نہیں۔"

"پھر آپ ہی بتا دیجئے کیا سبب ہو سکتا ہے۔"

"میں بتا دوں گی لیکن ایک بات ہے؟"

"کیا بات ہے؟"

"قسم کھاؤ کہ تم جھوٹ نہیں بولو گی۔"

"ٹھیک ہے، میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔"

"دیکھو! میں تمہیں اپنی جان کی قسم دے رہی ہوں"

مینا سوچ میں پڑ گئی۔

بھابی نے پھر کہا۔

"خیال رہے مینا! میں تمہیں اپنی جان کی قسم دے رہی ہوں۔"

مینا خاموش رہی۔

بھابی نے کہا۔

"تمہاری خرابی صحت کی یہ وجہ نہیں ہے کہ تم جہانگیر کے ساتھ نکاح پر خوش نہیں ہو؟"

مینا نے کہا۔

"فرض کیجئے کہ وجہ یہی ہو لیکن آپ، یا کوئی دوسرا شخص اب کر کیا سکتا ہے؟"

بھابی نے کہا۔

"ہاں، نکاح کرنے کے بعد تو اب ہم لوگوں کے ہاتھ پیر بالکل کٹ کر رہ گئے ہیں"

پھر وہ سوچ کر بولیں۔

"لیکن مینا اس رشتے کے طے ہونے سے پہلے میں نے تم سے کتنا پوچھا تھا کہ تم سچ سچ بتا
کہ تم خوش بھی ہو یا نہیں۔"

"جی۔" مینا نے کھوئی کھوئی آواز میں کہا۔

"تم نے ہر بار یہی جواب دیا کہ تم نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے اور تم اپنے فیصلے
مطمئن بھی ہو۔"

"ہاں بھابی، کہا تو تھا۔"

"تو پھر اب کیا وجہ ہے؟"

مینا نے کہا۔



"اصل میں بات یہ ہے کہ پہلے میں سمجھتی تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے جذبات و
احساسات میں تبدیلی آجائے گی لیکن۔"

وہ ایک لمحے کے لئے رک کر بولی۔

"لیکن بھابی میں کیا کروں؟ میں نے بڑی کوشش کی، نہ میں اپنے جذبات و احساسات میں
تبدیلی لاسکی نہ اپنے آپ کو خوش کرسکی۔"

بھابی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مینا! اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا لیکن اس کا مطلب
یہ نہیں ہوتا کہ ہم اپنے اوپر اس بات کو اتنا مسلط کرلیں کہ اپنی جان کے دشمن بن جائیں جو کچھ
ہو اس پر صبر کرلو اور خوش رہنے کی کوشش کرو۔"

مینا نے کہا۔

"آپ کو کیسے بتاؤں بھابی؟ میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے اپنے آپ کو سمجھانے کی بھی
اپنے آپ کو خوش رکھنے کی بھی مگر پھر بھی دن بدن صحت گرتی جارہی ہے۔"

بھابی نے کہا۔

"تم محسوس کیا کرتی ہو آخر؟"

"بس ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے دل کی حرکت بند ہوجائے گی۔ بعض اوقات دل
ڈوبنے لگتا ہے۔"

"جب سے تمہارا نکاح ہوا ہے تم ذہنی طور پر پریشان ہو۔ ذہنی پریشانی کا اثر دل پر پڑتا
ہے۔"

مینا گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔

پھر ایک روز فون پر مینا کی نجمہ آپا سے بات ہوئی تو اسے معلوم ہوا کہ اشعر دوبارہ باہر
جانے کی کوشش کررہے ہیں۔ نجمہ آپا اسے یہ خبر سناتے ہوئے بہت اداس ہوگئی تھیں۔

چند مہینے اور گزرے تو مینا نے سنا کہ اشعر دوبارہ انگلینڈ چلے گئے۔

اشعر کے چلے جانے کے بعد مینا خالہ امی سے ملنے گئی تو نجمہ آپا اور خالہ امی اسے گلے لگا کر رو پڑیں۔ خالہ امی نے روتے ہوئے کہا۔

"میری قسمت میں بیٹوں سے جدائی ہی لکھی ہے۔ ایک پہلے پردیس میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرا بھی آ کے چلا گیا۔ اب تیسرا معلوم نہیں کس دن جدائی کا داغ دے جائے گا۔" مینا ان کے گلے سے لگی چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں کا مجرم سمجھ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا اشعر اسی کی وجہ سے چلے گئے لیکن وہ کیا کہہ سکتی تھی۔ اشعر کو روک لینا اس کے بس میں نہیں تھا۔

جہانگیر کے یہاں سے سوائے جہانگیر کے اور کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ وہ خود بھی جب آتا بہت الجھا الجھا اور پریشان سا نظر آتا تھا۔

شائستہ بھابی اور شازیہ بھابی نے کئی بار مینا سے کہا "تم جہانگیر سے بات کرو۔ اس سے پوچھو، آخر اسے کیا پریشانی ہے۔" ان لوگوں کے بار بار کہنے پر مجبوراً مینا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جہانگیر سے بات کرے گی۔

پھر ایک روز جب گھر کے سارے لوگ کسی شادی میں مدعو تھے۔ گھر میں مینا اور بُوا تھیں جہانگیر اس سے ملنے آیا۔ بُوا نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر مینا کو خبر دی۔ مینا کی طبیعت اس روز خاصی خراب تھی۔ سارا دن بستر پر پڑے رہنے کے بعد اس وقت مینا اپنے آپ کو قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔

جہانگیر نے اسے کئی مہینوں بعد دیکھا تھا۔ اس نے سنا تو تھا کہ مینا بیمار رہتی ہے لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کی صحت اس حد تک گر گئی ہے۔ مینا کو اس حال میں دیکھ کر وہ چند سیکنڈ تک کچھ بول ہی نہ سکا۔ حیران پریشان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا

پھر وہ کچھ سنبھل کر بولا۔

"یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے مینا؟"



مینا کچھ نہیں بولی۔

"مجھے یہ تو معلوم ہوا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب رہتی ہے لیکن جس حال میں آپ کو دیکھ رہا ہوں اس کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔"

مینا نے کہا۔

"میں خود پریشان ہوں، معلوم نہیں میری طبیعت ٹھیک کیوں نہیں ہوتی؟"

جہانگیر نے پوچھا۔

"دوائیں کھا رہی ہیں باقاعدگی سے؟"

"جی ہاں، علاج تو باقاعدہ ہو رہا ہے، دوائیں کھا رہی ہوں مگر پھر بھی...."

کمرے میں کچھ دیر بالکل خاموشی رہی۔ جہانگیر تاسّف بھری نگاہوں سے مینا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مینا سر جھکائے سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

پھر مینا نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔ اس نے جہانگیر سے پوچھا۔

"آپ سنائیے کیسے ہیں؟"

جہانگیر نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"گھر میں امی اور باقی لوگ خیریت سے ہیں؟"

"جی، سب ٹھیک ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"شائستہ بھابی کہہ رہی تھیں کہ آپ آج کل کچھ پریشان سے رہتے ہیں۔"

مینا کی یہ بات سن کر جہانگیر نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

مینا نے پھر پوچھا تو جہانگیر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مینا! میں آج آیا تو اس لئے تھا کہ اپنی پریشانیوں اور الجھنوں کا ذکر آپ سے کروں

"گا۔ مگر۔۔۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر پھر کچھ سوچنے لگا۔

مینا نے کہا۔

"جی، پھر ۔۔۔؟"

جہانگیر نے کہا۔

"مگر آپ کو اس حال میں دیکھ کر آپ کو پریشان کرنے کی ہمت مجھ میں بالکل نہیں ہے۔"

مینا نے کہا۔

"آپ میری فکر مت کیجئے، میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ ہاں، اپنی پریشانی کا ذکر ضرور کیجئے شاید کوئی حل نکل سکے۔ آپ کی پریشانی کا۔"

جہانگیر نے کہا۔

"اصل میں بات یہ ہے مینا! کہ میں نے گھر والوں کو آپ کی امی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا، ابھی حال ہی میں، میں نے بھابی کو اپنا رازدار بنا کر ان سے ذکر کیا۔ بھابی بے چار بہت اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے بہت تسلی دی، لیکن ایک روز آپ ہی لوگوں کے بارے میں بھابی سے باتیں کر رہا تھا کہ امی نے سب کچھ سن لیا۔"

"اچھا پھر ؟ اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟"

جہانگیر نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

مینا نے کہا۔

"ویسے آپ نے غلطی کی آپ کو یہ بات اپنے گھر والوں سے چھپانی نہیں چاہیے تھی

جہانگیر خاموش رہا۔

مینا نے کہا۔



یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے آپ زیادہ عرصے تک لوگوں سے چھپا سکیں۔"

ہانگیر نے مجرموں کی طرح اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

پ نہیں جانتیں مینا! امّی اصل میں اس بات پہ خوش نہیں ہیں۔"

مینا نے چونک کر پوچھا۔

کس بات پہ خوش نہیں ہیں؟"

امّی بڑے ماموں جان کی بیٹی کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں، وہ میرے آپ کے رشتے پر ذرا سند نہیں تھیں اور نہ اب خوش ہیں"

مینا کو یہ سب کچھ بتاتے ہوئے جہانگیر سخت شرمندہ تھا۔ مینا اس انکشاف پہ کچھ گم صم سی ہو گئی۔

ہانگیر نے شرمسار ہوتے ہوئے کہا۔

مجھے احساس ہے کہ آپ کو میری باتوں سے بہت تکلیف پہنچی ہے لیکن آپ کو بتائے بغیر نہیں تھا، اب نہیں تو کچھ عرصہ بعد آپ کو ان تمام باتوں کا علم ہونا ہی تھا۔"

نا سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی۔

ہانگیر نے کہا۔

آجکل گھر میں فضا سخت خراب ہے، امّی مجھ سے پہلے ہی ناراض تھیں، جب سے انہیں کے بارے میں معلوم ہوا ہے انہیں اپنی دلی مراد پوری کرنے کا ایک اور بہانہ ہاتھ

پھر بھی خاموش رہی۔

نگیر نے کہا۔

یوں سمجھ لیجئے کہ رخصتی میں جو اتنی دیر لگ رہی ہے اس کی وجہ گھر میں یہی کشیدگی ہے۔"

نے پوچھا۔

"پھر اب آپ نے کیا سوچا ہے؟"

جہانگیر نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ابھی حالات سازگار نہیں، لیکن میں ہمت نہیں ہاروں گا۔ حالات کا آ
وقت تک مقابلہ کروں گا۔"

بینا پلکیں جھپکائے بنا جہانگیر کی طرف دیکھتی رہی۔

جہانگیر نے کہا۔

"آپ سے میری یہ درخواست ہے کہ آپ رخصتی میں اتنی تاخیر کی وجہ سے دل بردا
نہ ہو جائیے گا۔ اپنے گھر والوں کو بھی ڈھارس دیتی رہیئے گا۔ میں جانتی ہوں وہ لوگ بہ
فکرمند ہوں گے۔"

بینا نے کہا۔

"میں تو دل برداشتہ نہیں ہوں گی، لیکن میرے گھر والے ——— ہاں، ان کی فکر ا
پریشانی کو دور کرنا میرے لئے واقعی دشوار ہوگا۔"

جہانگیر نے کہا۔

"بہر حال! آپ کوشش تو کیجئے گا۔"

بینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔"

جہانگیر چلا گیا۔

بینا کے لئے نئی پریشانیاں۔

نئی الجھنیں چھوڑ گیا۔

بینا کے لئے سوچوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی چاند سرکتے سرکتے اوپر بہت بلندی پہ پہنچ گیا تھا۔ چا
گھنے [illegible] شاخوں کے پیچھے چھپا زمین کو تکے جا رہا تھا۔ سوچ میں ڈوبے ہوئے ستارے



ے کی دھم دھم چاپ سن رہے تھے۔ ہوا کی باہوں میں سمائی ہوئی پھولوں کی بھینی
ب ادھر اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھی۔ ہر طرف سائے ہی سائے بکھرے ہوئے تھے۔
ے ہوئے جھومتے ہوئے درختوں کے سائے۔
م بخود پتوں کے سائے۔
ر جھکائے ہوئے نرم نرم کلیوں کے سائے۔
ا سرسراہٹوں سے آہستہ آہستہ لرزتے ہوئے پھولوں کے سائے۔
بہت دلنواز تھی۔
خاموش تھی اور پُرسکون۔

کے کمروں کی روشنیاں گُل ہو چکی تھیں۔ شاید سبھی سو چکے تھے۔ باہر سڑک پہ گلی میں ہر ط
ہوا تھا۔ کبھی کبھی کسی کتے کے رونے کی صدا خاموشی اور سناٹے کا سینہ جھنجوڑتی ہوئی
ں کہیں دور بہت فاصلے سے چوکیدار کی "جاگتے رہو" کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
لو بینا کے کمرے میں بھی تھا مگر وہ گھر کے باقی افراد کی طرح بیٹھی اور پُرسکون نیند
ٹی وی کا آخری پروگرام ختم ہونے تک وہ لاؤنج میں بیٹھی رہی ایک ایک کر کے
ے تھے۔ سب کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئی تھیں وہ سب اُٹھے تو ٹھیک ہی
کر کیا کرتی اسے معلوم تھا وہ اپنے بستر پہ لیٹ کر نیند آنے کا انتظار کرتی رہے
ی کی آنکھوں میں نہیں آنے گی پھر اتنی جلدی بستر پہ پڑ جانے کا کیا فائدہ۔
ٹی وی کے تمام پروگرام ختم ہونے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آتی بڑی
لیٹی سونے کی کوشش کرتی رہی مگر ناکام رہی تنگ آکر اس نے ایک
ی دیر تک پڑھتی رہی لیکن ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ رسالہ پڑھتے پڑھتے
ہوگیا اس نے رسالہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر ڈال کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا
ہن اور دماغ اس قدر تھک جانے کے بعد تو نیند آ ہی جائے گی۔ مگر پھر بھی
روٹیں بدل بدل کر تھک گئی آخر کار تنگ آکر بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی گلاس

میں ٹھنڈا پانی نکال کر دو گھونٹ پیتی رہی پھر دریچے میں آکر کھڑی ہو گئی۔
اتنی حسین اور دلنواز رات میں اس کا دل و دماغ پریشان خیالات کی آماجگاہ بنا ہو
وہ دوبارہ آکر بستر پہ لیٹ گئی۔ اپنی آنکھوں کو انگلیوں سے آہستہ آہستہ دباتے ہوئے اس
سوچا میری ان پریشانیوں کا کسی جگہ پہنچ کر خاتمہ ہو گا بھی یا نہیں۔
ایک پریشانی سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے تو دوسری پریشانی سر اٹھائے کھڑی ہو
ان پریشانیوں کا سلسلہ تنہا میری ذات تک ہوتا تو پھر بھی غنیمت تھا مگر ان کی بسیٹ
تو مجھ سے وابستہ سبھی لوگ آ جاتے ہیں۔ کیسی قسمت لے کر پیدا ہوئی تھی میں۔
دوسروں کو ہمیشہ فکریں ہی دی ہیں میں نے، کوئی خوشی کبھی نہیں دی۔
خداوندا! آخر تو میرے صبر کا کتنا امتحان لینا چاہتا ہے۔
اب تو میری قوتِ برداشت بھی جواب دیتی جا رہی ہے۔
میرے معبود! اب مجھے اور آزمائشوں میں مت ڈال
میرے دل و دماغ کو سکون دے۔
میری زندگی کو سکون آشنا کر دے۔
بینا نے خاموش رات کی تنہائیوں میں خدا سے فریاد کی اس کی آنکھوں سے آنسو نکل
کی کنپٹیوں کو بھگوتے ہوئے تکیے میں جذب ہو گئے۔
بینا کو جہانگیر کا خیال بار بار آ رہا تھا آج شام جہانگیر سے اس کی جو ملاقات ہوئی تھ
نے بینا کے دل میں بڑے مایوس خیالوں کو جگہ دے دی تھی۔ جہانگیر اگرچہ بہت اپنے عزم
نے بینا کی بڑی ہمت بھی بندھائی تھی۔ لیکن جہانگیر نے اپنی امی کے بارے میں جو کچھ
تھا وہ واقعی پریشان کن تھا بینا کو اب ذرا سی بھی امید نہیں تھی کہ جہانگیر کی امی مان جا
اس نے سوچا۔
"جہانگیر نے بہت غلط قدم اٹھایا ہے جب اس کی امی اپنی بھتیجی کو اپنا بہو بنانا
تو جہانگیر کو میرا خیال دل سے نکال دینا چاہیے تھا۔ کاش! جہانگیر نے صرف منگنی ہی



یہ بندھن کو توڑنا تو پھر بھی آسان ہے مگر یہ نکاح کا بندھن خدایا! میرے ماتھے پر کسی
بھی رسوائی کا داغ نہ لگے نا۔"
بینا سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔
میرے سامنے تو دو ہری رکاوٹ ہے ایک تو جہانگیر کی امی اپنی بھتیجی کی وجہ سے ویسے ہی مجھے قبول
...نہیں ہوں گی۔ دوسرے میری امی کی وجہ سے وہ اور بھی رضامند نہیں ہوں گی۔" اس نے
...ہا۔
"جہانگیر بھی اپنی امی کے سامنے مجبور ہو گیا اور ان لوگوں نے رخصتی کرنے سے انکار کر دیا
بے عزتی ہو گی میرے باپ اور بھائیوں کی؟ دنیا کیا کہے گی؟ میرے گھر والے تو کسی کے
...بھی نہیں اٹھا سکیں گے۔"
امی کو جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا انہیں پہلے ہی شبہ تھا کہ جب جہانگیر کے گھر والوں کو ان
...یں معلوم ہو گا تو وہ لوگ ضرور اس بات پہ اعتراض کریں گے اگر رخصتی ہو بھی گئی تو بعد
...کے گھر والے طعنے دے دے کر میرا جینا دوبھر کر دیں گے۔"
...نے دل ہی دل میں کہا۔
امی! یہ آپ کیا کر بیٹھیں؟"
آپ نے اتنا بڑا قدم اٹھاتے وقت یہ نہیں سوچا کہ اس کا نتیجہ آئندہ آپ کی بیٹی پر بھی
...ہے۔" آپ نے کس قدر جذباتی قدم اٹھایا تھا امی!
آپ کی اس لغزش نے میری زندگی کا سارا سکون ہی درہم برہم کر دیا ہے۔
...سے بھیا نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ محبت کو میں برا نہیں سمجھتا لیکن محبت کو کبھی کبھی
...قربان کرنا پڑتا ہے۔
...ت اور حالات کے تقاضوں کو بھی نبھانا پڑتا ہے۔
...یقین ہے امی! آپ کو زندگی میں کی ہوئی اس لغزش کا احساس ضرور ہوتا ہو گا۔
...اپنے بے سکون زندگی کو دیکھ کر آپ کو اپنی زندگی میں کئے ہوئے اس فیصلے پر شرمندہ

پچھتاوا ہوتا ہوگا۔

"ممتا اتنی بے رحم تو نہیں ہوسکتی۔"

مینا کی پلکیں پھر بھیگ گئیں۔

اس نے خدا سے دعا کی۔

یا اللہ تو میری زندگی کے سارے درد سمیٹ لے۔

"میری وجہ سے میرے گھر والوں کو اب اور پریشانیاں اور فکریں نہ دے۔"

سوچتے سوچتے آخر کار مینا کو نیند آ ہی گئی۔ رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے اور سوچتے رہنے کی وجہ سے صبح اس کی طبیعت پھر خراب ہو گئی۔ ناشتہ کر کے وہ اپنے کمرے میں آئی تو ہاتھ پیر بالکل سرد ہو گئے جسم پسینے پسینے ہو گیا۔ بوا اس وقت اس کے کمرے میں تھیں اور بستر جھاڑ رہی تھیں، دروازے کے قریب پہنچتے ہی مینا نے دروازے کا سہارا لے لیا اور مدھم آواز میں بوا کو پکارا۔ بوا نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تکیہ گھبرا کر وہیں بستر پہ پھینکا اور آگے بڑھ کر مینا کو تھام لیا مگر مینا ان سے سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ برابر میں ہی ارشد بھیا کا کمرہ تھا۔

وہ جلدی جلدی ہاسپٹل جانے کی تیاری کر رہے تھے۔

بوا نے انہیں آواز دے کر کہا۔

"ارشد بیٹا جلدی آنا۔"

ارشد بھیا بیچ کے دروازے سے مینا کے کمرے میں آتے ہوئے بولے۔

"کیا بات ہے بوا۔"

بوا نے پریشان ہو کر کہا۔

"ذرا بیٹیا کو سنبھالئے۔"

ارشد بھیا جلدی سے مینا کو سنبھال کر اس کے بستر پہ لے آئے اور اسے آرام سے لٹاتے ہوئے بولے

"بوا آواز دے کر نیچے سے بھابی کو بلا لیجئے۔"

مینا کے کانوں میں بوا کی مدھم سی آواز آئی۔



شائستہ دلہن ذرا اوپر آنا جلدی سے۔"

"اس کے بعد مینا غافل ہو گئی معلوم نہیں کتنی دیر بعد اسے ہوش آیا گھر کے سبھی لوگ اس کے ...موجود تھے سب کے چہروں سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ مینا نے آنکھیں کھولیں تو آہستہ ...ب کے چہروں پر اطمینان نظر آیا۔

پھر ایک ایک کر کے سب اس کے پاس سے چلے گئے بس شائستہ بھابی اس کے قریب ...گئیں وہ آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ مینا آنکھیں بند کئے ...بھابی کی نرم و نازک انگلیوں کا لمس اسے بہت سکون پہنچا رہا تھا۔

پھر مینا نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر بھابی کی طرف دیکھا اور ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"...بیٹھیے بھابی! تھک جائیں گی آپ!"

...ائستہ بھابی کچھ افسردگی سے بولیں۔

"...نے چھوٹے چھوٹے کام کر کے نہیں تھکا کرتی ہیں۔"

...چند سیکنڈ خاموش لیٹی رہی پھر اس نے شائستہ بھابی سے پوچھا۔

"...سا بات بتائیں گی بھابی آپ!"

"...ہاں پوچھو!"

"...سچ بتائیں گی نا!" مینا نے کہا۔

"...بھئی، تم پوچھو تو سہی۔" بھابی مسکرائیں۔

"...کیا بیماری ہے؟" مینا نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

...نے کچھ حیران ہو کر مینا کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"...مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟"

"...مطلب ہے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟ مجھے کیا تکلیف ہے؟"

"...کوئی تکلیف نہیں ہے مینا! تم خواہ مخواہ وہم مت کرو!"

"پھر بھی کچھ تو کہا ہوگا ڈاکٹروں نے؟"

"بس یہی کہتے ہیں کہ یہ سوچتی بہت ہیں اس وجہ سے دل کمزور ہوگیا ہے" بھابی نے اطمینان سے کہا۔

بینا کو پھر بھی یقین نہیں آیا۔ اس نے عدم اعتمادی سے بھابی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سچ! صرف یہی کہتے ہیں ڈاکٹر؟"

بھابی مسکرا کر بولیں۔

"اور کیا کہیں گے؟"

بینا نے کہا۔

"اچھا آپ ارشد بھیا سے پوچھ کر بتایئے گا مجھے کیا بیماری ہے۔"

بھابی نے کہا۔

"میری بات کا یقین تو نہیں آئے گا تمہیں، ایسا کرو تم خود ہی ان سے پوچھ لو۔"

بینا نے افسردگی سے کہا۔

"کون سا مجھے وہ سچ بتائیں گے۔"

بھابی کچھ پریشان ہو کر بولیں۔

"آج آخر یہ نئی بات کیوں سما گئی تمہارے دل میں!"

"پتہ نہیں کیوں مجھے یقین ہوگیا ہے کہ مجھے کوئی بسبربس قسم کی تکلیف ہے۔"

بھابی ناراض ہو کر بولیں۔

"تم اگر اس طرح سوچتی رہیں تو تمہیں اگر کوئی تکلیف نہیں بھی ہوگی۔ تو ہو جائے گی۔"

بینا خاموش رہی۔

شائستہ بھابی نے کہا۔

"تمہاری بیماری کی اصل وجہ یہی ہے کہ تم ہر وقت معلوم نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہو



سوچنا چھوڑ دو تو دیکھو تم کتنی جلدی اچھی ہو جاؤ گی۔"

بینا نے ایک دبی ہوئی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سچ تو یہ ہے بھابی کہ اب میرا ٹھیک ہونے کو دل بھی نہیں چاہتا۔" بھابی نے کہا۔

"اب یہ ایک اور نئی بات سوچ لی ہے تم نے۔"

بینا نے کہا۔

"آپ خود ہی بتایئے بھابی! میں کیا کروں گی ٹھیک ہو کر، کون سی خوشیاں ملی ہیں مجھے ندگی میں، سوائے پریشانیوں کے اور میری زندگی میں رکھا کیا ہے؟ میری وجہ سے آپ سب ہی آئے دن ایک نئی سے نئی فکر میں مبتلا رہتے ہیں مجھ جیسے لوگوں کو اس دنیا میں زندہ رہنے کا حق ہی کیا ہے؟ سچ کہتی ہوں بھابی اب تو مجھ میں حوصلہ بھی نہیں ہے یہ سب کچھ برداشت رنے کا۔" بھابی مسکرا کر بولیں۔

"بس ختم ہوگئی تمہاری تقریر؟"

بینا خاموش رہی۔

بھابی نے کہا۔

"تم پوچھتی ہو تمہیں کس کے لئے ٹھیک ہونا ہے، تمہیں، ہم سب کے لئے ٹھیک ہونا ہے۔ یں جہانگیر کے لئے ٹھیک ہونا ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لئے رک کر بولیں۔

"اور رہ گئی خوشیوں کی بات، خدا چاہے گا تو آئندہ زندگی میں تمہیں اتنی خوشیاں ملیں گی کہ تم ے سمیٹی بھی نہیں جائیں گی۔ فکریں اور پریشانیاں تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں، بس یہ ہے کہ ی کی زندگی میں کم ہوتی ہیں اور کسی کی زندگی میں زیادہ، پھر آزمائش میں بھی تو خدا انہی لوگوں کو التا ہے جن میں برداشت کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔"

"مگر برداشت کرنے کی بھی تو ایک حد ہوتی ہے بھابی!"

بھابی نے پیار سے کہا۔

"تم ہمت نہ کرو، تمہاری فکروں اور پریشانیوں کے دن بس اب بہت تھوڑے ہیں۔"

مینا کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس نے کہا۔

"آپ کو کیا خبر بھابی؟ آپ کچھ نہیں جانتیں۔"

بھابی نے چونک کر کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟ مجھے کیا نہیں خبر؟ میں کیا نہیں جانتی!"

"کل شام جہانگیر آئے تھے بھابی۔"

"اچھا پھر؟" بھابی متجسس ہو کر مینا سے کچھ اور قریب ہو گئیں۔

"آپ کے کہنے کے مطابق میں نے ان سے ان کی پریشانی کی وجہ پوچھی تھی۔"

بھابی نے کچھ بے چین ہو کر پوچھا۔

"اچھا پھر کیا بتایا جہانگیر نے؟"

"آپ یہ سن کر کچھ اور فکر مند ہو جائیے کہ ان کی پریشانی اور الجھن کا سبب بھی میں ہی ہوں۔"

"کیا مطلب ہے تمہاری بات کا؟ میں سمجھی نہیں؟"

مینا نے کہا۔

"اور اب آپ یہ سن کر اور بھی حیران ہو جائیے کہ جہانگیر کی امی رخصتی کرانے پر ذرا بھی آمادہ نہیں ہیں۔"

"نہیں بینا ایسی بات زبان سے مت نکالو، خدا نہ کرے جو ایسا ہو۔"

بھابی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"میں حقیقت بیان کر رہی ہوں بھابی! ایسا ہی ہونے والا ہے۔"

"لیکن کیوں؟ آخر کس وجہ سے وہ رخصتی کروانا نہیں چاہتیں؟"



مینا نے کہا۔

"مجھے تو کل ہی یہ بات معلوم ہوئی کہ جہانگیر کی امی اس رشتے پر سرے سے آمادہ ہی نہیں تھیں۔"

"کیوں! کس بات کی کمی ہے تم میں؟"

"وہ اپنے بھائی کی بیٹی کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں۔ لیکن جب جہانگیر نہیں مانے تو گھر کے افراد کے سمجھانے بجھانے پر وہ خاموش ہو گئیں۔"

بھابی نے کہا۔

"کہیں یہ وہی بھائی تو نہیں ہیں جن کا پچھلے دنوں انتقال ہوا ہے۔"

"غالباً وہی ہیں۔"

بھابی نے کہا۔

"لیکن انہیں یہ تو سوچنا چاہیئے کہ اب نکاح ہو چکا ہے، وہ خود بھی شریک ہوئی تھیں، یہ سراسر غلط انداز فکر ہے ان کا۔"

مینا نے افسردگی سے کہا۔

"جہانگیر نے اپنے گھر والوں کو میری امی جان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اب ان لوگوں کو ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان کی امی نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ایسی لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی۔ کی ماں نے طلاق لے کر دوسری شادی کر لی ہو۔"

ثانیہ بھابی نے مارے پریشانی اور غم کے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

کمرے میں کچھ دیر تک مکمل خاموشی طاری رہی۔

دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبی رہیں پھر بھابی نے نگاہیں اٹھا کر مینا کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"جہانگیر کیا کہتا ہے۔"

"جہانگیر بھی کہہ رہے تھے کہ مجھے معلوم ہے کہ رخصتی میں تاخیر کی وجہ سے آپ کے گھر والے

بہت پریشان ہوں گے۔ آپ ان کو اطمینان دلاتی رہیں۔ میں حالات کا آخری وقت تک مقابلہ کرتا رہوں گا۔"

بھابی نے کہا۔

"ہاں جہانگیر بہت نیک اور شریف لڑکا ہے مجھے امید ہے کہ وہ حالات کو سنبھال لے گا۔"

مینا خاموش رہی۔

بھابی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اب تم اور سوچ سوچ کر اپنا دماغ مت خراب کرو، زندگی میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

مینا نے زہر خند سے کہا۔

"کیا ٹھیک ہو جائے گا، میرے جیتے جی یہ پریشانیاں میرا ساتھ چھوڑنے والی نہیں اسی لئے کہتی ہوں کہ اب زندہ رہنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"بیکار باتیں مت کرو مینا!" بھابی نے اسے ڈانٹا۔

مینا اپنی ہی کہے گئی۔

"مجھے غم تو اس بات کا ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگ بھی ان پریشانیوں کی لپیٹ میں آجاتے ہیں"

"کہہ رہی ہوں نا! سب ٹھیک ہو جائے گا بس تم اپنے آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرو!"

مینا نے کہا۔

"ابھی آپ ابو اور بھیا کو کچھ مت بتایئے گا۔ اگر کبھی جہانگیر کی امی نے آکر خود بات کی تو اپنے آپ سب کو معلوم ہو جائے گا۔"

بھابی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں کسی سے نہیں کہوں گی اس کا فائدہ بھی کیا ہے؟"

بھابی کمرے سے چلی گئیں تو مینا نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کرلیں۔ سوچوں نے پھر اس کے ذہن میں اپنا جال بچھانا شروع کر دیا۔



پھر بہت سارے دن گزر گئے کوئی نئی بات کوئی نیا ہنگامہ نہیں ہوا۔ مینا کی طبیعت ویسی ہی
ب اسے خوش رکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر سوائے شائستہ بھابی کے اور کوئی نہیں جانتا
ندر ہی اندر کون سی فکر اور پریشانی اسے کھائے جا رہی تھی۔

اپنی امی جمیلہ بیگم سے ملے ہوئے مینا کو بہت دن ہو گئے تھے۔ گزشتہ چند دنوں سے معلوم نہیں
ہ اسے بے تحاشا یاد آ رہی تھیں بے اختیار مینا کا دل چاہتا تھا کہ اس کی امی اس کے
بائیں یا وہ خود ان کے پاس چلی جائے ایک روز شائستہ بھابی اور شازیہ بھابی دونوں
پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ مینا نے کہا۔

بھابی! میں امی سے بہت دنوں سے نہیں ملی ہوں!"

شازیہ بھابی نے کہا۔

"تو تم ان سے مل آؤ کسی روز۔"

مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا۔

"کس کے ساتھ جاؤں؟ بھائیوں سے کہنے کی ہمت تو ہے نہیں مجھ میں۔"

بھابی نے کہا۔

"ارے! تم نے پہلے کیوں نہیں کہا؟ میں ارشد سے کہوں گی وہ چھوڑ آئیں گے تمہیں!"

شازیہ بھابی نے پوچھا۔

"تمہارے پاس ان کا ٹیلیفون نمبر نہیں ہے۔"

"نہیں، ٹیلیفون نمبر ہوتا تو میں بات کر لیتی۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"اگر تمہاری طبیعت ٹھیک ہوتی تو تم اکیلی ہی جا سکتی تھیں۔ مگر اب تمہیں اکیلے بھیجتے ہوئے سبھی ڈرتے ہیں، کہیں خدانخواستہ راستے میں ہی طبیعت بگڑ جائے۔"

شازیہ بھابی نے کہا۔

"ارشد سے کہوں گی تمہیں کل چھوڑ آئیں گے۔"

مگر اگلے روز جمیلہ بیگم اچانک خود ہی پہنچ گئیں گھر میں مرد کوئی نہیں تھا شائستہ بھابی اور شاز بھابی دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں بُوا کرن کو لئے مینا کے پاس بیٹھی تھیں کرن کی توتلی با میں باتیں سن کر مینا کا دل بہلا ہوا تھا بُوا مینا کے لئے سیب کاٹ رہی تھیں اور اس سے بار با کھانے کے لئے اصرار کر رہی تھیں۔ جبھی شائستہ بھابی جمیلہ بیگم کو لئے ہوئے اُوپر آگئیں۔

بھابی نے کمرے کے باہر سے ہی کہا۔

"مینا دیکھو تو کون آیا ہے۔"

مینا نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

"کون آیا ہے بھابی؟"

اس وقت تک جمیلہ بیگم شائستہ بھابی کے ساتھ کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔ مینا انہیں دیکھ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی جمیلہ بیگم اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ شروع شروع میں جب مینا بیمار ہو تھی تو جمیلہ بیگم اسے دیکھنے آئی تھیں۔ مگر اب کافی عرصہ بعد وہ مینا کے پاس آئی تھیں۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان کی بیٹی مینا ہی تھی کس قدر کمزور اور دبلی ہو گئی تھی وہ! رنگ بھی ماند پڑ گیا تھا۔ جمیلہ بیگم چند سیکنڈ تک اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں پھر بے اخ



ر وہ آگے بڑھیں اور مینا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ ن سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

جمیلہ بیگم کے سینے سے لگتے ہی مینا کا دل بے اختیار بھر آیا وہ ان کے سینے سے لگی چپ چاپ تی رہی جمیلہ بیگم کے رخساروں پر بھی آنسو پھسل رہے تھے۔

شائستہ بھابی نے آگے بڑھ کر مینا سے کہا۔

"دیکھو مینا! اگر تم روؤ گی تو تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

مینا کے آنسو پھر بھی نہ تھمے۔

بھابی نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"رونے کی کیا بات ہے؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیئے، کل تم اپنی امی کو یاد کر رہی تھیں اور آج ہیں۔"

جمیلہ بیگم نے اپنی ساڑھی کے پلّو سے مینا کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تم تکیے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھو نا۔"

مینا پیچھے سرک کر بیٹھ گئی جمیلہ بیگم بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

شائستہ بھابی نے کہا۔

"تم امی جان سے باتیں کرو، ہم لوگ دوپہر کا کھانا تیار کر لیں۔ آج ویسے ہی دیر ہو گئی ہے۔"

بھابی کے ساتھ بُوا بھی کرن کو لے کر نیچے چلی گئیں۔

مینا نے کہا۔

"آپ آرام سے بیٹھ جایئے امی۔"

"میں آرام سے ہی بیٹھی ہوں مگر تم ۔۔۔۔ آخر یہ اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔"

مینا نے مدھم آواز سے کہا۔

"کچھ نہیں۔ مجھے کیا ہو گیا ہے صحت ٹھیک ہی نہیں ہوتی، دوائیں کھا کر اور انجکشن لگوا کر

تنگ آ گئی ہوں۔"

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔ کیا تکلیف ہے تمہیں"

"تکلیف بھی تو کوئی نہیں بتلاتے، بس کمزوری بتاتے ہیں۔"

"ایسی کیسی کمزوری ہے جو کسی طرح دور ہی نہیں ہوتی جب کہ نہ کھانے پینے کی کمی ہے نہ دواؤں کی۔"

مینا خاموش رہی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟ تمہیں کوئی فکر، کوئی پریشانی ہے۔"

مینا نے کہا۔

"مجھے کیا فکر ہو گی امی، کیا پریشانی ہو گی۔؟"

"ہوں"، جمیلہ بیگم ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

پھر چند سیکنڈ بعد انہوں نے کہا۔

"بہر حال تمہاری صحت ٹھیک نہیں ہے، کچھ عرصہ بعد تمہاری رخصتی ہو جائے گی۔ تمہارے سسرال والے کیا کہیں گے کہ بیمار اور روگی لڑکی دے دی اٹھا کر۔"

رخصتی کا ذکر سن کر مینا کی آنکھوں میں گہری سوچیں اُتر آئیں۔

جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"کب تک رخصتی کا ارادہ ہے جہانگیر کے گھر والوں کا۔"

مینا نے انہیں صحیح صورتِ حال بتانا مناسب نہ سمجھا۔

اُس نے جمیلہ بیگم سے یہی کہا۔

"جہانگیر کے بڑے ماموں کا انتقال ہو گیا ہے اُن کی برسی کے بعد ہو گی رخصتی۔"



جمیلہ بیگم نے تشویش سے کہا۔

"پھر تو بڑا وقت لگ جائے گا، ان لوگوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ چالیسویں کے بعد رخصتی ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لوگ خواہ مخواہ باتیں بنانے لگتے ہیں اگر نکاح اور رخصتی کے درمیان عرصہ ہو جائے۔"

پھر جمیلہ بیگم نے پوچھا۔

"جہانگیر کے گھر والے آتے تو ہوں گے۔"

"جی ہاں کبھی کبھی آتے ہیں۔"

"تمہاری اس طویل بیماری پہ کسی نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟ لوگ تو کسی نہ کسی بات میں کا پہلو نکال لیتے ہیں۔"

"عورتوں میں سے تو کوئی نہیں آیا ہے۔ مردوں کے سامنے میں آتی نہیں۔"

پھر جمیلہ بیگم دبی زبان سے خود ہی پوچھ بیٹھیں۔

"میرے بارے میں تو کچھ معلوم نہیں ہوا ان لوگوں کو۔؟"

مینا ایک دم چونک گئی۔ جمیلہ بیگم کے چہرے پر اُسے ایک احساسِ ندامت، ایک احساسِ جرم کیفیت نظر آئی۔

وہ مینا سے نگاہیں تک نہیں ملا رہی تھیں۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

مینا سوچ میں پڑ گئی کہ جمیلہ بیگم کو سب کچھ بتا دے یا نہ بتلائے آخر اس نے فیصلہ کیا کہ انہیں صورتِ حال سے آگاہ کر ہی دینا چاہیئے۔

جمیلہ بیگم نے اپنا سوال پھر دہرایا تو مینا نے کہا۔

"جی ہاں، آپ کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے ان لوگوں کو۔"

جمیلہ بیگم نے گھبرا کر پوچھا۔

"اچھا! معلوم ہو گیا۔؟ پھر کسی نے کچھ کہا تو نہیں۔"

یمنا پھر تذبذب میں پڑ گئی۔

اس نے سوچا۔

امی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں کہ آپ کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد سے جہانگیر کی امی رخصتی کرانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے اور ان کے گھر کی فضا اسی بات کی وجہ سے مکدر ہو گئی ہے۔

اس نے فیصلہ کر لیا وہ امی کو یہ بات نہیں بتلائے گی۔

"کیا فائدہ ۔۔۔؟ ان بے چاری کے دل کو تکلیف پہنچے گی۔ جو شرمندگی ہو گی وہ الگ۔

اس نے جمیلہ بیگم سے کہا۔

"نہیں سامنے تو کسی نے کچھ نہیں کہا، پیٹھ پیچھے تو لوگ ایک دوسرے کو برا کہا ہی کرتے ہیں۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ ان لوگوں کو میرے بارے میں علم ہو گیا ہے؟"

یمنا نے کہا۔

"جہانگیر نے بتایا تھا۔"

جمیلہ بیگم گہری سوچوں میں ڈوب گئیں۔ تھوڑی دیر بعد شائستہ بھابھی اور شازیہ بھابی بھی اوپر آگئیں، بھابی ان کے لئے اسکوائش بنا کر لے آئی تھیں۔ شازیہ بھابی کے ہاتھ میں بھی ٹرے تھی جس میں خاصے لوازمات تھے ان لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن جمیلہ بیگم نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یمنا نے جب اپنی قسم دی تو انہوں نے اسکوائش کے چند گھونٹ پیئے۔ پھر وہ گھر جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ شازیہ بھابی اور شائستہ بھابی نے انہیں کھانے پر بھی روکنے کی بہت کوشش کی لیکن جمیلہ بیگم نہیں رکیں جاتے جاتے انہوں نے یمنا کو اپنی صحت ٹھیک رکھنے کی بہت ہدایت کی۔

یمنا سر جھکائے سنتی رہی۔

جب سے یمنا کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تھی وہ خود تو بہت کم ہی کہیں جاتی تھی۔



...آسیہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ جب دل چاہتا تھا آکر یمنا کو لے جاتی تھی، کبھی شاپنگ ...کبھی پکچر لے جاتی تھی۔ کبھی بیٹھے بٹھائے پکنگ کا پروگرام بنا لیتی تھی۔ اگر کبھی یمنا کا موڈ نہ ہوتا ...سارا دن کے لئے اس کے پاس آ جاتی۔

...یمنا کے تمام دکھ سکھ کے وقتوں کی ساتھی تھی۔ اسے یمنا سے محبت بھی بے حد تھی۔ وہ ...بھی یمنا کو اپنی بہن عالیہ سے کم نہیں سمجھتی تھی بلکہ کچھ لوگوں کا تو یہ خیال تھا کہ وہ عالیہ کے ...یمنا کو زیادہ چاہتی ہے۔ خود یمنا کو بھی آسیہ سے بہت محبت تھی اور اب آسیہ کی شادی ...تھی جب سے آسیہ کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی۔ یمنا نے ایک اس سوچ کو اور اپنے ...کر لیا تھا کہ اب آسیہ اس سے دور چلی جائے گی۔ اس کا منگیتر ظفر لاہور میں پریکٹس کر ...ایک دن گزرنے پر یمنا حساب لگاتی کہ اب آسیہ کی شادی میں اتنے دن رہ گئے ہیں۔ ...رہ گئے ہیں آخر کار آسیہ کے مانجھے کا دن بھی آ پہنچا۔ یمنا اس روز صبح سے ہی آسیہ کے گھر ...شادی کے ہنگامے ختم ہونے کے اگلے روز تک وہیں رہی۔ آسیہ کی شادی ہو جانے ...اپنے آپ کو یمنا نے کیوں بہت تنہا تنہا سا محسوس کرنے لگی۔ حالانکہ آسیہ ابھی رخصت ...بھی نہیں تھی، آسیہ کی خالہ نے کراچی آکر شادی کی تھی۔

...روز آسیہ بھی لاہور چلی گئی۔ یمنا کے شب و روز پھر اسی پرانے انداز سے گزرنے لگے۔ ...شام کو وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کرن کی فراک پر ایمبرائیڈری کر رہی تھی۔ گھر میں شائستہ ...کرن کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا کہ فیصل آ گئے وہ اپنے کام میں مصروف تھی کہ زینے ...کی باتیں کرنے کی آواز آئی۔ بھابی فیصل سے اتنے دنوں بعد آنے پر گلے شکوے ...وہ دونوں اندر آئے تو یمنا نے کرن کی فراک ایک طرف رکھ دی۔ بھابی کچھ دیر ان ...بیٹھی رہیں پھر اٹھ کر نیچے چلی گئیں۔ فیصل اٹھ کر یمنا کے بستر سے قریب والی کرسی پر آ گئے۔ ...کہا۔

...آپ؟"

فیصل نے کہا۔

"تم اپنی سناؤ، بجائے صحت ٹھیک کرنے کے دن بدن اور خراب کرتی جا رہی ہو۔"

بینا نے کہا۔

"نہیں، ادھر کچھ دنوں سے تو میں کافی بہتر ہوں۔"

فیصل نے حیران ہو کر کہا۔

"اچھا مجھے تو کوئی امپروومنٹ نظر نہیں آتی۔"

بینا نے کچھ برا مان کے کہا۔

"اوہنہ! آپ تو ہمیشہ ہی ایسے کہتے رہتے ہیں، میں تو اپنے آپ کو کافی ٹھیک محسوس کرتی

فیصل نے سنجیدگی سے کہا۔

خدا کرے تم ٹھیک ہو جاؤ لیکن مجھے تمہارا ٹھیک ہونا مشکل ہی نظر آتا ہے۔

بینا نے کہا۔

"کیوں بھئی آپ ایسی بات زبان پر کیوں لا رہے ہیں۔"

"تم نے اپنی جان کو روگ ہی ایسے لگا رکھے ہیں، اس قدر احمقانہ فیصلے کر کے اپنے آپ
جی مار رکھا ہے۔"

بینا خاموش رہی۔

فیصل نے کہا۔

"تم مانو یا نہ مانو، تمہاری بیماری کا اصل سبب یہی ہے تم نے فیصلہ کر تو لیا ہے لگ
فیصلے پہ خوش نہیں ہو پچھتا رہی ہو۔"

بینا پھر بھی خاموش رہی اس کے پاس فیصل کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

پھر فیصل نے پوچھا۔

"اور جہانگیر صاحب کے بارے میں کوئی خیر خبر؟ کیسے ہیں وہ۔"



بینا نے کہا۔

"ٹھیک ہیں۔"

فیصل نے کہا۔

"ہاں ظاہر ہے انہیں ٹھیک ہونا بھی چاہیئے، کوئی ان کے ساتھ ٹریجڈی تھوڑی ہوتی ہے۔
ان کی صحت خراب ہو گی۔"

پھر کچھ دیر بعد فیصل بڑی سنجیدگی سے بولے۔

"اگر تم رضامند ہو تو میں ایک کام کروں۔"

بینا نے پوچھا۔

"کیا کام۔"

"وہ یہ کہ جہانگیر کو ساری صورتِ حال بتا دی جائے پھر ممکن ہے وہ ایثار اور قربانی قسم کے
جذبے کا مظاہرہ کر دے۔"

بینا نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں فیصل بھائی! کہیں آپ ایسا کر بھی نہ بیٹھیے گا۔"

"کیوں؟ اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

"اس سے فائدہ بھی کیا ہوگا؟"

"فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارے دل و دماغ پر جو بوجھ ہے نا وہ اتر جائے گا اور تمہاری صحت بغیر
دوا کھائے اور انجکشن لگوائے ٹھیک ہو جائے گی۔"

"میری طبیعت کو ٹھیک ہونا ہوگا تو ویسے ہی ہو جائے گی۔"

فیصل نے کہا۔

"تم سوچ لو، میرے ذہن میں تو کافی دنوں سے یہ بات تھی لیکن تم سے کہتے ہوئے ڈرتا تھا۔"

بینا نے کہا۔

"آپ خود ہی سوچئے کس قدر غیر مناسب بات کہہ رہے ہیں آپ۔"

"میرے خیال میں تو قطعی غیر مناسب نہیں ہے یہ بات۔"

"اگر اس کا کوئی فائدہ ہو تو چلئے یہ بھی سہی۔"

"فائدہ تو بہت بڑا ہے مگر تم سمجھ ہی نہیں پا رہی ہو۔"

"کیا فائدہ ہے، مجھے بھی سمجھائیے۔"

فیصل نے سنجیدگی سے کہا۔

جہانگیر راستے سے ہٹے تو ممکن ہے کوئی صورت نکل آئے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" مینا کچھ پریشان ہو کر بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ پھر جس کی قسمت کھلنی ہو گی کھل جائے گی۔"

مینا نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کو اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں فیصل بھائی! آپ نے یہ نہیں سوچا کہ اس تمام چکر میں میری بدنامی کتنی ہو گی۔؟"

"کوئی بدنامی نہیں ہو گی۔"

فیصل نے اطمینان سے کہا۔

مینا نے کہا۔

"سب تو یہی کہیں گے کہ معلوم نہیں اس لڑکی میں کیا بات تھی جو نکاح ٹوٹ گیا۔ آپ کس کس کا منہ بند کرتے جائیں گے۔"

فیصل نے کہا۔

"اگر تھوڑی سی بدنامی کے بعد دلوں کو چین اور دماغوں کو سکون مل سکتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

مینا نے کہا۔



نہیں فیصل بھائی! مجھے آپ کا یہ منصوبہ پسند نہیں ہے میں آپ کو اس پر عمل کرنے کی اجازت ے سکتی۔"

یصل کچھ افسردہ ہو کر بولے۔

تم نہیں چاہتیں تو نہ سہی۔"

یصل کے جانے کے بعد مینا بڑی دیر تک سوچتی رہی۔ کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہے تھے۔

انہیں یہ بھی خیال نہیں کہ اس میں سراسر میری بدنامی ہے۔

ن مینا کی قسمت میں شاید اسی طرح لکھا تھا۔ ایک روز صبح گیارہ بجے کے قریب جہانگیر کی آ پہنچیں ان کے ساتھ مینا کی ہم عمر ایک لڑکی بھی تھی جس کا انہوں نے یہ کہہ کر تعارف یہ میری بھتیجی ہے۔"

ر میں اس وقت مردوں میں سے کوئی نہیں تھا۔ ملازم لڑکے کو بھیج کر بازار سے کچھ چیزیں شائستہ بھابی اور شازیہ بھابی دونوں اُن کی خاطر مدارت میں لگ گئیں۔

دیر بعد جہانگیر کی امی نے کہا۔

آپ لوگوں سے کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔"

کا دل ایک دم بڑی زور سے دھڑکا۔

تہ بھابی نے اشارہ کر کے مینا کو کمرے سے چلے جانے کے لئے کہا۔ مینا چپ چاپ اٹھ روم سے باہر چلی گئی۔ لیکن اُوپر اپنے کمرے میں جانے کی بجائے ڈرائنگ روم کے ساتھ میں برابر اسٹول آہستہ سے سرکا کر بیٹھ گئی۔

کی امی نے جمیلہ بیگم کے بارے میں بتانے کے بعد صاف یہ کہہ دیا۔

حالات میں میں لڑکی کو رخصت کروانے پر تیار نہیں ہوں۔"

یہ بھابی نے کہا۔

کی امی نے کچھ کیا تو اس کی سزا آپ مینا کو کیوں دینا چاہتی ہیں۔"

جہانگیر کی امی نے کہا۔

"دیکھئے آپ لوگ تو لڑکی کو رخصت کر کے بھیج دیں گے لیکن ہمیں بھی تو اپنے خاندان والوں کو منہ دکھانا ہے جو شخص بھی بینا کی ماں کے بارے میں سُنے گا باتیں بنائے گا ہم کس کس کا منہ بند کریں گے۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"خالہ جان! عزت تو ہماری آپ کی سب کی برابر ہے آپ یہ بھی تو سوچئے کہ اگر آپ نے بینا کو رخصت نہیں کروایا تو ہماری اور لڑکی کی کتنی بدنامی ہوگی۔ لوگ سوچیں گے نہیں کہ لڑکی میں کیا بات تھی جو نکاح ٹوٹ گیا۔"

جہانگیر کی امی نے کہا۔

"یہ بات رشتہ طے ہونے سے پہلے آپ لوگوں کو سوچنی چاہیئے تھی آپ لوگوں نے کیا کہ بینا کی ماں کا قصہ ہم سے چھپایا تھا۔ اس قسم کی باتیں کہیں چھپا کرتی ہیں۔؟ آخر کب تک چھپ سکتی تھی یہ بات ہم سے؟"

شازیہ بھابی نے کہا۔

"آپ بینا کی امی کے واقعے کو بلا وجہ ہی اہمیت دے رہی ہیں ہم لوگوں نے تو اس لئے سے ذکر نہیں کیا تھا کہ بینا کی امی کا ہم لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ برسوں پرانی ایک بات کو مسئلہ بنانا تو مناسب نہیں ہے۔"

جہانگیر کی امی نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

"بات چاہے نئی ہو یا پرانی، ہے تو رُسوائی کی بات لڑکی کے لئے۔ ی اتنی باتی لگے لئے بھی۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"لیکن اس میں لڑکی کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔"



جہانگیر کی امی کچھ سخت لہجے میں بولیں۔

"قصور ہمارا بھی تو نہیں ہے پھر آخر ہم کیوں ساری دُنیا کے سامنے شرمسار ہوتے پھریں۔"

شازیہ بھابی نے کہا۔

"اب زمانہ اس قسم کی باتوں کا تھوڑی ہے آپ کو یہ تو سوچنا چاہیئے کہ یہ لڑکے اور لڑکی کی زندگی کا مسئلہ ہے، یہ رشتہ ختم کر کے آپ سراسر ظلم کریں گی ان دونوں کے اُوپر۔"

جہانگیر کی امی کچھ اور بگڑ کر بولیں۔

"ظلم اور زیادتی تو آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ کی ہے ایک تو آپ لوگوں نے لڑکی کی بیماری ہم سے چھپایا، معلوم نہیں اسے کیا بیماری ہے، آج عرصہ ہو گیا کسی طرح ٹھیک ہونے میں نہیں آتی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ میں اس بیمار لڑکی کو اپنے بیٹے کی دُلہن بنا کر لے جاؤں گی۔"

ان کی یہ بات سُن کر شائستہ بھابی نے کچھ ناگوار لہجہ میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے بینا کو کوئی ایسی ویسی بیماری نہیں ہے۔ اس کی ساری میڈیکل رپورٹس موجود ہیں آپ دیکھ لیجئے گا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ ہر بات پر سوچنے اور فکر کرنے بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے اس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔"

جہانگیر کی امی نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔

"آپ لوگ بے شک بُرا مانیں لیکن میں اپنے شُبے کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ بینا کہیں اور شادی کرنا چاہتی تھی۔ معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت آپ لوگوں نے اس کا یہاں طے کر دیا کہ اس کے بعد سے ہی اس کی صحت مسلسل گر رہی ہے۔ لڑکی کے ساتھ آپ لوگوں کی اس زبردستی کا انجام بہت بُرا بھی ہو سکتا ہے۔"

شازیہ بھابی بڑی مشکل سے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کی بات کا میں سمجھی نہیں۔"

جہانگیر کی امی کسی بات کی پرواہ کئے بغیر بولیں۔

"میرا مطلب ہے جو قدم بینا کی ماں نے اٹھایا تھا اگر ایسا ہی خیال اس کے دل و دماغ میں سما گیا

اور وہ بھی وہی کچھ کر گزری تو ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"خالہ جان! آپ سوچیئے تو سہی آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ جیسی باوقار اور سنجیدہ خاتون کو ا

قسم کی باتیں کہنا چاہئیں۔؟"

جہانگیر کی امی بولیں۔

"میں صاف بات کہنے کی عادی ہوں، جو کچھ میرے دل میں ہے۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"آپ کا اندازہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔"

جہانگیر کی امی ہٹ دھرمی سے بولیں۔

"نہیں میرا اندازہ بالکل صحیح ہے، آپ لوگ مانیں یا نہ مانیں، بینا کہیں اور شادی کرنا چاہتی

شازیہ بھابی نے کہا۔

"اگر بینا کہیں اور شادی کرنا چاہتی تو ہم اس کا رشتہ وہیں طے کرتے، ہمیں اس کے سا

زبردستی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟"

"اب یہ تو آپ ہی لوگ جانتے ہوں گے کہ آپ لوگوں نے کیوں اس کے ساتھ زبردستی

شازیہ بھابی نے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے خالہ جان۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

جہانگیر کی امی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"غلط فہمی تو نہیں ہوتی ہے ہمیں، ہاں البتہ دھوکے بازی ضرور ہوئی ہے ہمارے ساتھ"

شازیہ بھابی اور شائستہ بھابی دونوں کچھ دیر خاموش رہیں۔ پھر شائستہ بھابی نے کہا۔

"آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیئے گا کہ آپ نے جو کچھ کہا وہ مناسب تھا۔"



شازیہ بھابی نے کہا۔

"آپ نے جہانگیر اور بینا کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے اس سے جہانگیر کو بھی باخبر کر دیا ہے؟"

جہانگیر کی امی بڑی رعونت سے بولیں۔

"جہانگیر کو اگر میری زندگی عزیز ہے تو اُسے میری بات ماننا پڑے گی۔"

اس کے بعد نہ شازیہ بھابی کچھ بول سکیں نہ شائستہ بھابی۔ جہانگیر کی امی کچھ دیر بعد چلی

جاتے جاتے وہ پھر زور دے کر یہ بات کہہ گئیں کہ بینا کی ماں کے بارے میں جو کچھ ہمیں معلوم

اور بینا کی مسلسل بیماری کو دیکھتے ہوئے اب آپ لوگ رخصتی کا خیال دل سے نکال دیجئے۔

بینا نے بڑی ہمت اور تحمل کے ساتھ جہانگیر کی امی کا فیصلہ سنا لیکن اُن کے جانے

بینا کو اپنے بے قابو دل کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ شازیہ بھابی اور شائستہ

سے وہاں بیٹھے دیکھتیں۔ وہ اُٹھ کر اُوپر اپنے کمرے میں آگئی۔

بینا کے دل و دماغ کی کیفیت اس وقت ناقابلِ بیان تھی۔

شیشہ دل جیسے چور چور ہو کر رہ گیا تھا۔

اغ پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔

ں نے تکیے میں منہ چھپا کر سوچا۔

ن لوگوں کے دل میں خدا دل کے بجائے پتھر کیوں رکھ دیتا ہے؟"

انگیر کی امی کا انداز کس قدر حقارت آمیز اور ظالمانہ تھا۔

خدایا تو مجھے ناکردہ گناہوں کی سزا کب تک دیتا رہے گا۔

امی کی لغزش کی سزا میں کب تک بھگتتی رہوں گی؟"

ی قسمت میں درد کے جلتے صحرا کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

کے اس سمندر میں میں کب تک ڈوب ڈوب کر اُبھرتی رہوں گی؟

یہ کمزور ناتواں دل زخموں کے اس انبار کا بوجھ اب نہیں سہار سکتا۔

کب تک برداشت کروں؟

"کہاں تک حوصلے اور صبر و ضبط سے کام لوں؟"

سوچ سوچ کر مینا کے سر میں درد ہونے لگا۔

اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ بڑی ہمت کر کے اُٹھی گلاس میں ٹھنڈا پا
نکال کر پیا اور دوبارہ بستر پہ لیٹ گئی اور سامنے والی دیوار پہ لگی پینٹنگ پہ نگاہیں جمائے
پھر خیالوں میں کھو گئی۔

کچھ دیر بعد شازیہ بھابی اور شائستہ بھابی مینا کے کمرے میں آئیں تو اس کا زرد، اجڑا
چہرہ دیکھ کر دونوں نے مجرموں کی طرح سر جھکا لیا جیسے جہانگیر کی امی کی کہی ہوئی باتوں
ذمہ دار وہ دونوں خود ہوں، جیسے سارا قصور ان ہی دونوں کا ہو۔ مینا کو ان دونوں پر رحم آنے

---



مینا پلکیں جھپکائے بغیر دو، ایک سیکنڈ تک شازیہ بھابی اور شائستہ بھابی کی طرف
رہی پھر ایک دبی ہوئی سانس لے کر بولی۔

"آیئے بھابی! بیٹھیے"

وہ دونوں اس کے قریب آ کر بیٹھیں تو مینا نے پوچھا۔

"چلی گئیں جہانگیر کی امی؟"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"ہاں! چلی گئیں"

مینا نے کہا۔

"بہت بے وقت آئیں آج وہ۔"

شازیہ بھابی نے کہا۔

"ہاں، اطلاع بھی نہیں کی آنے سے پہلے، ٹیلیفون ہی کر دیتیں کم سے کم۔"

مینا نے کہا۔

"آپ لوگوں کے سب کام پڑے رہ گئے، اب دوپہر کے کھانے میں دیر ہو جائے گی۔"

"نہیں، بے چاری بُوا نے کافی کام نمٹا لئے ہیں۔" شائستہ بھابی نے جواب دیا۔

مینا اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی، وہ اپنی دلی کیفیت
ان کے اوپر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ جہانگیر کی امی کا تذکرہ بھی ان لوگوں کے

سامنے نہیں کہنا چاہتی تھی۔ نہ ان لوگوں کے سامنے آنسو بہا کر انہیں اور پریشان کرنا چاہتی تھی
مگر اس وقت اپنے جذبات پر قابو پانا اسے بہت دشوار لگ رہا تھا۔

اس نے بہت چاہا وہ خاموش رہے۔

لیکن، وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"جہانگیر کی امی کا فیصلہ سُن لیا آپ لوگوں نے؟"

شانزیہ بھابی نے کچھ غصے سے کہا۔

"ان کے فیصلہ سُنانے سے کیا ہوتا ہے؟ آخر انہوں نے سمجھ کیا رکھا ہے اپنے آپ کو، ان کے گھر کے سب افراد کی مرضی اور مشورے سے طے ہوا تھا یہ رشتہ۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"مجھے یقین ہے وہ گھر میں کسی سے ذکر کئے بغیر چُپ چاپ آ گئی تھیں یہاں۔"

شانزیہ بھابی نے ان کے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے، وہ اپنے طور پر فیصلہ سُنانے آ گئی تھیں، مگر یہ کوئی مذاق تھا ہے کہ جب دل چاہا رشتہ جوڑ دیا، جب دل چاہا توڑ دیا۔"

مینا نے افسردگی سے کہا۔

"مگر آپ لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں چھوٹی بھابی؟ ان کا جب دل چاہے گا آ کر طلاق نا تھما جائیں گے، کوئی انہیں روک تو نہیں سکتا۔"

شائستہ بھابی نے جلدی سے کہا۔

"ایسی بات زبان سے مت نکالو مینا! خدا نہ کرے جو ایسا ہو۔"

شانزیہ بھابی بھی بولیں۔

"ہمیشہ اچھی بات زبان سے نکالنی چاہیئے، اور پھر تم ابھی سے اتنی مایوسی کی باتیں کر



نے لگیں؟"

مینا نے کہا۔

"آپ دیکھئے گا چھوٹی بھابی! دیکھتے ہی دیکھتے یہ سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔"

شائستہ بھابی ناراض ہو کر بولیں۔

"پھر وہی حماقت کی بات کی تم نے؟ تمہارے اور اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار تو ہانگیر کو ہے، اسے تو شروع ہی سے تمام حالات کا علم تھا، کچھ سوچ سمجھ کر ہی اتنا بڑا اقدام اٹھایا ہوگا س نے۔"

شانزیہ بھابی نے کہا۔

"ہاں مینا! جہانگیر بہت سُلجھا ہوا اور سمجھدار لڑکا ہے، محض اپنی امی کے کہنے میں آ کر وہ کوئی حماقت تھوڑی کر بیٹھے گا۔"

"جہانگیر آخر کب تک ان کا مقابلہ کریں گے؟ آپ نے سُنا نہیں تھا جاتے جاتے وہ کیا کہہ گئی تھیں؟ جب جہانگیر کی امی اپنی جان کی دھمکی دے کر اپنی بات منوانا چاہیں گی تو ظاہر ہے۔ ہانگیر کو ان کے سامنے سر جُھکاتے ہی بن پڑے گی۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"ارے نہیں مینا! ایسا اندھیر نہیں ـــ ہے، تم دیکھنا تو سہی [illegible] اپنے بیٹے کی خوشی کی خاطر نہیں ہار مانتے ہی بن پڑے گی۔"

مینا نے کہا۔

"مجھے تو اُمید نہیں ہے بھابی! وہ خاصی ضدی اور ہٹ دھرم خاتون معلوم ہوتی ہیں۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"ٹھیک ہے، ہوں گی ضدی اور ہٹ دھرم، لیکن جب جہانگیر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر آئے تو معلوم ہوگا۔ وہ کتنی بڑی تیس مار خاں ہیں۔"

"بھابی کی بات سن کر بینا ایک ذرا سا مسکرا دی مگر پھر فوراً ہی اس کا چہرہ اداس ہو گیا۔

اس نے افسردگی سے کہا۔

"نہیں بھابی! بعض ڈکٹیٹر قسم کی عورتیں اپنی اولاد کے معاملے میں بھی بڑی بے رحم ہوتی ہیں، جہانگیر کی امی بھی انہی میں سے ایک معلوم ہوتی ہیں"

شازیہ بھابی نے کہا۔

"تم جہانگیر کو آنے دو، ہم اس سے بات کریں گے۔"

بینا نے مایوسی سے کہا۔

"آپ لوگ کسی سے بھی بات کر لیں، مجھے تو اپنا انجام معلوم ہے۔"

"پھر وہی بے وقوفی کی بات۔"

شازیہ بھابی نے مصنوعی ناراضگی کا اظہار کیا۔

بینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کروٹ بدل کر تکیوں میں منہ چھپا لیا۔

شائستہ بھابی اور شازیہ بھابی پریشان ہو کر بیک وقت بینا کے قریب جھک آئیں۔

"دیکھو بینا! رونا نہیں، طبیعت خراب ہو جائے گی تمہاری۔"

"اسقدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، سارے لوگوں کی رائے ایک طرف ہے ایک جہانگیر کی امی کے کچھ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

بینا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں رو نہیں رہی ہوں، میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے، وہ پورا ہو گا، رونے اور آنسو بہانے سے میری قسمت تھوڑی بدل جائے گی۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"تم دیکھنا تو سہی! تمہاری قسمت بہت اچھی ہو گی، رشک کریں گے لوگ تمہاری قسمت پر۔"

بینا طنزیہ انداز سے مسکرا کر بولی۔



"ہنہ! واقعی! بڑی اچھی! بہت لاجواب ہے میری تقدیر! جانے کتنے لوگ رشک کرتے ہوں گے"

پھر شائستہ بھابی اور شازیہ بھابی کافی دیر تک بینا کے پاس بیٹھیں اسے تسلی دیتی رہیں اور بینا بھی یہ سوچ کر نارمل ہو گئی کہ ان بے چاریوں کو میں کس بات کی سزا دے رہی ہوں؟ انہیں میں یوں مزید پریشان کر رہی ہوں۔

اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"چھوڑیئے بھابی! کوئی اور بات کیجئے خدا جو کچھ کرے گا بہتر ہی کرے گا۔"

شائستہ بھابی خوش ہو کر بولیں۔

"ہاں! یہ کی ہے نا تم نے سمجھداری کی بات۔"

بینا ان کی بات سن کر مسکرا دی۔

شازیہ بھابی نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی تمہارے لئے جوس بھیجتی ہوں، جوس پی کر آرام سے لیٹی رہو، کوئی کتاب یا رسالہ پڑھو، بیکار باتوں کو اپنے دماغ میں آنے ہی مت دو۔"

شائستہ بھابی نے کہا۔

"ہاں اور کیا، خواہ مخواہ سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کرتی رہتی ہو۔"

دونوں نیچے چلی گئیں۔

گھر میں اس روز بہت گھٹا گھٹا اور سوگوار سا ماحول رہا۔ شام تک گھر کے ہر فرد کو اس بات کا علم ہو گیا کہ جہانگیر کی امی کیا فیصلہ سنا گئی ہیں۔ سب اپنی اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے اور پریشان تھے۔ بڑے بھیا بینا سے ملنے اوپر آئے تو بینا نے محسوس کیا کہ وہ فکرمند ہونے سے زیادہ شرمسار تھے۔ ان کی شرمساری کی وجہ بھی بینا کو معلوم تھی۔ جہانگیر کے ساتھ اس کا رشتہ طے کرنے کی سب سے زیادہ حمایت بڑے بھیا نے کی تھی اور گھر کے سب لوگوں کے سمجھانے، بجھانے کے باوجود انہوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ پھر جمیلہ بیگم کے بارے میں جہانگیر کے گھر والوں کو

لاعلم رکھنے کی تجویز بھی انہی کی تھی۔ اب جو صورتِ حال تھی اس میں بڑے بھیا سوائے سوچنے، شرمندہ ہونے اور افسوس کرنے کے اور کر ہی کیا سکتے تھے۔

بڑے بھیا مینا سے اس کی طبیعت پوچھتے رہے۔ پھر اسے اپنی صحت ٹھیک رکھنے، دوائیں اور پھل باقاعدگی سے کھاتے رہنے کی تاکید کرنے کے بعد بولے۔

"دیکھو مینا! تم کسی بات کا اثر نہ لینا کہ واپنے اوپر، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

مینا ان کی بات سن کر کچھ نہیں بولی۔

سب سے زیادہ رحم مینا کو اپنے ابو پر آیا۔ وہ کتنے بیمار اور بوڑھے نظر آ رہے تھے یہ خبر سننے کے بعد سے۔

اسی روز شام کو جہانگیر آیا اسے یہ خبر مل گئی تھی کہ اس کی امی صبح مینا کے گھر آ کر کیا کہہ گئی تھیں۔ نیچے ڈرائنگ روم میں کافی دیر تک وہ باقی سب لوگوں سے باتیں کرتا رہا، اپنی امی کے رویے پر اظہارِ افسوس کرتا رہا اور ان لوگوں کو تسلیاں دیتا رہا۔ سب کے سامنے اسے مینا سے ملتے ہوئے جھجک محسوس ہوئی۔ اگلے روز صبح دس، گیارہ بجے کے قریب وہ پھر آیا۔ بھابی اسے لے کر اوپر مینا کے کمرے میں آ گئیں۔ جہانگیر کو بٹھا کر وہ پھر نیچے جا کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

جہانگیر چند منٹ تک سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی صورت سے افسردگی اور پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ مینا بھی تکیوں سے ٹیک لگائے اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی بیٹھی رہی۔ آخر کار جہانگیر نے ہی سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"ٹھیک ہے۔" مینا نے کہا۔

"بھابی تو کہہ رہی تھیں، کل سے آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔"

"گھر والے میرے لئے زیادہ ہی پریشان ہو جاتے ہیں۔ بس بالکل ٹھیک ہوں۔"

چند سیکنڈ کے لئے کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔



پھر جہانگیر نے کہا۔

"میں کل شام بھی آیا تھا، آپ کو علم تو ہو گا؟"

"جی مجھے معلوم ہے۔"

"دراصل کل میں اپنی امی کے یہاں آنے کی خبر سن کر پریشان ہو گیا تھا۔"

"میں آپ سے بھی ملنا چاہتا تھا مگر مجھے مناسب نہیں معلوم ہوا۔"

مینا خاموش رہی۔

جہانگیر نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے امی کی باتیں سن کر آپ سب لوگ پریشان اور فکرمند ہوں گے۔"

مینا نے کہا۔

"پریشان ہونے کی بات تو ہے ہی۔"

"آپ یقین کیجئے، میں انشاء اللہ تمام حالات کو سنبھال لوں گا، اس کے لئے مجھے کچھ وقت چاہیئے۔"

"مجھے تو مشکل ہی نظر آتا ہے، حالات تو شروع ہی سے آپ کے سامنے تھے، جب اتنے عرصے میں الات پر قابو نہیں پا سکے تو اب آپ کیا کر لیں گے؟"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے مینا! میں اپنی امی کے دل کا حال جان ہی نہیں سکا، بات طے ہونے ہلے انہوں نے بہت مخالفت کی تھی، نکاح ہو گیا تو وہ نارمل ہو گئیں، یا پھر یوں کہہ لیجئے کہ وہ ہر نارمل ہی نظر آتی تھیں، میں بھی یہ سوچ کر خوش تھا کہ انہوں نے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر ے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اندر ہی اندر مخالفت کا طوفان لئے بیٹھی ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"مجھے اپنی فکر نہیں ہے جہانگیر صاحب! مجھے تو اپنے بوڑھے باپ اور بھائیوں کا خیال آتا ہے ب میری وجہ سے پریشان ہیں، ان کی جو جگ ہنسائی ہو گی اس کے بارے میں سوچ کر ہی ل پریشان ہو جاتا ہے۔"

جہانگیر نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"مجھے اس بات کا احساس ہے، میں آپ لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں، لیکن میں پھر بھی کہوں گا کہ آپ لوگ مایوس اور دل برداشتہ نہ ہوں، میں امی کو منا لوں گا، انہیں سمجھا لوں گا"

مینا نے کہا۔

"مجھے آپ سے صرف ایک بات کی شکایت ہے۔"

مینا ایک لمحے کے لئے رکی تو جہانگیر نے کہا۔

"جی کہیے، میں سن رہا ہوں۔"

"جب آپ کی امی اس رشتے پہ رضامند نہیں تھیں تو آپ نے یہ سلسلہ شروع ہی کیوں کیا؟"

"میں یہ سمجھتا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا، وہ نہ صرف رضامند ہو جائیں گی بلکہ خوش بھی ہوں گی میرے فیصلے پہ۔"

مینا نے کہا۔

"لیکن وقت گزرنے کے بعد آپ نے دیکھ ہی لیا کہ حالات ویسے کے ویسے ہی ہیں بلکہ کچھ اور بدتر ہو گئے ہیں۔"

"آپ کچھ عرصہ انتظار کیجئے مینا! میں حالات کو سنبھال لوں گا، امی کو سمجھا لوں گا۔"

مینا خاموش رہی۔

جہانگیر نے کہا۔

"وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا مینا! آپ اچھے لمحوں کے بارے میں سوچئے، ان باتوں کی وجہ سے آپ اپنی صحت مت خراب کیجئے اپنے آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کیجئے۔"

مینا نے زہرخند سے کہا۔

"خوشی میری قسمت میں ہے ہی نہیں۔"

جہانگیر کچھ مسکرا کر بولا۔

"اُفوہ! آپ تو بہت مایوسی کی باتیں کر رہی ہیں۔"

"مایوسی کی باتیں نہ کروں تو کیا کروں؟ روشنی کی کوئی ایک کرن بھی تو نظر نہیں آتی مجھے۔"

"بس کچھ عرصے کی بات ہے، پھر دیکھئے گا آپ کتنی خوش رہیں گی۔"

مینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے، دیکھوں گی آپ کی باتیں کتنی سچ ثابت ہوتی ہیں۔"

پھر بہت سارے دن گزر گئے تو ایک روز فیصل بھائی آ گئے۔ وہ نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے اور مینا اوپر اپنے کمرے میں بیٹھی ان کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ فیصل بھائی کے گھر میں بھی سب کو اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ جہانگیر کی امی کون سا فیصلہ سنا گئی ہیں۔

مینا نے سوچا۔

اب فیصل بھائی آ کر نہ صرف میرا مذاق اڑائیں گے بلکہ ناراض بھی ہوں گے وہ تو پہلے ہی کہہ رہے ہیں کہ تم نے بہت احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔ جہانگیر اور اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی ان کی رائے اچھی نہیں ہے۔ جہانگیر کی امی اپنے کردار کے اوچھے پن کا مظاہرہ کر ہی چکی ہیں۔ اب تو فیصل بھائی کچھ بھی کہیں تھوڑا ہے۔

کافی دیر نیچے بیٹھے رہنے کے بعد فیصل بھائی اوپر آ گئے۔ مینا دریچے کے قریب کرسی پر بیٹھی میگزین کے اوراق الٹ رہی تھی۔ فیصل بھائی آ کر دروازے میں کھڑے ہو گئے۔ مینا منتظر تھی اندر آئیں گے لیکن فیصل بھائی چند سیکنڈ تک دروازے میں ہی کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ مینا کنکھیوں سے اُن کا جائزہ لے رہی تھی۔

آخر مینا نے سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کب تک کھڑے رہیں گے دروازے میں؟"

"جب تک تم اندر آنے کے لئے نہیں کہو گی۔"

فیصل بھائی مسکرا کر بولے۔

ینا نے کہا۔

"میرے پوچھنے کا مطلب یہی ہے کہ اب آپ دروازے میں کھڑے رہنے کے بجائے اندر تشریف لے آئیں۔"

فیصل بھائی اندر آ کر مینا کے سامنے ہی بیٹھ گئے اور اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مدھم سی مسکراہٹ کو دیکھ کر بولے۔

"کیا بات ہے؟ آج خلافِ توقع موڈ اس قدر اچھا کیوں ہے؟"

مینا خاموش رہی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"یا پھر پوز کر رہی ہو؟"

"پوز کرنے کی کیا بات ہے؟"

"اب یہ تو تمہیں ہی معلوم ہوگا۔"

"میں نہ پوز کر رہی ہوں، نہ خلافِ توقع میرا موڈ اچھا ہے، بلکہ عموماً میرا موڈ ایسا ہی رہتا ہے۔"

فیصل بھائی اسے تنگ کرتے ہوئے بولے۔

"اچھا! میں سمجھا، کیا وجہ ہے؟"

"کیا سمجھے؟" مینا نے حیران ہو کر پوچھا۔

فیصل بھائی مسکرا کر بولے۔

"اصل میں جہانگیر کی امی جو مژدۂ جانفزا سنا گئی ہیں اسی کے اثرات معلوم ہوتے ہیں تمہارے مزاج پر۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ فیصل بھائی؟"

مینا ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

فیصل بھائی بھی سنجیدہ ہو کر بولے۔



"تمہارے جہانگیر کے گھر والوں نے آخر کار اپنی ذہنیت کا مظاہرہ کر ہی دیا۔"

مینا خاموش رہی۔

فیصل بھائی نے کہا۔

"جب ان حضرت کی والدہ ماجدہ رضامند نہیں تھیں تو پھر وہ کیوں تیس مار خاں بننے چلے تھے؟"

مینا دھیرے سے مسکرا کر بولی۔

"آپ تو پیچھے ہی پڑ گئے بے چارے کے۔"

فیصل بھائی کچھ غصے سے بولے۔

"شکر کرو کہ میرا اور جہانگیر کا سامنا نہیں ہو رہا ہے ورنہ میں تو اچھی طرح خبر لیتا اس کی۔"

"آپ جہانگیر کو کچھ نہ کہیں، ان بے چارے کی نیت تو ٹھیک ہے۔"

"یہ تو آنے والا وقت بتلائے گا کہ ان کی نیت ٹھیک ہے یا نہیں۔"

فیصل بھائی کا غصہ کسی طرح کم ہوتے میں نہیں آ رہا تھا۔ مینا کو ہنسی آ گئی۔

فیصل بھائی مینا کے پاس کافی دیر تک بیٹھے رہے لیکن ان کا موضوعِ گفتگو جہانگیر اور اس کے لے ہی رہے۔

جب وہ واپس جانے کے لئے اُٹھے تو بڑے بارعب لہجے میں بولے۔

"اور تم! میری ایک بات سنو مینا!"

"جی!!" مینا نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ان فضول قسم کے لوگوں کے لئے تمہیں اپنی صحت خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

مینا خاموش رہی۔

فیصل بھائی بولے۔

"ایسے واہیات لوگوں کے لئے اپنی جان کو مزید روگ لگانا سراسر حماقت ہے، تم کھاؤ، پیو اور خوش لکل فکر مت کرو۔"

فیصل بھائی اگرچہ جہانگیر کو بھی لعنت ملامت کر کے گئے تھے لیکن مینا کو جہانگیر کی طرف سے
ایک آس سی تھی۔ اُسے ایک اُمید سی تھی کہ جہانگیر اپنی امّی کو کسی نہ کسی طرح منا ہی لے گا۔

لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

اس میں جہانگیر کی بدنیتی کو ذرا بھی دخل نہیں تھا نہ ہی اس میں جہانگیر کی کوئی کوتاہی شامل تھی۔
اس نے اپنی کوششوں میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

لیکن ———

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وقت اور حالات انسان کے بس میں نہیں ہوتے۔

اس کی کوششوں کے باوجود ہر بات اس کے اختیار سے باہر ہوتی چلی جاتی ہے۔

بالکل ایسا ہی جہانگیر کے ساتھ ہوا۔

اس نے اپنی امّی کی منّت سماجت کی، ان کے آگے ہاتھ جوڑے کہ وہ مینا کو رخصت کرا لائیں لیکن
ان کا ایک ہی فیصلہ تھا کہ نہیں اب مینا کی رخصتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم اُسے طلاق دو۔

جہانگیر بھی آخر انسان ہی تھا۔ اپنی امّی کی اس بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے عاجز آ کر اس
نے کہہ دیا۔

”ٹھیک ہے، آپ نہیں مانتیں تو نہ سہی، میں اکیلا ہی جا کر اُسے رخصت کرا لاؤں گا۔“

جہانگیر کی امّی بیٹے کو بغاوت پر آمادہ دیکھ کر غصّے سے بھڑک ہی تو اُٹھیں۔

پیچ و تاب کھا کر بولیں۔

”تمہاری یہ مجال کہ تم اس لڑکی کی خاطر مجھ سے ٹکرا رہے ہو، اس بات کا خیال رکھنا کہ میرے
گھر میں اس لڑکی کے قدم نہیں آئیں گے۔“

جہانگیر بھی غصّے میں آ کر بولا۔

”ٹھیک ہے وہ اس گھر میں نہیں آئے گی، میں اُسے کہیں اور لے جاؤں گا۔“

”تم اپنی مرضی کر لو، کل جب اپنی ماں کی طرح وہ تمہارے سر پر کالک مل کے جائے گی تب تمہیں



...ش آئے گا۔“

اس کے بعد جہانگیر نے خاموشی اختیار کر لی۔

اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے لئے وہ اب تقریباً روزانہ ہی مینا کے گھر آ جاتا تھا۔ اپنی امّی کے
...تعلق یہ ساری باتیں اس نے مینا کو بتائی تھیں یہ الگ بات تھی کہ وہ الفاظ کا اُلٹ پھیر کر کے جملوں کی
...نت کو بدل دیتا تھا۔

جب جہانگیر نے مینا کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کیا کہ اب چاہے امّی راضی ہوں یا نہ ہوں مجھے
...واہ نہیں میں تنہا ہی اس فرض کو انجام دے لوں گا۔

مینا یہ سُن کر کچھ خوف زدہ سی ہو گئی۔

اس نے دبے لفظوں میں کہا۔

”میرے خیال میں یہ بات مناسب نہیں ہے، آپ کچھ عرصہ انتظار کر لیں، شاید آپ کی امّی کے
...ئلے میں کچھ لچک پیدا ہو جائے۔“

جہانگیر نے بہت مایوسی سے کہا۔

”میں خود بھی چاہتا تھا مینا! کہ جو کچھ بھی ہو اس میں امّی کی مرضی اور خوشی شامل ہو، اسی لئے میں
...انتظار کیا، لیکن میں آخر کب تک انتظار کروں؟ جب کہ مجھے کوئی امید بھی نہیں ہے۔“

مینا نے کہا۔

”کچھ بھی سہی، وہ آپ کی ماں ہیں، جہاں آپ نے اتنے عرصے صبر کیا ہے، کچھ دن اور کر لیجئے،
...منانے کی کوشش کیجئے۔“

جہانگیر نے کہا۔

”ٹھیک ہے، کچھ دن اور دیکھ لیتا ہوں۔“

جہانگیر کی امّی ہائی بلڈ پریشر کی پرانی مریضہ تھیں، ایک دفعہ بہت ہلکا سا ہارٹ اٹیک بھی ہو چکا
...اب جو گھر میں اس قسم کے حالات ہوئے تو ان کی طبیعت پھر خراب ہو گئی۔ پہلے معمولی طبیعت

بگڑتی بھی صورتِ حال خاصی نازک ہو گئی۔ سب ہی سمجھ رہے تھے کہ ان کی طبیعت کی خرابی کی وجہ کیا ہے خود جہانگیر کو بھی احساس تھا۔ وہ بے چارہ تو بالکل مجبور و بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ ماں کی حالت دیکھی جاتی تھی نہ ان کی بے جا ضد مان کر کسی لڑکی کی زندگی تباہ کرنے کا اس میں حوصلہ تھا۔ عالمِ بے ہوشی میں بھی جہانگیر کی امی کی زبان پر یہی رٹ تھی۔

"جہانگیر! میری یتیم بھتیجی کا ہاتھ تھام لو، ورنہ میں دودھ نہیں بخشوں گی۔"

"بس! یہ میری آخری خواہش ہے۔ جہانگیر! پھر میں کبھی تم سے کوئی خواہش نہیں کروں گی۔"

جہانگیر عجب کشمکش میں تھا۔

وہ بے چارہ تذبذب میں مبتلا ہو گیا تھا۔

دوراہے پر کھڑا سوچ رہا تھا۔

"کونسی راہ پر جاؤں؟

کس سمت قدم اُٹھاؤں؟"

اس کا دل اور دماغ تو جیسے کوئی فیصلہ کرنے کی قوت ہی کھو بیٹھے تھے۔

اب تو اس نے مینا کے سامنے بھی کچھ کہنا سُننا چھوڑ دیا تھا۔ وہ آتا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے چلا جاتا۔ لیکن مینا کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ کتنا اپ سیٹ ہے اس نے جہانگیر سے اصرار کر کے پوچھا اور جب جہانگیر نے اسے موجودہ صورتِ حال کے بارے میں بتایا تو مینا کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی۔ پھر اس نے جہانگیر کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے کسی آخری فیصلے پہ پہنچ گئی ہو۔

اس نے جہانگیر سے کہا۔

"آپ اپنی امی کی بات مان لیجیے۔"

جہانگیر نے بہت حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مینا؟"



مینا نے بڑے سکون سے کہا۔

"موجودہ صورتِ حال میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ آپ ان کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیں۔"

"اور آپ کی زندگی تباہ کر دوں؟"

جہانگیر نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"میری زندگی کو تباہی سے بچانے کی ہر کوشش تو کر چکے ہیں آپ، اب تو حالات آپ کے اختیار سے باہر ہو چکے ہیں۔"

جہانگیر نے ایک عزم سے کہا۔

"نہیں، آپ کی اور اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اب بھی میرے پاس ہے۔"

"اور آپ کی امی کی زندگی؟"

مینا نے گہری نگاہوں سے جہانگیر کی طرف دیکھا۔

"زندگی اور موت خدا کے اختیار میں ہے، اس موقع پر میرے فیصلے کی آڑ لینا میرے ساتھ زیادتی ہے۔"

مینا نے کہا۔

"آپ کی امی کی بیماری کے پیشِ نظر اب ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ ان کی خواہش پوری کریں۔"

"ہوں" جہانگیر نے سر جھکا کر ایک گہری سانس لی۔

"اب اگر آپ اپنے گھر والوں کی بات نہیں مانتے اور خدانخواستہ آپ کی امی کو کچھ ہو جاتا تو آپ خود ہی سوچئے کہ آپ کے گھر میں میری کیا حیثیت ہو گی؟ مجھے دیکھتے ہی ہر شخص کے ذہن میں یہی خیال آئے گا کہ اس گھر میں جو حادثہ ہوا اس کی ذمہ دار میں تھی۔"

جہانگیر نے کہا۔

"کچھ بھی سہی، لیکن آپ کے اوپر کوئی ظلم کرنے کو میرے دل و دماغ ذرا بھی آمادہ نہیں ہوتے۔"

"آپ حالات کو بھی تو دیکھئے کس درجہ مجبور ہو کر آپ یہ قدم اُٹھائیں گے، اسے آپ ظلم و زیادتی کیوں سمجھ رہے ہیں؟"

"اگر آپ بلا کسی سبب کے ایسا کرتے تب، تو آپ یہ سمجھنے میں حق بجانب بھی تھے کہ آپ میرے اوپر کوئی ظلم یا زیادتی کر رہے ہیں۔"

جہانگیر نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی تو مینا نے کہا۔

"آپ ہر کوشش کر چکے، اب تو بات میری قسمت پر آ کر ختم ہو جاتی ہے، میری قسمت میں اسی طرح ہونا لکھا ہے، آپ میری قسمت سے تو نہیں لڑ سکتے۔"

جہانگیر سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ سر جھکائے گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔

مینا نے کہا۔

"آپ گھر جائیے، ٹھنڈے دل و دماغ سے میری باتوں پر غور کیجئے گا، مجھے یقین ہے آپ کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں گے۔"

جہانگیر کے جانے کے بعد مینا نے سوچا۔

"میں نے جہانگیر کو مشورہ دے تو دیا ہے لیکن اس کے نتائج کچھ اچھے نہیں نکلیں گے۔

مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔

اتنے بہت سارے لوگوں کو پریشان کر کے اور انہیں تکلیف پہنچا کر اگر میرا گھر بس بھی گیا تو اس سے کیا فائدہ؟

اور پھر اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ میں ان تمام حالات سے گزرنے کے بعد خوش رہ سکوں گی۔

جہانگیر بے چارے کی جان الگ عذاب میں ہے۔

یہ رشتہ ختم ہو جانے سے اسے افسوس تو بہت ہوگا لیکن آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو جائے ہو سکتا ہے کہ اپنی ماموں زاد بہن سے شادی ہو جانے کے بعد جہانگیر بدل جائے، وہ لڑکی اسے اتنی محبت اور اتنی خوشیاں دے کہ وہ مجھے بالکل بھول ہی جائے۔"

مینا کے دل کو کچھ اطمینان سا ہوگیا۔

دوسرے روز شائستہ بھابی نے جہانگیر کی امی کی خیریت معلوم کرنے کے لئے ان کے گھر فون کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے۔ جہانگیر اس روز مینا سے ملنے آیا۔ صرف اس روز بلکہ اس کے بعد بھی پانچ چھ روز گزر گئے۔ لیکن جہانگیر نے اپنی شکل دکھائی۔ شائستہ بھابی، شازیہ بھابی یا گھر کا کوئی دوسرا فرد ٹیلیفون کرتا تو جہانگیر سے بھی ہو جاتی۔ مینا کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ جہانگیر نے اس کے مشورے پر عمل کرتے اپنی امی کی بات مان لی ہے۔

تقریباً آٹھ دس روز گزر گئے۔ تب ایک دن ملازم نے ایک لفافہ مینا کو دیتے کہا۔

"بی بی! یہ جہانگیر صاحب دے گئے ہیں۔"

لفافہ لیتے ہوئے مینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اُٹھا۔

اس نے ملازم سے پوچھا۔

"اچھا، کب آئے تھے وہ؟"

"آج شام ہی آئے تھے۔"

مینا نے پوچھا۔

"اندر نہیں آئے تھے وہ؟"

"نہیں جی، وہ کہہ رہے تھے، بہت ضروری کام ہے، جلدی میں ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ۔"

ملازم کے جانے کے بعد مینا نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ چاک کیا اس کے ہاتھوں میں

لرزش تھی اور ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک آئی تھیں۔ لفافے میں سے کچھ کاغذات نکل کر بستر پر گر پڑے۔ اس نے بڑی عجلت سے کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر جہانگیر کا خط پڑھنے لگی۔

جہانگیر نے لکھا تھا۔

"مینا!"

صرف آپ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کوئی فیصلہ کرنا میرے لئے بہت دشوار ہوتا اور شاید میں فیصلہ کر بھی نہ پاتا اگر فیصل صاحب مجھے صحیح صورتِ حال سے باخبر نہ کرتے۔ کاش! انہوں نے آپ سے کچھ عرصے پہلے یہ سب کچھ بتا دیا ہوتا تو آپ کی صحت اس طرح خراب نہ ہوتی۔

سوچتا ہوں میں بھی کس قدر نادان تھا آپ کی گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر بھی میرا ذہن اس بات کی طرف نہیں گیا کہ آپ کے دل میں کسی اور کا خیال ہے۔

بہر حال! جو کچھ بھی ہوا، اس میں میرا قصور کتنا ہے؟ اس کا فیصلہ آپ خود ہی کیجیے۔ یقین کیجیے، اگر مجھے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ آپ کے دل و دماغ میں اشعر صاحب کا خیال ہے تو میں آپ کو اتنی اذیت نہ دیتا، میں اتنا خود غرض نہیں ہوں۔ آسیہ نے مجھے یہ تو بتا دیا تھا کہ آپ کی امی اشعر صاحب سے آپ کی شادی کرنا چاہتی ہیں اور باقی گھر والے فیصل صاحب کے حق میں ہیں لیکن انہوں نے آپ کے بارے میں اشارتاً بھی مجھ سے یہ نہیں کہا کہ آپ کا رجحان کس طرف ہے۔ خود میرے پوچھنے پر بھی انہوں نے یہی کہا کہ مینا کا اپنا رجحان کسی خاص شخص کی طرف نہیں ہے، جہاں بھی اس کی شادی کر دی جائے گی وہ خوش رہے گی۔ ورنہ آپ خود ہی سوچیے میں بھلا اتنا بڑا قدم اُٹھا سکتا تھا؟ جب کہ آپ کو اس بات کا بھی اندازہ ہو چکا ہے کہ مجھے کتنی بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

ٹھیک ہے کہ میرے دل و دماغ نے سوائے آپ کے کبھی کسی اور لڑکی کے بارے میں نہیں سوچا اور آئندہ بھی، مجھے نہیں معلوم کہ کب تک میں اپنے آپ کو سنبھال سکوں گا؟ کب کوئی لڑکی آپ کی جگہ لے سکے گی؟ لیکن اس کے باوجود مجھے یہ احساس ہے کہ کسی کو چاہے جانے کے ساتھ دل



زبانی اور ایثار کا جذبہ بھی ہونا چاہیئے۔ مجھے افسوس ہوتا ہے اپنی لاعلمی اور بے خبری پر۔ کاش! مجھے سے صحیح صورتِ حال کا علم ہوتا تو میں آپ لوگوں کی راہ میں دیوار نہ بنتا۔

میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ مجھے بروقت حالات کا علم ہو گیا اور میں فیصل صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ورنہ میں سوچتا ہوں کس قدر گناہگار ہوتا ساری عمر آپ سے بھی شرمندہ رہتا اور اپنی امی کے حادثے (اگر خدانخواستہ ہو جاتا) کا ذمہ دار بھی میں اپنے آپ کو سمجھتا۔

جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ میری وجہ سے ایک شخص اپنے بھائی بہن، ماں، باپ کو چھوڑ کر پردیس جا رہا ہے تو میں اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگتا ہوں۔

بہر حال! اب آپ آزاد ہیں۔ آپ جسے چاہیں اپنا ہم سفر منتخب کریں۔ فیصل صاحب کو یا اشعر صاحب کو۔ خدا سے دعا کریں کہ وہ میرے دل و دماغ کو سکون دے۔

آپ کے لئے بھی میری یہ دُعا ہے کہ آپ جلد از جلد صحت یاب ہو جائیں۔ سچ! میری وجہ سے بڑی اذیت پہنچی ہے آپ کو۔ جہانگیر

مینا نے خط کو لفافے میں رکھتے ہوئے سوچا" فیصل بھائی! یہ آپ نے کیا کر دیا؟"

"اپنی امی کی طبیعت کے پیشِ نظر یہ فیصلہ تو بہر حال جہانگیر کو کرنا ہی تھا۔"

"لیکن آپ نے اشعر کے بارے میں بتا کر جہانگیر کے دل کو یہ تکلیف کیوں پہنچائی کہ میرے دل میں ان کا نہیں کسی اور کا خیال تھا۔

"دل پر کتنا بوجھ سا محسوس ہو رہا ہے مجھے۔"

زینے پر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ تو مینا نے جلدی سے لفافے میں سے جہانگیر کا اپنے نام خط نکال کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور ایک مختصر سا پرچہ جو جہانگیر نے بڑے بھیا کے نام لکھا تھا، نکال کر سرسری نظر میں دیکھنے لگی مشکل تو یہ تھی کہ جہانگیر نے اس میں بھی اشعر کا ذکر کیا تھا۔ مینا نہیں چاہتی تھی کہ گھر والوں کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ اسے معلوم تھا اب اس سے فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ اُلٹا ان لوگوں کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ بڑے بھیا بے چارے تو ویسے ہی اس سے

نظر ملانے سے کتراتے تھے۔

مینا نے نگاہیں اُٹھا کہ دیکھا تو بڑے بھیا اور شائستہ بھابی اندر آرہے تھے۔

بڑے بھیا نے پیار سے پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے مینا؟"

مینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے بڑے بھیا!"

بڑے بھیا اس کے قریب آکر بولے۔

"تم اس وقت نیچے نہیں آئیں تو ہم لوگ پریشان ہوگئے کہ کہیں تمہاری اس وقت طبیعت تو خراب نہیں۔"

اسی وقت بڑے بھیا کی نگاہ لفافے پر پڑی۔

انہوں نے پوچھا۔

"یہ کیسا لفافہ ہے۔"

مینا کوئی جواب نہ دے سکی اس کا چہرہ ایک دم زرد ہوگیا، اس نے بڑی بے بسی سے شائستہ بھابی کی طرف دیکھا۔

اس کا دل تھا کہ دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر آجانا چاہتا تھا۔

جی چاہتا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

اتنے آنسو بہائے کہ اس کا سارا وجود آنسوؤں میں تحلیل ہوجائے۔

اسے غم اپنا نہیں تھا۔

اسے فکر اور پریشانی اپنی ذات کے لئے نہیں تھی۔

اسے دُکھ تو اس بات کا تھا کہ میں اپنے گھر والوں پہ بوجھ بنی کب تک ان لوگوں کے لئے پریشانی کا سبب بنتی رہوں گی۔



دُکھ صدمے اور پریشانی کے مارے اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

لیکن وہ بڑے بھیا کے سامنے آنسو نہیں بہانا چاہتی تھی۔

یہ سوچ کر کہ کہیں انہیں یہ خیال نہ ہو کہ اس سے اپنا غم سنبھالے نہیں سنبھل رہا ہے۔

ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس نے آنسوؤں کی ساری نمی کو حلق میں انڈیل لیا۔

اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بھابی کی طرف دیکھا۔

بھابی نے کہا۔

"تم تو بالکل زرد ہوتی جا رہی ہو مینا! کیا بات ہے؟" مینا نے کوئی جواب دیئے بغیر لفافہ ...ا کر بھابی کی طرف بڑھا دیا اور کنکھیوں سے بڑے بھیا کی طرف دیکھتے ہوئے سر جھکا لیا۔

شائستہ بھابی نے لفافے سے کاغذات نکال کر جلدی جلدی اُلٹ پلٹ کر بڑے بھیا کی طرف ...ھا دیئے۔ بھابی مینا کے قریب آکر بیٹھ گئیں... بڑے بھیا وہیں کھڑے کاغذات دیکھتے ...ے۔ پھر مینا کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ مینا میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ نظر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھ ...ے۔ کمرے میں دو تین منٹ تک منجمد سا سکوت طاری رہا۔ تینوں اپنی اپنی سوچوں میں ...بے ہوتے تھے۔ پھر شائستہ بھابی نے اس سکوت کو توڑا۔ انہوں نے مینا کا سر اپنے شانے ...ے لگاتے ہوئے کہا۔

"چلو، جو کچھ ہوا، ٹھیک ہی ہوا، اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی۔"

مینا خاموش رہی۔

بھابی نے پھر کہا۔

"تم بس اپنی صحت کی فکر کرو، آگے اللہ مالک ہے، اس کی ذات سے امید ہے وہ تمہاری ...ت اچھی ہی کرے گا۔"

مینا نے کہا۔

"نہیں بھابی! جو بُری قسمت لے کر پیدا ہوتے ہوں ان کی قسمت اچھی ہونے کا کیا سوال

پیدا ہوتا ہے۔"

بھابی نے پیار سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"بیکار باتیں مت کرو، اب یہ کیا تمہاری خوش قسمتی نہیں ہے کہ بے پناہ چاہنے والے ابّو ہیں، ڈھیروں پیار کرنے والے بھائی ہیں باقی سب بھی تمہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔"

مینا نے کہا۔

"مجھے اپنی فکر بالکل نہیں ہے بھابی! میں تو یہ سوچتی ہوں کہ میری وجہ سے آپ لوگ کب تک نت نئی مصیبتوں کا سامنا کرتے رہیں گے۔"

بڑے بھیا تو ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ لفافہ ہاتھ میں لئے چپ چاپ نیچے چلے گئے۔

شائستہ بھابی کچھ دیر مینا کے پاس بیٹھی اس کا دل بہلاتی رہیں پھر وہ بھی نیچے چلی گئیں۔

رات کے کھانے کے وقت بُوا مینا کو بلانے آئیں۔ مینا کا دل کھانا کھانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس نے سوچا کہ اگر میں نیچے نہ گئی تو سب لوگ اور زیادہ پریشان ہوں گے۔ با دلِ نخواستہ وہ سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئی۔

اس نے محسوس کیا کہ ہر شخص بالکل گم صُم تھا۔

سب مینا سے نگاہیں ملانے سے کترا رہے تھے۔

اس کے ابّو ظفر صاحب کی پیشانی پر فکر و تردّد کی گہری لکیریں تھیں۔

بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

شائستہ بھابی اور شازیہ بھابی کے چہروں پر افسردگی تھی۔

بُوا بھی بہت اُداس تھیں۔

مینا اپنے آپ کو ان سب کا مجرم سمجھ رہی تھی۔

نوالے اس کے حلق میں پھنس رہے تھے۔

آنکھوں میں بار بار آنسوؤں کی دھند چھائی جا رہی تھی۔



وہ پلکیں جھپکا کر بار بار آنسوؤں کی نمی کو حلق میں اتارنے کی کوشش کرتی تو دل پر ایک ی بوجھ سا محسوس ہونے لگتا۔

کمرے کی فضا میں منجمد سا سکوت چھایا ہوا تھا۔

بس ان چمچوں، پلیٹوں اور گلاسوں کے ٹکرانے کی آواز ہی اس سکوت کو توڑ رہی تھی یا پھر ننھے سے کرن کی ننھی منی سی آواز بلند ہو کر خاموشی کے اس سمندر میں کوئی کنکر پھینک دیتی تھی۔

مینا نے بمشکل تمام چند لقمے کھائے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

اس وقت سبھی کی نگاہیں اُسی کی طرف اُٹھیں۔

ظفر صاحب نے پوچھا۔

"کیوں بیٹے! ہاتھ کیوں روک دیا۔"

مینا نے کہا۔

"بس ابّو میں کھا چکی۔"

اس کی آواز مدھم تھی۔

بڑے بھیا نے کہا۔

"اور کھاؤ مینا! ابھی تم نے کھایا ہی کیا ہے؟"

"مجھے بھوک نہیں لگ رہی ہے۔"

چھوٹے بھیا نے سویٹ ڈش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو! یہ لے لو۔"

"اس وقت دل نہیں چاہ رہا، صبح کھا لوں گی۔" مینا نے کہا۔

شائستہ بھابی نے کہا۔

"اچھا کچھ فروٹ ہی کھا لو۔"

مینا نے انگور کے چند دانے اُٹھائے۔

ثنانیہ بھابی نے پوچھا۔

"میں تمہارے لئے سیب کاٹ دوں؟"

مینا نے کہا۔

"نہیں بھابی! پیٹ میں جگہ ہی نہیں ہے۔"

اسلم بھیا نے کہا۔

"اچھا، تھوڑے سے انگور ہی اور لے لو۔"

مینا نے انگور کے چند دانے اور لے لئے۔

"کھانا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو دودھ اس وقت کچھ زیادہ پی لینا۔"

ارشد بھیا نے کہا۔

مینا نے کہا۔

"اچھا۔"

اور کرسی کی پشت سے سر ٹیک کر ایک دبی ہوئی سانس لی۔

کھانا کھانے کے بعد مینا جب اپنے کمرے میں آئی تو چند منٹ بعد بڑے بھیا بھی آ گئے۔ مینا دریچے سے ہٹ کر کرسی پہ آ بیٹھی۔ بڑے بھیا بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کمرے میں بالکل خاموشی چھائی رہی۔ بڑے بھیا سر جھکاتے بیٹھے رہے پھر انہوں نے مینا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مینا مجھے احساس ہے کہ انجانے میں مجھ سے زندگی کی بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔"

مینا نے انجان بن کر کہا۔

"کیسی غلطی بڑے بھیا؟"

"مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اشعر کو پسند کرتی ہو۔"

مینا کچھ نہ بول سکی۔



بڑے بھیا نے کہا۔

"لیکن تم نے ایسا کیوں کیا مینا؟ تمہیں مجھ سے نہ سہی اپنی بھابی سے ہی کہہ دینا چاہیئے تھا۔"

مینا گہری سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی۔

بڑے بھیا نے پھر کہا۔

"اگر ہمیں یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی تو ہم تمہارے لئے جہانگیر کا انتخاب کیوں کرتے؟"

"بڑے بھیا! اصل میں آپ ...."

مینا کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

بڑے بھیا نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"ہاں، ہاں کہو، رُک کیوں گئیں تم؟"

مینا نے نظریں جھکا کر کہا۔

"میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ اشعر کے حق میں نہیں تھے اور غالباً یہ سوچ کر کہ کہیں امی اس میں کامیاب نہ ہو جائیں آپ جلد سے جلد جہانگیر کے ساتھ میرا رشتہ طے کر دینا چاہتے تھے۔"

بڑے بھیا نادم سے ہو کر بولے۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ...."

مینا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اصل میں آپ کی کچھ باتیں میں نے اتفاقاً سُن لی تھیں۔ آپ نے ابّا سے یہ کہا تھا کہ آپ چاہتے کہ امی میری شادی اشعر سے کر دیں۔"

بڑے بھیا نے مزید شرمسار ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں تھا مینا! کہ تم خود بھی اشعر میں انٹرسٹڈ ہو، میرا خیال تھا کہ یہ امی کی خواہش ہے۔"

انھوں نے پھر کہا۔

"اگر تمہیں اس بات کا ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو جہانگیر کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟"

بینا سپاٹ چہرہ لئے بڑے بھیا کی طرف دیکھتی رہی۔

بڑے بھیا نے کہا۔

"ہم لوگ تو وانستگی میں تم پر ظلم کر بیٹھے لیکن تم نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنے اوپر ظلم کیوں کیا؟"

بینا خاموش رہی تو بڑے بھیا نے کہا۔

"اس بات کا جواب تو تمہیں دینا ہی پڑے گا، بتاؤ اس کی وجہ کیا تھی؟"

بینا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ آپ لوگوں میں سے اشعر کے حق میں کوئی بھی نہیں ہے اور میں آپ لوگوں کی مرضی کے خلاف کسی کا انتخاب کر کے آپ لوگوں کے دل کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔"

بڑے بھیا گہری سوچوں میں ڈوب گئے۔

بینا نے کہا۔

"بڑے بھیا! آپ یقین کیجئے، اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں تھی۔"

بڑے بھیا نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہو گی، میں سمجھ رہا ہوں، تم جیسی لڑکی سے سوائے اس کے اور کسی بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔"

بینا کی آنکھیں سوچوں میں ڈوب گئیں۔

بڑے بھیا نے کہا۔



"تم اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کر بیٹھی ہو بینا! اپنے جذبات و احساسات کا گلا اس طرح نہیں جاتا۔"

بینا نے کہا۔

"بڑے بھیا! آپ نے جب اشعر کے بارے میں مجھے خط لکھا تھا تو آپ ہی نے کہا تھا کہ میں محبت ہیں سمجھتا لیکن اس کے لئے وقت اور حالات کے تقاضوں کو بھی دیکھنا پڑتا ہے اور ...."

بینا ایک لمحے کے لئے رکی اور بولی۔

"اور میرے خیال میں وقت اور حالات کا تقاضا یہی تھا کہ میں آپ لوگوں کے انتخاب کو کر لیتی۔"

بڑے بھیا نے تاسف سے کہا۔

"تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے بینا! اور تم نے شاید میری بات کو سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے جن حالات میں اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا وہ سراسر غلط تھا کہ تم! کتنی بڑی بے وقوفی کر تم۔"

بینا نے کہا۔

"میں سچ کہتی ہوں بڑے بھیا! میرے سامنے سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں تھی کہ میں وں کو اپنی ذات سے کوئی دکھ، کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔"

"ہوں۔" بڑے بھیا نے ایک گہری سانس لی۔

نا نے کہا۔

"آپ نے اور آپ لوگوں نے مجھے زندگی میں اتنا پیار اور اتنی محبت دی ہے تو میں آپ خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

بڑے بھیا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ہم سب کی خوشی تو اس میں تھی کہ ہم تمہیں زندگی میں خوش دیکھتے مگر تم نے اتنا بڑا روگ

اپنی جان کو روگ لگا لیا ہے، اور ہم سب کی عقلوں پر بھی پتھر پڑ گئے تھے جو نکاح کے بعد تمہاری مسلسل بیماری کو دیکھ کر بھی کچھ نہ سمجھ سکے۔"

بڑے بھیا نیچے چلے گئے تو مینا تکیوں میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔

اس حادثے کے بعد مینا کی صحت کچھ اور گر گئی۔ سبھی آ کر اُسے سمجھاتے تھے، اسے بہلاتے تھے۔ بظاہر ہنستی تھی، مسکراتی تھی۔ لیکن اس کا شیشہ دل جیسے چور چور ہو کر رہ گیا تھا۔ فیصل بھی اکثر آ جاتے تھے۔

ایک روز فیصل نے ہنستے ہوئے مینا سے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تمہاری صحت کیوں نہیں ٹھیک ہوتی؟"

مینا نے پوچھا۔

"کیوں؟ اب ایسی کون سی خاص بات ہو گئی ہے؟"

"بھئی جہانگیر سے تمہاری جان چھوٹ گئی، اس سے زیادہ خاص بات اور کون سی ہو گی۔"

مینا کی آنکھوں میں گہری سوچیں تھیں۔

فیصل نے پوچھا۔

"کن سوچوں میں ڈوبی ہوئی ہو؟"

"یہی سوچ رہی ہوں کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔"

"آگے؟ میں بتاؤں کیا ہونے والا ہے؟"

فیصل مسکرائے۔

مینا نے استفہامیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"اب ہو گا یہ کہ اشعر بے چارے کی قسمت کھل جائے گی۔"

مینا بڑے عجیب انداز سے مسکرا کر بولی۔

"اشعر، وہ اتنی دور بیٹھے ہیں اور ان کی واپسی کا اب کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔"



فیصل نے مسکرا کر کہا۔

"چلو اشعر کی نہ سہی میری قسمت کھل جائے گی۔"

مینا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

فیصل یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"شاید تم بھول رہی ہو مینا! میں بھی تو امیدوار تھا۔"

فیصل چلے گئے اور مینا ان کے جملے پر غور کرتی رہ گئی۔

سچ تو یہ تھا کہ اُسے فیصل کی زبان سے یہ جملہ سُن کر بڑا عجیب سا لگا تھا اس کے دل و دماغ میں کچھ بدگمانیاں سی سر اُٹھانے لگی تھیں۔

جمیلہ بیگم کو جب اس بات کا علم ہوا کہ مینا کا نکاح ٹوٹ گیا ہے تو انہوں نے جی بھر کے بخار اس نکالی سارے گھر کو برا بھلا کہا۔ بڑے بھیا کی تو انہوں نے اچھی طرح خبر لے ڈالی۔

"میں نے پہلے ہی اس بات پر اعتراض کیا تھا کہ ان لوگوں کو صحیح صورت حال کیوں نہیں بتائی گئی۔"

"میں تو جانتی تھی کہ جب ان لوگوں کو حقیقت کا علم ہو گا تو اوّل تو وہ لوگ مینا کو رخصت نہیں کروائیں گے اور اگر اس کی قسمت سے رخصتی ہو بھی گئی تو ساری زندگی اسے طعنے ملتے رہیں گے۔"

"اسی لئے میری خواہش تھی کہ اشعر سے اس کی شادی ہو اس گھر میں کم سے کم طعنے تو نہ ملتے اُسے۔"

جمیلہ بیگم جو کچھ بھی کہہ سکتی تھیں انہوں نے کہا ان کی باتوں کے جواب میں کوئی بھی کچھ نہیں بولا کوئی کہہ بھی کیا سکتا تھا وہ جو کچھ کہہ رہی تھیں ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔

مینا کے زرد سُتے ہوئے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"اس کی مسلسل بیماری نے اُسے پہلے ہی ادھ موا کر رکھا ہے، اب یہ تازہ غم معلوم نہیں

کیا دن دکھلائے گا۔"

اور جمیلہ بیگم کا خیال کچھ غلط نہیں تھا۔

مینا کی زندگی کے اس نئے حادثے نے اس کے دل پر بڑا گہرا اثر کیا۔

پہلے تو وہ دوسروں سے ہنس بول لیتی تھی۔

اپنے آپ کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی۔

اپنے دل و دماغ کو سمجھا کر وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

اپنی صحت یابی کے لئے دُعا بھی کرتی تھی۔

لیکن اب تو نہ اس کا دل صحت یاب ہونے کی دُعا کرتا تھا اور نہ ہنسنے مُسکرانے کو جی چاہتا۔

اس کے ابّو ظفر صاحب نے اس کے غم کو دل سے لگا لیا تھا، ان کی صحت بھی دن بدن گرتی رہی تھی ان کی حالت دیکھ کر مینا کا دل اور بھی زیادہ کڑھتا تھا۔

مینا کی طبیعت جب زیادہ خراب ہوئی تو اس کی خواہش پر جمیلہ بیگم تقریباً روزانہ ہی اس کے پاس آنے لگیں وہ صبح دس گیارہ بجے کے قریب آتی تھیں اور شام کو پانچ بجے تک واپس جاتی تھیں۔ نجمہ آپا اور خالہ امّی بھی کئی دفعہ اُسے دیکھنے آ چکی تھیں۔

جمیلہ بیگم ان دنوں بڑی گم صُم سی رہنے لگی تھیں۔ مینا کا ہر کام وہ خود کرتی تھیں لیکن زیادہ خاموش رہتی تھیں۔ مینا نے کئی دفعہ ان سے اس اُداسی اور خاموشی کا سبب پوچھا لیکن انہوں نے ہر دفعہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ کچھ نہیں، تمہاری بیماری کی وجہ سے پریشان ہوں۔

لیکن اس روز وہ کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

"کیا کرو گی پوچھ کر؟"

مینا نے اصرار کیا۔

"پھر بھی امّی! کچھ پتہ تو چلے آخر آپ کیا سوچتی رہتی ہیں؟"



جمیلہ بیگم نے اس سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔

"تمہاری حالت دیکھ کر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتی رہتی ہوں۔"

مینا کچھ دیر سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی پھر اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں امّی! آپ بُرا تو نہیں مانیں گی؟"

جمیلہ بیگم نے ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھا پھر بولیں۔

"پوچھو۔"

"آپ کو اپنے اس فیصلے پر زندگی میں کبھی پچھتاوا بھی ہوا؟"

جمیلہ بیگم چونک کر بولیں۔

"کس فیصلے پر؟"

"ابّو کو اور ہم لوگوں کو چھوڑ دینے کے فیصلے پر۔"

مینا کی آواز مدّھم تھی۔

جمیلہ بیگم ایک طویل سانس لے کر بولیں۔

"آج تم نے یہ سوال کیا ہے تو بتانا ہی پڑے گا۔"

مینا ان کی طرف پوری طرح متوجّہ ہو گئی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"پہلے مجھے کبھی اس بات کا خیال نہیں آیا لیکن جب تم پہلی دفعہ میرے گھر آئیں اور میں نے تمہیں اس رات تمہارے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے پہلی دفعہ میرے ذہن میں یہ سوال ان برسوں پہلے جو قدم اُٹھا چکی ہوں وہ صحیح تھا یا غلط۔"

اور اس کے بعد جب بھی تمہارا خیال آیا میں اپنی زندگی کے اس پہلو پر غور کئے بغیر نہ رہ سکی۔"

مینا بستر پر نیم دراز ٹکٹکی جمیلہ بیگم کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"اگر تمہاری شادی اشعر سے ہو گئی ہوتی اور تم اپنے گھر میں خوش و خرّم ہوتیں تو مجھے کوئی فکر نہ ہوتی۔"

مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

جمیلہ بیگم نے کہا۔

"تم اندازہ نہیں کر سکتیں مینا کہ میرے دل و دماغ پر کس قدر بوجھ ہے، خدا کرے تمہاری زندگی کسی صورت سنور جائے تو میرے دل کو چین ملے۔"

وہ ایک لمحے کے لئے رُک کر بولیں۔

"لیکن اگر خدانخواستہ تمہاری زندگی اسی طرح بیماریوں اور پریشانیوں کی نذر ہو گئی تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر سکوں گی۔"

جمیلہ بیگم کی مسلسل تیمارداری، توجّہ اور محبّت رائیگاں نہ گئی مینا کی صحت آہستہ آہستہ قدرے بہتر ہو گئی۔ گو وہ مکمل طور پر تو صحت یاب نہ ہو سکی لیکن —— وہ پہلے جیسی کیفیت بھی نہ رہ، ورنہ ایک وقت تو ایسا آیا تھا کہ ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔

مینا کی طبیعت ٹھیک ہو گئی تو جمیلہ بیگم کی آمدورفت پہلے سے کم ہو گئی پھر تو وہ کبھی کبھار اس کی طبیعت پوچھنے آ جاتی تھیں۔

جمیلہ بیگم مینا کے اس قدر قریب آ کر ایک بار پھر دُور ہوئیں تو مینا کا احساسِ محرومی سرے سے جاگ اُٹھا۔

اس کا دل چاہتا تھا جمیلہ بیگم ہر وقت اس کے پاس رہیں۔

اس کی خواہش تھی کہ جمیلہ بیگم دن رات اس کی نگاہوں کے سامنے رہیں۔

بچپن سے لے کر پچھلے چند برس قبل تک وہ ماتا کی جس چھاؤں سے محروم رہی تھی اب کچھ عرصے کے لئے وہ چھاؤں میسّر آئی تو اس کا ترسا ہوا دل ایک دم جیسے مچل اُٹھا۔

اس ٹھنڈی چھاؤں کے نیچے سے ہٹنے کو دل ایک لمحے کو بھی آمادہ نہیں ہوتا تھا۔



مگر ایسا کب ممکن تھا؟

وہ چھاؤں، وہ چھپّر تو محض عارضی طور پر اس کے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔

جمیلہ بیگم کی آمدورفت جب برائے نام ہی رہ گئی تو مینا کو وقت بے وقت ان کی یاد ستانے لگی۔

وہ اکثر بیٹھے بیٹھے کھو جاتی۔

اس کی یہ گہری اور طویل سوچیں اس کے احساسِ محرومی کو اور بھی ہوا دینے لگتیں۔

یادوں کے سائبان تلے چلتے چلتے وہ اس مقام تک پہنچ جاتی جہاں ایک ننھی منّی چھوٹی سی

دل میں محرومی کا نیا نیا احساس جاگا تھا۔

ماں کی محبّت، ممتا کی ٹھنڈی، پُرسکون چھاؤں سے محروم —— مینا —— یاسمین، اپنے باپ،

ں اور بھابیوں کی بے پناہ محبّت اور توجّہ پا کر بھی زندگی کے اس خلا کو پُر نہ کر سکی۔

وقت کی گرد میں اٹی ہوئی دہلیز پر بیٹھے بیٹھے اس نے سوچا۔"

بعض دفعہ ہم زندگی میں کتنے غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں۔"

اور کبھی کبھی دوسروں کی خوشی کی خاطر کتنی بے دردی سے ہم لوگ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا

ہیں۔"

کیسی کیسی پابندیاں ہم خود اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہیں۔"

مجبوریوں کی کیسی بھاری زنجیریں ہم خود اپنے ہاتھوں پہن لیتے ہیں۔"

پھر وقت گزر جاتا ہے۔"

راستے گرد میں دھندلا جاتے ہیں۔"

زندگی کے سفر میں جو مقام ایک دفعہ آ کر گزر جاتے ہیں وہ پھر نہیں آتے۔"

وہ کبھی واپس نہیں آتے۔

ہمیں ان سب باتوں کا احساس ہوتا تو ہے مگر بہت بعد میں۔"

ج —— جب گھر کے در و دیوار تنہائی کا راگ الاپ رہے تھے۔

جب خاموشی اس کی رازداں بن گئی تھی۔

تو ایک ایک کر کے سارے ٹانکے اُدھڑتے چلے گئے۔

زخموں کے مُنہ چُپ چاپ کھلتے چلے گئے۔

یادوں کا ایک سیلاب سا اُمنڈ آیا۔

پچھلے تمام برسوں کا ایک ایک لمحہ طویل داستان بن گیا۔

ہونٹ ہلے نہیں۔

ان میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی۔

مگر پھر بھی بچپن سے لے کر اب تک کے ہر پل کی کہانی کہتے چلے گئے۔

گزشتہ روز بھی رات کا جانے کونسا پہر تھا جب یاسمین (مینا) کی آنکھ لگی۔

پھر صبح دس بجے سے ہی گھر میں سنّاٹا ہونے لگا۔

ابّو اور بڑے بھیّا تو دو، تین روز سے حیدرآباد گئے ہوئے تھے۔ زمینوں کا کچھ جھگڑا تھا، سا
چھوٹے بھیّا نے سنبھالا ہوا تھا، رات کو خاصی دیر سے واپس آتے تھے، اسلم بھیّا عنقریب ہی ا
جانے والے تھے اسی سلسلے میں وہ اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ کرن کے دم سے بڑی رونق رہتی
لیکن مینا نے آج صبح ہی شائستہ بھابی کو زبردستی ان کے میکے بھیج دیا تھا۔ ان کی امّی کی طبیعت
دنوں سے بڑی سخت خراب تھی لیکن بھابی اس انتظار میں تھیں کہ بڑے بھیّا واپس آجائیں تو و
امّی کو دیکھنے جائیں وہ مینا کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں، شائستہ بھابی اگر گھر میں ہوتیں تو شا
چلی بھی جاتیں مگر ان کی طبیعت ان دنوں زیادہ تر خراب ہی رہتی تھی۔ پھپھو بھی اماں چار پانچ د
انہیں اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔

کرن اور شائستہ بھابی کے جانے کے بعد گھر میں بالکل سنّاٹا سا ہو گیا۔

گزشتہ کئی دنوں سے جمیلہ بیگم نہیں آئی تھیں مینا کو دن میں جانے کتنی دفعہ ان کا خیال

اور اب جب کہ تنہائی بھی تھی اور سنّاٹا بھی۔



ذہن کے سارے دریچے ایک کے بعد ایک کھلتے چلے گئے۔

اس نے سوچا۔

" امّی کے ایک جذباتی فیصلے نے میرے اور ان کے درمیان درد کے کتنے طویل فاصلے قائم کر دیئے ہیں۔"

" اور خود میں نے جو فیصلہ کیا۔"

" دوسروں کی خوشی کی خاطر"

" دوسروں کا مان رکھنے کی خاطر"

" اس کا انجام کیا ہوا؟"

" یہی نا کہ اپنے اور اشعر کے درمیان میں نے خود اپنے ہاتھوں درد کے فاصلے قائم کر دیئے۔"

" اب یہ فاصلے کبھی نہیں سمٹ سکیں گے۔"

" کبھی نہیں۔"

" شاید کبھی نہیں۔"

" اس نے تھک کر آنکھیں بند کرلیں۔"

دوپہر جانے کب کی ڈھل چکی تھی۔

بلکہ اب تو شام کے سائے بھی ڈھلنے لگے تھے۔

آخر نومبر کی دُھواں دُھواں شام تاریکی کی باہوں میں سمٹ جانے کے لئے بیقرار تھی۔

فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی۔

درختوں میں بڑی مدّھم مدّھم سی سرگوشیاں تھیں۔

اس کے کمرے میں ہلکی ہلکی تاریکی سمٹ آئی تھی۔

زینے پر کسی کے قدموں کی چاپ اُبھر رہی تھی۔ چند سیکنڈ بعد بُوا اس کے کمرے میں آگئیں

" سو رہی ہو بیٹا؟"

بُوا نے پوچھا۔

مینا نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں بُوا! میں جاگ رہی ہوں۔"

بُوا نے کہا۔

"فیصل میاں آئے ہیں۔"

"اچھا تو اُوپر ہی بھیج دیجئے انہیں۔"

"ہاں، اُوپر ہی آرہے ہیں۔"

بُوا نے زینے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی چائے بنا کر بھیجتی ہوں۔"

دروازے پر دستک ہوئی تو مینا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

دوبارہ دستک ہوئی تو مینا نے کہا۔

"آیئے فیصل بھائی! اندر آجایئے۔"

اور جب فیصل اندر آئے تو مینا چند سیکنڈ تک سکتے کے عالم میں بیٹھی رہ گئی۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ فیصل کے ساتھ اشعر یوں اچانک چلے آئیں گے۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

ایک حسین خواب

ایک سندر سپنا۔

جس کی تعبیر بہت بھیانک نکلے گی۔

وہ آنکھیں کھولے گی تو نہ اشعر نظر آئیں گے نہ ان کا سایہ۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اشعر کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور فیصل ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھیرے مینا کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔



اشعر مینا کو اس حال میں دیکھ کر اپنے اردگرد سے بیگانے ہوتے جا رہے تھے۔

ان کی آنکھوں میں دُکھ اور پریشانی کا امتزاج تھا۔

ہونٹوں کے گوشے آہستہ آہستہ کانپ رہے تھے۔

کمرے میں بڑی منجمد سی خاموشی چھا گئی تھی۔

آخر فیصل نے اس خاموشی کو توڑا۔

مینا کے قریب جا کر انہوں نے کہا۔

"یہ خواب نہیں حقیقت ہے مینا بیگم!"

مینا کی پلکیں ایک ذرا سا جھپکیں۔ اس نے فیصل کی طرف دیکھا۔ فیصل نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو! بڑی دور سے بلوایا ہے انہیں، اب اگر تم نے کسی جہانگیر، کسی شاہجہاں یا کسی اورنگ زیب کا انتخاب کر کے ان پہ ظلم و زیادتی کی تو پھر سمجھ لینا مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

فیصل کی بات سُن کر اشعر کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

فیصل نے دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے کہا۔

"اب میں تو نیچے جا کر بُوا سے چائے بنوا کر پیتا ہوں اور آپ اشعر صاحب! ذرا ان محترمہ کی اچھی طرح خبر لیجئے۔ جو دوسروں کا درد اپنے جگر میں بسا کر خود اللہ میاں کے یہاں جانے پہ کمربستہ تھیں۔"

پھر فیصل نے کچھ شوخ ہو کر اشعر سے کہا۔

"اور آپ اپنی بے خواب راتوں کا حساب بھی لے لیجئے گا ان سے۔"

اشعر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ انہوں نے پلٹ کر فیصل کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے باہر نکل گئے۔

اشعر چند سیکنڈ تک وہیں کھڑے مینا کی طرف دیکھتے رہے پھر بے تاب ہو کر اس کے قریب آ گئے۔

دونوں ہاتھوں میں مینا کا چہرہ تھام کر وہ بولے۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا لی ہے مینا؟"

مینا کی پلکیں بھیگ گئیں۔

اشعر نے کہا۔

"کس قدر عذاب کے دن کاٹے ہیں میں نے! تمہیں اندازہ ہے؟ یہ سب کچھ تمہاری حماقت کی وجہ سے ہوا۔"

مینا نے پلکیں جھپکائیں تو آنسو رخساروں پر پھسل پڑے۔

اشعر نے اس کا سر اپنے شانے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"کتنا طویل فاصلہ طے کیا ہے تم تک پہنچنے کے لئے میں نے۔"

مینا کے آنسو کچھ اور تیزی سے بہنے لگے۔

اشعر نے کہا۔

"اور یہ آج ان لمحوں جیسا سکون تو مجھے ساری زندگی بھی نہیں ملا تھا۔"

پھر اشعر نے اپنے شانے سے مینا کا سر اٹھاتے ہوئے کہا

"تم کیا محسوس کر رہی ہو؟ کچھ بھی نہیں کہو گی؟"

مینا کے زرد چہرے پر ایک لمحے کے لئے ہلکی سی سرخی نظر آئی اس نے آنسو بھری نگاہیں اٹھا کر جھینپے جھینپے انداز سے ان کی طرف دیکھا۔

اشعر مسکرا کر بولے۔

"بس! اتنا ہی کافی ہے، زبان سے کہنے کی تو ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔"

مینا کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

---

تمت بالخیر